کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شو

فاقم وجهك للدين حنيفا فطرت الله التي فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله ذلك الدين القيم

ترجمہ

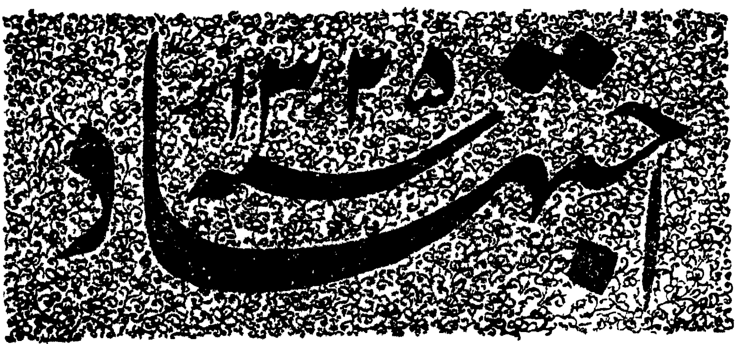
(اے پیغمبر) تم تو ایک (خدا) کے ہو کر اس

کے) دین کی طرف اپنا رخ کیے رہو (یہ) خدا کی (بنائی ہوئی)

سرشت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی بنائی ہوئی

بناوٹ میں ردوبدل نہیں ہو سکتا یہی دین (کا) سیدھا رستہ ہے

اللہ تعالیٰ جل شانہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اسی کی توفیق سے



مصنفہ فرید العصر وحید الدہر علامۂ زماں فہامۂ دوراں

عالی جناب معلی القاب شمس العلماء حضرت مولانا مولوی

حافظ نذیر احمد صاحب ایل۔ایل۔ڈی دامت

برکاتہم و دام فیوضہم ۔ تصحیح فاضل اجل عالم اکمل مولانا

مولوی محمد رحیم بخش صاحب دہلوی بماہ رمضان

المبارک ۱۳۲۵ھ

میرزا عبد الغفار مالک

فہرست مضامینِ اجتہاد

مجمل فہرستِ مضامینِ اجتہاد



"مَیں کیوں مُسلمان ہوں"۔

شاعروں نے آدمی کو فانوسِ خیال کے ساتھ ٹھیک تشبیہ دی ہے۔ وہ تنہائی میں بھی کچھ نہ کچھ خیال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ اکیلے آپ ہی آپ باتیں کرتے چلے جاتے ہیں جیسے کوئی اُن سے ہمکلام ہے۔ آدمی کی یہ عادت خواب میں بھی نہیں چھُوٹتی۔ یاد نہ رہنے کی تو اَور بات ہے ورنہ آدمی سوتے میں بھی خیالات سے فارغ نہیں ہوتا۔ اِسی عادت کے مطابق ایک دن بیٹھے بیٹھے مجکو یہ خیال آیا کہ "میں کیوں مُسلمان ہوں"۔ خیالات کا تو یہ حال ہے کہ اِدھر آئے اور اُدھر غائب۔ طبیعت دوسری طرف متوجہ ہوگئی۔ مگر یہ خیال کہ "مَیں کیوں مُسلمان ہوں" کچھ اَیسا پیچھے پڑا کہ ہرچند مَیں اُس کو ٹالنا چاہتا تھا ٹلنے کا نام نہیں لیتا تھا یہاں تک کہ کئی سال مُتواتر مَیں اسی خیال میں غلطاں پیچاں رہا۔ خیال نے ایسی وسعت پکڑی کہ تھا تو مَیں ایک مگر اَیسا معلوم ہوا کہ ایک سے دو ہوگیا ہوں۔ ایک حیثیت سے سائل اور دوسری حیثیت سے مجیب۔ مَیں نہیں کہہ سکتا کہ اَیسا خیال کبھی دوسرے مُسلمانوں کو بھی آتا ہے یا نہیں۔ مگر آنا چاہئیے۔ بلکہ مُسلمان کی خصوصیت نہیں۔ مَیں تو کہتا ہوں کہ ہر ایک شخص کو جو مذہب کی ضرورت کو سمجھ کر کسی خاص مذہب کا معتقد ہو کبھی نہ کبھی اپنے نفس سے پُوچھنا چاہئیے کہ وہ کیوں مثلاً ہندو یا عیسائی یا یہودی یا پارسی یا کیا یا کیا ہے۔ اَیسا خیال کرنے سے قوی اُمید ہے کہ وہ حق کو دریافت کرے گا خدا کا وعدہ ہے وَاللّٰہُ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ[a] کہ

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ (عنکبوت ع ۷-۱۲)

اور جن لوگوں نے ہمارے دین کے کام میں کوششیں کیں ہم (بھی) ضرور اُن کو اپنے رستے دکھائیں گے ف۱

ف۱ دین کے کام میں کوشش کرنے کے یہ معنے معلوم ہوتے ہیں کہ دین کے رواج دینے اور اعلاء کلمۃ اللہ اور دین کی حمایت میں کوششیں کیں اور اپنے رستے سے مراد ہے اپنی خوشنودی اور اپنی رضامندی حاصل کرنے کے طریقے۔ مطلب ہے کہ ہم انکو اعمال نیک کی توفیق دیں گے ۱۲

[a] اور اللہ تو وعدہ خلافی کیا ہی نہیں کرتا

اور بالفرض والتقدیر اگر وہ واقعی حق کو دریافت نہ بھی کر سکا تاہم وہ حقِ سعی بجالایا اور اُس کے لیے وہی حق ہی جو اُس نے سمجھا۔

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي۔ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں۔[1]

(قطعہ)

دوست نزدیک تر از من بمن است — وین عجب تر کہ من از وے دورم

چہ کنم با کہ تواں گفت کہ او — درکنارِ من و من مہجورم

اور

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰهَا۔ (الطلاق ع ۱) خدا نے جس کو جتنا دے رکھا ہی۔ اُس سے بڑھ کر کسی کو تکلیف دینی نہیں چاہتا۔

یہ خیال کہ میں کیوں مسلمان ہوں" کچھ ہمہ وقت مجکو مصروف نہیں کیے رہتا تھا۔ مجکو دُنیا کے اَور بھی کام تھے بلکہ

لِي مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ۔ میرے لیے خدا کے ساتھ ایک خاص وقت ہی

جب کبھی دوسرے مشاغل سے فرصت ملی اور میں اکیلا ہوا یہ خیال از خود اس طرح آموجود ہوتا تھا کہ گویا فرصت کی تاک میں لگا تھا۔ جب تک مجکو اسلام کی طرف سے پورا اطمینان نہیں ہو لیا۔ طبیعت میں اسی کی اُدھیڑ بُن لگی رہی تھا تیں جو دل ہی دل میں ہوتی تھیں مکالمے کی طرح پر ہوتی تھیں۔ تاکہ پڑھنے والے کو سمجھنے میں آسانی ہو میں نے سوال و جواب کی شکل میں گفتگو کو قلمبند کر لیا ہے۔ س مخفف ہے سائل کا اور م مجیب کا۔

آغازِ گفتگو

(۱) اسلامی معتقدات

(س) کیا آپ مسلمان ہیں؟

(م) الحمد للہ[2] (مونہ پر ہاتھ پھیر کر[3]) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ[4]

---

[1] یہ ایک بڑی حدیثِ قدسی کا ٹکڑا ہی۔ حدیث قدسی وہ ہی جس کے راوی تو ہوں جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور روایت ہو خدا تعالیٰ کی طرف سے۔ تو اس ٹکڑے کا مطلب ہی کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں۔ جیسا وہ میرے حق میں گمان کرتا ہی۔ میں اُس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں۔ محدثین نے اِس حدیث کو کئی طرق سے روایت کیا ہی۔ بخاری نے تو صرف اسی قدر انا عند ظن عبدی بی مگر مُسلم اور ترمذی نے اتنا اَور زیادہ کیا ہی وانا معہ اذا دعانی اور شرح فقہ اکبر میں یوں ہی انا عند ظن عبدی بی فیظن بی ما یشاء ۱۲

[2] اِس کے معنے ہیں "خدا کا شکر ہی" مگر یہ سائل کے اِس سوال کا کہ "کیا آپ مسلمان ہیں" جواب نہیں ہی۔ اِس کا جواب تو ہی۔ "ہاں" یا "نہیں"۔ ہاں جواب کے قائم مقام ہی۔ اِس طرح کہ میں مُسلمان ہوں اور اِس پر خدا کا شکر ہی ۱۲

[3] لوگوں کا دستور ہی کہ کوئی متبرک کلمہ زبان سے کہتے وقت مونہ پر ہاتھ پھیرنے لگتے ہیں اُن کا خیال ہی کہ متبرک کلمے کے بولتے وقت تنفس میں برکت کا اثر ہوتا ہے تو تنفس کو تبرکاً ہاتھ کے ذریعے سے مونہ پر پہنچانا چاہیے یہ دستور اکثر عربوں اور افغانستانیوں میں دیکھا جاتا ہی ۱۲

[4] یہ کلمہ اسلامی شریعت کا لُبِّ لُباب ہی اور

(س) کیا بس اسی کا نام اسلام ہے؟ اگر کسی دوسرے مذہب کا آدمی مثلاً ہندو یا عیسائی یہی الفاظ نقل کے طور پر مونہ سے کہے تو کیا اتنا کہنے سے مسلمان ہو جائے گا؟

(م) نہیں! اسلام کے لیے اقرار باللسان (زبان سے اقرار کرنا) اور تصدیق بالجنان (دل سے ٹھیک اور سچا جاننا)[۱] دو ضروری شرطیں ہیں۔

(س) کسی کے دل کی کوئی کیا جانے۔ پس کوئی ہم کو اور ہم کسی کو کیونکر مسلمان کہہ سکتے ہیں۔

(م) صرف مُقِر (اقرار کرنے والے) کے زبانی اقرار سے۔

(س) کیا ممکن نہیں کہ دل میں انکار ہو اور زبانی اقرار۔

(م) بے شک ممکن ہے۔ اور خود جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہوا ہے ہر زمانے میں ہوا کیا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے۔ جناب پیغمبر صاحب کے عہد کی شہادت میں تو قرآن موجود ہے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (البقرہ ع۲) اور

اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو (مونہ سے تو) کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور روز آخرۃ پر ایمان لائے حالانکہ وہ ایمان نہیں لائے (یہ لوگ اپنے نزدیک) اللہ کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لاچکے ہیں دھوکا دیتے ہیں اور (درحقیقت ہیں) دھوکا نہیں دیتے مگر اپنے آپ اور اس بات کو نہیں سمجھتے [۱]

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (الحجرات ع۲)

عرب کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے ہاں (یوں) کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے اور ایمان کا تو ہنوز تمہارے دلوں میں گزر تک بھی نہیں ہوا [۲]

---

[۱] مطلب یہ ہے کہ ہم اس کی زبان کو اُس کے دل کا ترجمان معتبر سمجھیں گے کہ جو وہ مونہ سے کہتا ہے دل میں بھی اُس کو صحیح سمجھتا ہے ۱۲

[۱] اپنے آپ کو دھوکا دینے کے یہ معنے کہ جھوٹ کو ذریعۂ کامیابی سمجھتے ہیں اور وہ دنیا اور دین میں ان کی تباہی کا موجب ہے ۱۲

[۲] ایمان دل سے علاقہ رکھتا ہے اور خدا کے سوا دوسرں کو اُس کی خبر نہیں ہو سکتی اور اسلام افعال ظاہر سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک شخص مسلمانوں کی سی وضع رکھتا اور مسلمانوں کے ساتھ کھاتا پیتا اور اپنے تئیں مسلمان کہتا ہو شرع جو ظاہر پر حکم کرتی ہے اُس کی رُو سے وہ مسلمان سمجھا جائے گا مگر ممکن ہے کہ اُس کے دل میں ایمان نہ ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ فرض کرو ایک شخص دل میں ایمان رکھتا ہے اور اُس کا ظاہر مسلمانوں کا سا نہیں اور ایسے لوگ بہت تو نہیں معدودے چند ہم نے خود دیکھے ہیں کہ دل میں مذہب اسلام کی حقانیت کے قائل ہیں مگر برادری کے ڈر سے یا کسی اَور وجہ سے کھُلم کھُلا مسلمان نہیں ہیں تو ہم اُن کے ساتھ مسلمانوں کا سا برتاؤ نہیں کریں گے۔ مگر چونکہ ہم کو کسی طرح پر اُن کے دلی خیالات معلوم ہو گئے ہیں ہم کو کیا ضرور ہے کہ مونہ پھوڑ کر اُن کو کافر کہیں ورتالیف کے عوض اُن کو نفرت دلائیں اس آیت میں ایمان اور اسلام کا فرق جتانا مقصود ہے سخت افسوس ہے کہ آج کل مسلمانوں میں یہ فساد کثرت سے شائع ہو گیا ہے کہ بات بات میں مسلمانوں کو کافر بنا دیتے ہیں حالانکہ شریعت کی رُو سے کسی کو حق نہیں کہ مسلمان بھائی کو گروہ اسلام سے خارج کرے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم ساری عمر مسلمانوں کے گروہ کے بڑھانے کی تدبیروں میں لگے رہے اور وہ مسلمانوں کے گروہ میں داخل کرنے کے لیے حیلے ڈھونڈھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے اُبَاهِيْ بِكُمُ الْاُمَمَ کہ تمام پیغمبروں میں میں ایسا پیغمبر ہوں جس کی امت آخرت میں سب

بات یہ ہی کہ دنیا میں مذہبوں کی یہ کثرت ہی کہ مُونہ سے جو چاہے سو کہے بلا مبالغہ گویا ہر شخص جُداگانہ مذہب رکھتا ہی - اِس کے دل کو خدا نے آزاد و مطلق پیدا کیا ہی - جو چاہے خیال کرے کسی کی اُس پر جبری حکومت نہیں نہ حاکم کی نہ بزرگ کی نہ برادری کی نہ دوست کی نہ دشمن کی - اِس واسطے کہ سوائے خدا کے اور خود اِس شخص کے کسی کو اِس کے مافی الضمیر کی اطلاع نہیں اور نہ ہو سکتی ہی - آدمی کے اعضا کو اُس کے حرکات اور سکنات کو حتّٰے کہ زبان کو روکا جا سکتا ہی - مگر دل کو خدا کے سوائے کون روکے -

(ش) اچھا پھر آپ کو ہم اس لیے مُسلمان سمجھیں کہ آپ اپنے تئیں مُسلمان کہتے ہیں یا واقع میں بھی آپ دل سے اسلام کے معتقد ہیں ؟

(م) اَب تو ہوں !

(ش) اَب تو ہوں کے کیا معنے ؟ کیا اَب سے پہلے آپ مُسلمان نہ تھے ؟

(م) تھا مگر مقلد اور اَب خدا کے فضل سے مجتہد ہوں -

(ش) ذرا کھول کر اِس کا مطلب سمجھائیے -

(م) مطلب یہ کہ میری اِتنی عمر ہونے آئی کہ میرے ساتھی اکثر چل بسے اور مَیں بھی قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں مگر مَیں نے ساری عمر تصدیق بالجنان کی طرف توجہ نہیں کی - اور مَیں صرف اِس لیے اپنے تئیں مُسلمان سمجھتا اور کہتا رہا کہ مُسلمان کے گھر پیدا ہوا - مُسلمانوں کا سا میرا نام رکھا گیا - مُسلمانوں میں پرورش اور تعلیم پائی - مُسلمانوں میں بابسہا مَیں نے اِس اثنا میں ایک لمحے کے لیے بھی اِس کا خیال نہ کیا کہ مجھے تحقیق مذہب کی بھی ضرورت ہی - مَیں اسلام پر قانع اور اُس کی طرف سے مطمئن تھا کہ میرے لیے اِسی قدر بس کرتا ہی - کہ نماز روزہ جو دوسرے مُسلمان کرتے ہیں مَیں بھی کر لیا کروں یعنی اعمالِ ظاہر کو مَیں صرف ایک رسم کے طور پر ادا کر لیا کرتا تھا اور مَیں ایک مقلّد مُسلمان تھا اور بس اَب چند روز ہوئے کہ مجکو خیال ہوا کہ مذہب رسم نہیں بلکہ زندگی کی ضرورتوں میں سے بڑی اشدّ ضرورت ہی - سب سے پہلے مَیں نے آپ ہی آپ ہر ایک چیز کو نظر غور سے دیکھنا شروع کیا - اِس سے پہلے میں جس چیز کو دیکھتا اُوپری اور سرسری نظر سے دیکھتا اَب ہر چیز کی تہ کو پُونچھنے لگا کہ یہ کیا ہی - کیونکر بنی ہی - کس غرض سے بنی ہی - آپ سے آپ بن گئی ہی یا کسی نے بنائی ہی - بنانے والے نے اِس کے بنانے میں کیا کاریگری کی ہی - بس اس سوچ بچار کو عمارتِ دین کی بُنیاد سمجھو -

(۲) خُداشناسی

(ش) یہ کیونکر ؟

(م) یہ اِس طرح کہ شروع شروع میں ایسی چیزوں پر نظر پڑتی تھی جن میں آدمی کے عمل کو بھی تھوڑا بہت دخل ضرور تھا - وہ مکانات تعمیر کرتا - باغات لگاتا - کاشتکاری کرتا - ساز و سامانِ خانہ داری بہم پُہنچاتا - اور بنظر ظاہر بنانے

والا یعنی خالق خیال کیا جاتا۔ مگر غور سے دیکھا تو وہ ایک حد تک متصرف فی الامور ضرور ہے چیزوں کی حالت اور ترتیب بدل سکتا ہے۔ معدوم کو موجود نہیں کرسکتا۔ اور بہتیرے تغیّرات اس کے دست رس سے خارج بھی ہیں

(س) ذرا اس کی مزید توضیح فرمائیے۔

(م) مثلاً آدمی نے مکان بنایا تو اس بنانے کے یہی معنے ہیں کہ اُس نے مٹّی سے اینٹیں تھاپیں۔ اُن کو پکایا درختوں کی لکڑی چیر کر کڑی۔ تختہ کواڑ۔ چوکھٹ یہ چیزیں بنائیں۔ اُن کو لوہے کی کیلوں سے جڑا۔ پھر سب چیزوں کو موقع موقع سے ترتیب دے دیا اتنا کرنے سے بانیِ مکان کہلانے لگا۔ مگر پانی مٹّی۔ لکڑی۔ لوہا۔ کوئی چیز بھی آدمی نے پیدا نہیں کی۔

(س) اچھا اور وہ تغیّرات جو انسان کے دست رس سے خارج ہیں؟

(م) اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۔ (بقرہ ع ۱۹)

بے شک آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کی آمد شُد میں اور جہازوں میں جو لوگوں کے فائدے کی چیزیں (یعنی مال تجارت) سمندر میں لے کر چلتے ہیں اور مینہ میں جس کو اللہ آسمان سے برساتا پھر اُس کے ذریعے سے زمین کو اُس کے مرے (یعنی اُفتادہ ہے) پیچھے پھر زندہ (یعنی شاداب) کرتا ہے اور ہر قسم کے جانوروں میں جو خدا نے روئے زمین پر پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کے اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر پھیرنے میں اور بادلوں میں جو (اللہ کے حکم سے) آسمان و زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں (غرض ان سب چیزوں میں) اُن لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں قدرتِ خدا کی بہتیری نشانیاں (موجود) ہیں۔

یہ چند باتیں تو مثال کے طور پر بیان کر دی گئی ہیں۔ آدمی خود سوچے سمجھے تو معلوم کرسکتا ہے کہ جس کو اختیار کہنا چاہیئے اُس کا تو نام ہی نام ہے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے بہت ٹھیک فرمایا ہے ؎

گرت چشمِ خدا بینی ببخشند نہ بینی ہیچ کس عاجز تر از خویش

دُور کیوں جاؤ خود آدمی ہی کے حال کو دیکھو کہ پیدا ہونا جینا طفلی اور شباب اور پیری کی منزلیں طے کرنا۔ مرنا ان میں سے کوئی چیز بھی آدمی کے اختیار میں ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا

(لوگو!) وہ (خدا ہی تو) ہے جس نے تم کو (اول بار) مٹّی سے پیدا کیا ف پھر نطفے سے پھر لوتھڑے سے پھر تم کو بچہ سا (ماں کے پیٹ سے)

ف آدمی کو اول بار مٹّی سے پیدا کرنے میں یا تو آدم کی پیدائش کی طرف اشارہ ہوگا کہ وہ پہلے آدمی تھے جو مٹّی سے پیدا ہوئے اور اُن کے بعد سے توالد و تناسل کا یہ دستور ٹھیرا جو اب چل رہا ہے یا شاید سارے آدمیوں کا مٹّی سے پیدا کرنا مراد ہو کہ نطفہ غذا سے بنتا ہے اور غذا جو کچھ بھی ہے مٹّی سے پیدا ہوتی ہے ۱۲

طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔ (المؤمن ع ۷)

نکالتا ہی پھر (تم کو زندہ رکھتا ہی) تاکہ تم اپنی جوانی کو پونہچو پھر (تم کو اور زندہ رکھتا ہی) تاکہ تم بوڑھے ہوجاؤ اور تم میں سے کوئی (کوئی ان وقتوں سے) پہلے (بھی) مرجاتا ہی۔ اور (جن کو جوانی یا بڑھاپے تک زندہ رکھا جاتا ہی تو) اس غرض سے (زندہ رکھا جاتا ہی) کہ تم (لوگ موت کے) وقتِ مقرر تک پونہچو اور مقصود (اصلی) یہ ہی کہ ان آثارِ قدرت کو سمجھو۔

ہم تو جینے کے یہی معنے سمجھتے ہیں کہ آدمی مونہ کی راہ ماکول و مشروب پیٹ کی کوٹھری میں بھر لیتا ہی۔ جیسے بھڑ بھونجا بھاڑ جھونکتا ہی۔ خیر یہاں تک تو آدمی کو جوتنا۔ بونا۔ کاٹنا۔ گاہنا۔ پیسنا۔ پکانا۔ نگلنا۔ کچھ کرنا بھی پڑتا ہی۔ نگلے پیچھے اس کو خبر بھی تو نہیں ہوتی۔ کہ غذا کیونکر گوشت۔ پوست۔ ہڈی۔ پٹھے۔ رگ۔ ریشے۔ خون۔ بال۔ ناخن کی طرف مستحیل ہوتی ہی

(س ۱۱) اچھا پھر؟

(م) غرض بہت نہیں تھوڑا سا غور کرنے سے میرا دل اس بات کو مان گیا کہ دنیا میں ہمہ وقت انواع و اقسام کے تغیرات ہوتے رہتے ہیں اور کوئی تغیر بڑا ہو یا چھوٹا بے سبب کے نہیں ہوتا۔ خواہ وہ سبب آدمی ہو یا کوئی اور چیز کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ پتھر جہاں پڑا ہی جب تک کوئی اس کو جگہ سے نہ ہلائے جنبش نہیں کرتا۔ تخم کے بدون درخت نہیں اُگتا۔ بے بادل پانی نہیں برستا۔ آدمی کو ایک حد تک متصرف فی الامور دیکھ کر مجکو دھوکا ہو چلا تھا۔ کہ شاید یہ نفع کا باعث ہوتا ہو۔ مگر ساتھ ہی اس کا بھی مشاہدہ کرلیا کہ ہزاروں لاکھوں کروروں بے شمار تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ جن میں انسان کو کچھ بھی دخل نہیں بلکہ انسان کو ان کی خبر تک بھی نہیں ہوتی دخل کیا خاک ہو۔ علاوہ برایں ایک تغیر معدومِ محض کو موجود کرنے کا ہی کہ یہ کرشمہ نہ کسی فردِ بشر نے کیا اور نہ کوئی کرسکے گا۔ اب تو رہی سہی عقل اور بھی چکر میں آئی۔ دل ہی کہ تغیرات کے سبب کا کھوج لگائے بدون کسی طرح نہیں مانتا اور سبب ہی کہ کسی طرف نہیں دکھائی دیتا۔ نہ کہیں اس کی آواز سنائی دیتی ہی

(س ۱۲) معدومِ محض کو موجود کرنے سے آپ کی کیا مراد ہی؟

(م ۱۲) دنیا کی ہر قسم کی چیزوں کی اصلیت میں غور کرتے کرتے آخر کار یہ دریافت ہوا کہ چار چیزیں تمام چیزوں کی اصل ہیں جن کو عناصرِ اربعہ کہتے ہیں آب خاک و باد و آتش یعنی دنیا میں جو چیز بھی ہی۔ بجائے خود ایک مرکب ہی۔ جس میں یہ چار عناصر ملے ہوئے ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہی کہ ہر چیز کی ترکیب جدا ہی۔ اور مقدارِ عناصر مختلف۔ اب حال کی تحقیقات سے ثابت ہوا کہ جن عناصر کو ہم اب تک بسیط سمجھتے رہے وہ بھی مرکب ہیں۔ مثلاً ہوا میں تین قسم کی ہوائیں ملی ہوئی ہیں آکسیجن۔ نائٹروجن اور ہائڈروجن۔ ایک کا خاصہ ہی آگ کو مشتعل کرنا۔ دوسری کا بجھانا۔ لیکن عناصر بسیط ہوں یا مرکب مجکو اس بحث سے کچھ تعلق نہیں۔ میرا مدعا تو ہی قدر ہی۔ کہ دنیا کی چیزیں تو عناصر کے اختلاط سے بنیں۔ عناصر کا اختلاط بھی ایک طرح کا تغیر ہی۔ اور چونکہ ہر ایک تغیر کا کچھ نہ کچھ سبب ضرور ہوتا ہی۔ اختلاطِ عناصر کا بھی کوئی سبب ہوا ہوگا۔

اور معلوم ہو کہ اختلاطِ عناصر میں آدمی کو کچھ دخل نہیں اِلّا ماشاء اللہ اور آدمی کو دخل نہیں تو مرئیات[1] اور مشاہداتِ عالَم میں کسی کو نہیں جیسا کہ میں ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہہ چکا ہوں۔ غرض اختلاطِ عناصر کا سبب بھی دریافت طلب ٹھیرا۔ اور اِس سے بڑھ کر وجودِ عناصر کا سبب کہ یہ کیسے آموجود ہوئے۔ اِن کا مُوجد کون۔

(س ۱۰) پھر آپ نے تغیّراتِ عالَم کے سببِ اصلی اور مُوجد کے دریافت کرنے کی کیا تدبیر کی؟

(م ۱۰) تدبیر کیا کی۔ دل ہی دل میں سوچتا رہا۔

(س ۱۱) کسی اَور سے رائے لی ہوتی۔

(م ۱۱) کس سے رائے لیتا۔

(س ۱۲) شہر میں سینکڑوں مولوی۔ عالِم۔ واعظ۔ صوفی۔ مشائخ بھرے پڑے ہیں آخر یہ لوگ بھی تو کچھ سوچ سمجھ کر مُسلمان ہیں

(م ۱۲) اجی بس رہنے بھی دو۔ یہ بھی میری ہی طرح کے تقلیدی مُسلمان ہیں۔

(س ۱۳) نہیں جی اِن لوگوں نے کتابیں اپنے مذہب کی تائید اور دوسروں کی تردید میں لکھی ہیں۔

(م ۱۳) اِن میں شاید ہی کوئی کتاب احقاقِ حق کے لیے لکھی گئی ہوگی ورنہ جہاں تک مجکو ان کے دیکھنے کا اتفاق ہوا انہیں بے مُغل تیرے سر پہ کوٹھو

(س ۱۴) یہ کیا؟

(م ۱۴) اجی ایک ظریف مزاج مرزا صاحب کسی گانو میں گئے وہاں ایک جاٹ بھی اُن ہی کی طرح کا خوش مزاج تھا دونوں میں بے تکلفی ہوگئی۔ ایک دن مرزا صاحب نے ہنسی ہنسی میں جاٹ سے کہا جاٹ رے جاٹ تیرے سر پہ کھاٹ تو جاٹ کیا جواب دیتا ہے کہ مُغل بے مُغل تیرے سر پہ کوٹھو۔ مُغل نے کہا یار تُک تو نہ ملی۔ جاٹ بولا پڑی مت ملو۔ بوجھوں تو مرے گا یہی حال علمِ کلام اور مناظرے کی کتابوں کا ہے تُک ملے نہ ملے۔ دوسرے کو بوجھوں مارنے سے کام۔ اور یہی وجہ ہے کہ کبھی باطل سے باطل مذہب بھی مغلوبِ مناظرہ ہوکر معدوم نہیں ہوا۔

(س ۱۵) آخر آپ مُسلمان بھی ہوئے یا نہیں؟

(م ۱۵) ابھی نہیں۔ اسلام کی پہلی اور ضروری شرط یہ ہے کہ آدمی صمیمِ قلب سے خدا کے ہونے کا قائل ہو اور ہونا بھی ایسا ہونا کہ وہ ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے گا۔ اُسی نے دنیا جہان کے کارخانے کو پیدا کیا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (ق ع ۳)

اور ہم نے آسمانوں (کو) اور زمین کو اور جو چیزیں آسمان و زمین کے بیچ میں ہیں اُن کو (سب کو) چھے دن میں بنا کھڑا کیا اور تکان نے ہم کو چھوا تک بھی تو نہیں۔

وہی اُس کو سنبھالے ہوئے ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (اٰل عمران ع ۱)

اللہ (وہ ذاتِ پاک ہے کہ) اُس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ (کارخانۂ عالَم کا) سنبھالنے والا۔

اُس کی قدرت کے آگے کوئی چیز ناممکن نہیں جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے اور آیندہ ہوگا اُس کو ذرّہ ذرّہ معلوم ہے۔

[1] وہ چیزیں جو آنکھوں سے دیکھی [illegible] ۱۲

لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ○ (السبا ع ۱)

(اور) ذرہ بھر (چیز بھی) آسمانوں اور زمین میں اُس سے پوشیدہ نہیں اور ذرے سے چھوٹی اور ذرے سے بڑی جتنی چیزیں ہیں سب (اُس کے ہاں) کتاب واضح (یعنی لوح محفوظ میں) صاف صاف لکھی ہوئی (موجود) ہیں۔

کوئی چیز اُس سے مخفی نہیں۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (آل عمران ع ۱)

اللہ (ایسا دانا و بینا ہے کہ) اُس سے کوئی چیز چھپی نہیں (نہ) زمین میں اور نہ آسمان میں۔

یہاں تک کہ دلوں کے بھید

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ

بے شک اللہ تو سب کے جی کی بات جانتا ہے

اُس کے حکم کے بدون پتّا تک نہیں ہل سکتا۔ اگر سمندر کا پانی سیاہی کی جگہ کام میں لایا جائے اور روئے زمین پر جتنے درخت ہیں قلموں میں صرف کر دیئے جائیں اور دنیا بھر کے لکھنے والے روزِ قیامت تک اُس کے اوصاف لکھتے رہیں تب بھی تمام نہ ہوں۔

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ○ (کہف ع ۱۲)

(اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کے لیے سمندر (کا پانی) سیاہی (کی جگہ) ہو تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے اگرچہ ہم ویسا ہی (اور) سمندر اُس کی امداد کو لائیں ف۱

دنیا میں کوئی چیز اُس جیسی نہیں۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (الشوریٰ ع ۲)

کوئی چیز (بھی) اُس جیسی نہیں اور وہ (سب کی) سنتا (سب کچھ) دیکھتا ہے

خدائی میں کوئی اُس کا ساجھی نہیں۔

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذُّلِّ (بنی اسرائیل ع ۱۲)

اور نہ (دونوں جہان کی) سلطنت میں خدا کا کوئی شریک ہے اور نہ اس سبب سے کہ کم زور ہے کوئی اُس کا مددگار ہے۔

اکیلا ہے نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اُس سے۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ○ اللَّهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ○ (اخلاص ع ۱)

(اے پیغمبر یہ لوگ جو تم سے خدا کا حال پوچھتے ہیں تو تم اِن سے) کہو کہ وہ اللہ ایک ہی اللہ بے نیاز ہے نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اُس کے برابر کا ہے۔

قطعہ

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم

ف۱ باتوں سے مراد ہے اُس کی تعریفیں۔ اُس کے کارنامے۔ اُس کے تصرفات اُس کے انتظامات ۱۲

ایسے خدا کا سچے دل سے ماننا تم ہی انصاف کرو کیا کچھ آسان کام ہی۔

(س۱۹) پھر دنیا میں اتنے سارے آدمی کس بنا پر اپنے تئیں مسلمان کہتے ہیں

(م۱۹) سب تقلیدی مسلمان ہیں۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ ہاں شروع کے مسلمان البتہ مجتہد مسلمان تھے جو گویا خدا کو بچشم سر دیکھ کر ایمان لائے تھے۔ پھر اُن کی نسلیں عام قاعدے کی رُو سے مسلمان ہوتی گئیں۔ اور کچھ اُن کی دیکھا دیکھی اور یوں مسلمانوں کی مردم شماری بڑھتی چلی گئی۔ اور بڑھتی چلی جارہی ہی۔

(س۲۰) یہ تو آپ نے بُری سُنائی۔ معلوم ہوتا ہی کہ مسلمانوں میں اکثر تقلیدی مُسلمان ہیں یہ کون سی تعریف کی بات ہی

(م۲۰) مُسلمانوں کی کیا خصوصیت ہی۔ جتنے مذہبی گروہ ہیں۔ اُن میں اکثر مُقلد ہیں۔ لوگوں نے مذہب کو قومیت بنا رکھا ہی اور اگر سوچ سمجھ اور اجتہاد کو کام میں لائیں۔ تو یہ اختلافات بھی اُٹھ جائیں۔ یا کم تو ضرور ہو جائیں۔

(س۲۱) اچھا پھر اپنے غور و فکر کے سلسلے کو تو ختم کیجیے

(م۲۱) ختم کیا کروں۔ برسوں اسی فکر میں پریشان رہا۔ یہ معمے کسی طرح حل نہیں ہوتا تھا۔ کہ دنیا کا یہ عظیم الشان کارخانہ کہاں سے آموجود ہوا۔ اور یہ کچھ لڑکوں کا کھیل تو نہیں ہی۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (آل عمران ع ۱۹) ای ہمارے پروردگار تُو نے اِس کارخانہ عالم کو بے فائدہ (تو) نہیں بنایا

کون اِس کو اس ربط و ضبط کے ساتھ چلا رہا ہی۔ میری پریشانی یہاں تک بڑھی کہ آخر میں نے ایک دن دیوانِ حافظ میں فال کھولی تو قسمت سے یہ شعر نکلا ؎

سخن از مطرب و می گو و راز دہر کمتر جو کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمّیٰ را

فال نے تو بالکل آس توڑ دی اور ایک مدت تک مَیں نے اِس خیال کو پاس نہ آنے دیا۔ اِسی اثنا میں اتفاق سے مجکو تپ آنے لگی۔ اور مُسہلوں تک کی نوبت پہنچی۔ علالت کی حالت میں مجکو یہ خیال ہوا۔ کہ اگر میں اِسی دُبدے کی حالت میں مر گیا تو کُتّے کی موت مرا اور میں نے تندرست ہوتے ہی پھر زور و شور کے ساتھ کوشش شروع کی۔

(س۲۲) وہ کیا کوشش تھی؟

(م۲۲) وہ کوشش یہ تھی۔ کہ مَیں نے سوچا میں کوئی انوکھا آدمی تو ہوں نہیں۔ مجھ جیسے اور مجھ سے بہتر سوچ سمجھ کے لاکھوں کروروں آدمی ہو گزرے ہیں اور اب موجود ہیں۔ اور یہ خیال جو مجکو پریشان کیے رہتا ہے۔ کوئی ایسا دقیق مضمون نہیں جس کے لیے بڑی عقل درکار ہو۔ بلکہ معمولی ہوش خرد کا آدمی بھی ایسا خیال کیے بدون نہیں رہ سکتا۔ اور اگر آدمی نے ایسی ضروری اور پیش افتادہ بات کا بھی خیال نہ کیا۔ تو حقیقت میں وہ جانوروں سے بھی گیا گزرا ہی۔

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ۱ ۔ یہ لوگ چارپائے کی مثل ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے ہوئے

۱ پوری آیت یوں ہی وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ یعنی اور ہم نے بہتیرے جن اور انسان جہنم ہی کے لیے پیدا کیے ہیں اُن کے دل ہیں مگر اُن سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے اور اُن کی آنکھیں بھی ہیں مگر اُن سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے اور اُن کے کان بھی ہیں مگر اُن سے سننے کا کام نہیں لیتے

(س) پھر کیا ثابت ہوا۔

(م) ثابت یہ ہوا کہ یہ خیال آدمی کی فطرت میں داخل ہی۔ آدمی کا دل اُس کو اس خیال پر مجبور کرتا۔ اور یہ خیال خود بخود اس کے دل سے پیدا ہوتا ہی۔

(س) اچھا پھر لوگوں کے اِس خیال کا نتیجہ؟

(م) نتیجہ اختلافِ مذاہب جیسا کہ دیکھتے ہو؟

(س) یہ اختلاف کیوں۔؟

(م) اختلافِ مدارجِ عقول۔ اختلافِ تعلیم۔ اختلافِ تربیت۔ اختلافِ آب و ہوا کی وجہ سے۔

(س) مذہب تو بہت سی باتوں کے مجموعے کا نام ہی۔ اور مذاہب ہیں کہ قریب قریب سبھی باتوں میں مختلف ہیں۔

(م) فروعی اختلاف تو چنداں قابلِ لحاظ نہیں۔ بڑا دیکھنا اُصولی اختلاف کا ہے۔ سو تمام اختلافات کی جڑ معرفۂ ذاتِ باری ہی

(س) ذاتِ باری میں کیا اختلاف ہی۔ اور اس کی وجہ کیا ہی؟

(م) سارے اختلافات تو مجھے معلوم نہیں۔ کچھ ہیں اور وجہِ اختلاف پُوچھو۔ تو خود انسان کی طبیعت کا خاصّہ کُرِیزِی۔

(س) کُرِیزِی کیا؟

(م) نامعلوم چیزوں کے معلوم کرنے کا شوقِ مُفرط۔

(س) یہ تو تعریف کی بات ہی یہ نہ ہو تو بابِ ترقّی مسدود۔

(م) بے شک ایک حدّ تک تعریف کی بات ہی لیکن ع چونکہ از حد بگزرد رُسوا کند ۵

نہ ہر جاے مرکب تواں تاختن   کہ جا ہا سپر باید انداختن

(س) شوق کی حدّ ارشاد ہو۔

(م) حدّ یہ ہی کہ ایاز قدرِ خود بشناس۔"

(س) تعریف المجہول بالمجہول۔ اس کی کچھ توضیح کیجیے۔

(م) بات یہ ہی کہ آدمی اپنے نفس میں غور کرے تو آسانی سے سمجھ سکتا ہی۔ کہ گو وہ عقل رکھتا ہی۔ اور عقل کی وجہ سے اشرف المخلوقات ہی مگر ہزاروں باتیں ہیں جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ کُنہ اور حقیقت تو کسی چیز کی ہم جانتے ہی نہیں۔ مثلاً کوئی ہم سے پُوچھے کہ پانی کی حقیقت کیا ہی۔ جواب میں ہم پانی کے خواص تو بہتیرے گِنوا دیں گے کہ پانی ایک رقیق اور سیّال چیز ہی۔ نشیب کی طرف کو بہتا ہی۔ جس ظرف میں بھرا جائے جوفِ ظرف کی شکل اختیار کر لیتا ہی۔ جن چیزوں کا وزنِ مخصوص پانی کے وزنِ مخصوص سے ہلکا ہی وہ پانی پر تیرتی رہتی ہیں۔ جیسے لکڑی اور تیل۔ جانداروں کے لیے سرمایۂ زیست ہی وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اور ہم نے پانی سے تمام جاندار چیزیں بنائیں

۵ جب کسی نامعلوم چیز کی تعریف نامعلوم چیز کے ساتھ کرتے ہیں تو منطق کے ضلع میں اُسے تعریف المجہول بالمجہول کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں ۱۲

بے شک یہ ایسی صفتیں ہیں کہ اِن سے ہمارا ذہن بے خطا پانی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے - مگر ہیں سب اَعراض اسی طرح

جِسْمٌ نَامٍ حَسَّاسٌ مُتَحَرِّكٌ بِالْإِرَادَةِ بَادِي الْبَشَرَةِ عَرِيضُ الْأَظْفَارِ مُسْتَقِيمُ الْقَامَةِ -

بڑھنے والا جسم ہے رنج و راحت کو دریافت کرتا ہے - ارادے کے ساتھ حرکت کرتا ہے - اُس کی جلد بدن کھلی ہوئی ہے چوڑے ناخن سیدھا قد -

انسان کی صفات اور اعراض ہیں نہ کنہ و حقیقت - خدا نے قرآن میں آدم کی نسبت کہ اس میں بنی آدم بھی داخل ہیں -

عَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا — آدم کو سب چیزوں کے نام بتا دیئے -

فرمایا ہے کہ نام بھی ایک طرح کی صفتِ عارضی ہے نہ عَلَّمَ آدَمَ الْحَقَائِقَ اور ایک مقام پر تو صاف صاف -

وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (بنی اسرائیل ع ۹) — اور تم لوگوں کو (اسرار الٰہی میں سے) بس تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہے -

سے آدمی کے علم کی قلعی کھول دی اور دوسری جگہ اُس کو جہول کا خطاب دیا[1] -

(۳) ہم تو شرافتِ علمی ہی کی وجہ سے انسان کو اشرف المخلوقات سمجھتے تھے - جب اِس کی لاعلمی کا یہ حال ہے تو وہ بھی جانوروں میں کا ایک جانور ہے -

(م) آدمی قلیل العلم اور جہول ہونے پر بھی علم کے اعتبار سے جانوروں پر فضیلت رکھتا ہے -

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۝ (بنی اسرائیل ع ۷)

اور البتہ ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور خشکی اور تری میں اُن کو (جانوروں اور کشتیوں پر) سوار کیا اور عمدہ عمدہ چیزیں اُنہیں کھانے کو دیں اور جتنی مخلوقات ہم نے پیدا کی ہے اُن میں سے بہتیروں پر اُن کو برتری دی -

جانوروں کا علم وہبی ہے - اور آدمی کا وہبی اور اکتسابی دونوں اور اسی لیے جانوروں کا علم ترقی پذیر نہیں - اور آدمی کے علم کی ترقی کی کوئی حد نہیں - دوسری بات یہ ہے کہ علمی شرافت ایک امر اضافی ہے - آدمی شرافت رکھتا ہے - جانوروں کے مقابلے میں مگر کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرے - خدا کے مقابلے میں جہول ہی ہے گا خدا کے علم کی شان تو یہ ہے کہ[2]

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ (یونس ع ۶)

اور اے پیغمبر تمہارے پروردگار کے علم) سے ذرہ بھر چیز بھی غائب نہیں رہ سکتی (نہ) زمین میں اور نہ آسمان میں اور ذرے سے چھوٹی چیز ہو یا بڑی (سب) کتاب روشن یعنی لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی موجود ہے -

---

[1] چنانچہ فرمایا إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا یعنی ہم نے ذمہ داری کو (جو انسان پر ہے) آسمانوں (پر) اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا (اور یہ بوجھ اُن پر لادنا چاہا) تو اُنھوں نے بزبانِ حال اُس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اُس سے ڈر گئے اور آدمی نے (گویا ارادۂ بے تامل) اُس کو اُٹھا لیا - اِس میں شک نہیں کہ وہ (اپنے حق میں) بڑا ہی ظالم (تھا اور ظالم ہونے کے علاوہ) بڑا ہی نادان (بھی) تھا ۱۲ +

[2] یعنی حلد بر مال درآوں ہیں ہے ۱۲

بر و علم یک ذرہ پوشیدہ نیست — کہ پیدا و پنہاں بنزدش یکے است

(س) ابھی خدا کی ہستی تو ثابت کی نہیں لگے اُس کی صفات سے استدلال کرنے۔

(م) ٹھیک کہتے ہو آدمی کی لاعلمی کے ثبوت میں میں اور بہت مثالیں دے سکتا ہوں۔ خود افرادِ بشر میں علم کے مدارج [illegible] ہیں کیا ہو مشاہدہ ہم میں کتنے سٹیم الیکٹری کے اسرار سے واقف ہیں۔ ہزار ہا قسم کی مشینیں یورپ اور امریکا میں ایجاد [illegible] ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ ایسی کہ ہم میں کا بڑے سے بڑا بوجھ بجھکڑ اُن کو دیکھ کر ہکا بکا ہو کر رہ جاتا ہے۔

کوئی دن نہ ہوگا کہ جاتا ہو خالی — کہ یورپ کے لوگوں کے اذہان عالی
نکالیں نہ ایک تازہ ایجاد کوئی — ہے تم میں بھی اے قوم ناشاد کوئی

(قطعہ للمؤلف)

معلوم ہوتی ہیں [illegible] جانوروں کی آدمی پر فضیلت وہی ہے کہ جو کام جانور کر گزرتے ہیں آدمی سے بن نہیں پڑتا۔ شہد کی مکھی بے کسی کے سکھائے ایسا چھتہ بناتی ہے [illegible] کی رو سے کم سے کم موم کے خرچ میں زیادہ سے زیادہ شہد کے ذخیرے کے لیے اس سے بہتر کوئی شکل [illegible] بیا گھونسلا بنا ہی نہیں سکتا۔ نیولا سانپ کے زہر کے تریاق کی بوٹی کو پہچانتا ہے۔ پرندوں کو طوفان اور [illegible] بیماریوں کی [illegible] کے پہلے ہی سے معلوم ہو جاتی ہے۔ آپ حال کا مذکور ہے کہ دہلی میں طاعون پھیلا ہوا تھا میرے ایک ملازم نے ایک دن مجھکو آکر خوشخبری دی کہ لیجیے جناب خدا کے فضل سے طاعون رخصت ہونے کو ہے۔ میں نے پوچھا تم نے کیونکر جانا جواب دیا کہ ابابیلیں جب [illegible] میں اڑتا نہیں کرتیں آج میں نے ابابیلوں کو اڑتے دیکھا ہے۔ تو واقع میں اُس دن کے بعد سے طاعون میں کمی تو ہونے لگی ہے

(س) آدمی کی لاعلمی کی چند مثالیں اور

(م) آدمی کو خود اپنی روح کا علم شافی نہیں۔ کہ یہ کیا چیز ہے اور اس کو جسم سے کس طرح کا تعلق ہے [illegible]۔ نجوم۔ رمل۔ جفر۔ فال۔ تعبیر خواب مختلف طریقوں سے بہتیری ٹوہ لگاتا غیب کا ٹھیک پتہ نہیں لگتا۔ اور لگتا بھی ہے تو [illegible] تکا تیر نہیں تکا۔ آج تک زندگی کا عقدہ نہیں کھلا۔ کہ جسم میں جان کیسے پڑتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ بیج کا درخت کیسے بنتا؟ پھولوں میں رنگ و بو پھلوں میں مزہ کون پیدا کرتا؟ اچٹتی ہوئی سرسری نگاہ سے دیکھنے کی عادت پڑ گئی ہے نہیں تو غور کرنے والے کو ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ پتا پتا ہاتھی اور مچھر ہر چیز پہیلی ہے۔ انتہ پتہ ندارد

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا

اللہ کسی مثال کے بیان کرنے میں (ذرہ بھی) نہیں جھینپتا (چاہے وہ مثال) مچھر کی ہو یا اس سے بھی بڑھ کر کسی اور حقیر چیز کی سو جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ تو یقین رکھتے ہیں کہ یہ (مثال) بالکل ٹھیک ہے اور یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ اُن کے پروردگار ہی کی طرف سے ہے) اور جو منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس (ذلیل) مثال کے بیان کرنے میں خدا کی کون سی غرض (اٹکی) پڑی تھی ایسی ہی مثال سے خدا بہتیروں کو گمراہ کرتا ہے

وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝ الَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ (البقرۃ ع ۳)

اور ایسی ہی مثال سے بہتیروں کو ہدایت دیتا ہے لیکن اس سے گمراہ کرتا بھی ہے (تو) بدکاروں ہی کو جو پکّا کئے پیچھے خدا کا عہد توڑ دیتے اور جن (تعلّقات) کے جوڑے رکھنے کو خدا نے فرمایا اُن کو قطع کرتے اور ملک میں فساد پھیلاتے ہیں یہی لوگ آخر کار نقصان اُٹھائیں گے ف

سچ کہا ہے ؎ ہر کس شناسندۂ راز ست و گرنہ * این ہا ہمہ راز ست کہ معلوم عوام است *

(س) تو حقیقت میں غور کرنا ہی لاحاصل ہے۔ غور کرنے سے ہوگا ہی کیا۔

(م) واہ۔ ایک حد تک غور کرنا ضرور ہے۔ آدمی کو عقل اسی لیے دی گئی ہے۔ غور کرنے سے ہوگا یہ کہ یہی غور تم کو خداشناسی کی طرف راہ نمائی کرے گا۔

(س) ابھی تو آپ نے کہا تھا کہ ذاتِ باری میں غور کرنا گڑبڑی ہے۔

(م) ذاتِ باری میں غور کرنے کی یہی حد ہے۔ کہ اُس کے ہونے کا اعتراف کیا جائے رہی یہ بات کہ وہ کیا ہے اور کیسا ہے اور کہاں ہے۔ اسی کو ہم گڑبڑی کہتے ہیں۔ یہی اختلافِ مذاہب کی جڑ ہے۔ اور میں

مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ — ہم نے تجکو ویسا نہیں پہچانا جیسا تیرے پہچاننے کا حق ہے۔

اور اَلْعَجْزُ عَنِ الْإِدْرَاكِ إِدْرَاكٌ — خدا کی حقیقت دریافت کرنے سے عاجز رہنا ہی ایک طرح کا دریافت کرنا ہے۔

کی تعلیم ہی کی وجہ سے اسلام کا گرویدہ ہوا ہوں۔

(س) آپ کہتے ہیں کہ خدا کے ہونے کا اعتراف یہی ادراکِ بشری کی حد ہے۔ آدمی اس سے زیادہ خدا کو جان ہی نہیں سکتا تو پھر یہ صفات جو خدا کے ننانوے ناموں سے ظاہر ہوتی ہیں کیسے معلوم ہوئیں اور خدا کے ننانوے ناموں کی تفصیل معہ مختصر کیفیت کے کیا ہے؟

ف قرآن میں لوگوں کے سمجھانے کے لیے جابجا جانوروں اور دوسری چیزوں کی تمثیلیں مذکور ہیں۔ مثلاً سترھویں پارے میں سورۂ حج کی ایک آیۃ کا یہ خلاصہ ہے کہ لوگ خدا کے سوا جن معبودوں کی پرستش کرتے ہیں اگر وہ سب کے سب مل کر چاہیں تو ایک مکھی نہیں بنا سکتے اور بنانا کیسا مکھی کوئی چیز اُن سے اُچک لے جائے تو چھین بھی نہیں سکتے۔ کیا مکھی اور کیا مکھی کی حقیقت اور مکھی سے بڑھ کر بے حقیقت جن کے بس کی مکھی بھی نہ اس قسم کی آیتیں سن کر بے دین لوگ اعتراض کرتے تھے کہ مسلمانوں کا کیسا خدا ہے کہ ایسی گھنیائی بے حقیقت چیزوں کی مثالیں دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے معترضین کی تجہیل کی اور فرمایا کہ یہ احمق مکھی اور مچھر کے نام سے بدکتے ہیں اور مثال کے نتیجے پر نظر نہیں کرتے ایسی ہی باتوں سے ایمان والے نصیحت پکڑتے ہیں۔ اور جو لوگ نافرمان ہیں اور عہدِ فطرت یعنی عہدِ اَلَست کو جس کی گواہی اُن کے دل دے رہے ہیں یاد نہیں رکھتے اور تعلّقاتِ امن و صلح کاری جن پر تمدّن و معاشرت مبنی ہے قائم نہیں رکھتے اور ملک میں فساد پھیلاتے ہیں اُن پر ان مثالوں کا بالکل اُلٹا اثر ہوتا ہے کہ نتیجوں سے قطع نظر کرکے ناحق کی کٹ حجتیاں نکال کھڑی کرتے ہیں ۱۱ *

(م) اول خدا کے ننانوے (۹۹) ناموں کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

نمبر شمار	اسماءِ عربی	ترجمہ اردو	کیفیت
۱	اَللّٰہُ	خدا۔ معبود	اگرچہ لفظ اللہ میں وصفی معنے موجود ہیں اور اس اعتبار سے اس کو بھی اسماءِ صفاتی میں ہونا چاہیئے۔ مگر سب نے اجماع کر کے اس کو اسمِ ذات قرار دیا ہی۔
۲	اَلرَّحْمٰنُ	نہایت رحم والا	دونوں مبالغے کے وزن ہیں مگر رحمٰن ابلغ ہی کیونکہ دنیا اور آخرت دونوں کی رحمت کو شامل اور صرف خدا کی مقدس ذات کے ساتھ مخصوص ہی۔
۳	اَلرَّحِیْمُ	بہت مہربان	
۴	اَلْمَلِکُ	بادشاہ	مَلِک۔ خاص اور ابلغ ہی مالک سے یعنی دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہی یہی وجہ ہی کہ ہر مَلِک کو مالک تو کہہ سکتے ہیں مگر ہر مالک کو مَلِک نہیں کہہ سکتے۔
۵	اَلْقُدُّوْسُ	تمام عیبوں سے پاک	
۶	اَلسَّلَامُ	تمام نقصانات سے محفوظ	یہ اصل میں مصدر ہی بمعنی سلامت مگر یہاں سالم کے معنی میں ہی یعنی وہ جس کی ذات ہر طرح کے عیب اور نقصان سے سالم اور محفوظ ہی۔
۷	اَلْمُؤْمِنُ	اپنے وعدے میں سچا یا اپنے عذاب سے امن دینے والا	لفظ مومن کا ماخذ امن و امان ہی یا ایمان۔ اگر امن و امان ہی تو مومن کے معنے ہوئے امن دینے والا یعنی دنیا میں اسباب امن کا مہیا کرنے والا یا عقبیٰ میں نیکوکاروں کو عذاب سے امان میں رکھنے والا اور اگر ماخذ ایمان ہی تو مومن کے معنی ہوئے مصدق یعنی ایمان اور اُن کے ایمان کو [illegible]
۸	اَلْمُهَيْمِنُ	نگہبان۔ یا گواہ	المہیمن کا لفظ وہی المومن ہی۔ المومن باب افعال سے ہی اور المہیمن باب مفاعلہ سے تو المہیمن اصل میں المؤامن تھا دوسرے ہمزے میں قاعدۂ تلیین جاری کر کے اُسے یے سے بدل لیا اور پہلے ہمزے کو ہے سے معناً المومن اور المہیمن ایک ہیں۔
۹	اَلْعَزِیْزُ	غالب۔ قوی۔ قاہر	اصل میں عزیز اُسے کہتے ہیں جس کی بارگاہ میں بآسانی پہنچنا ممکن نہ ہو۔
۱۰	اَلْجَبَّارُ	بڑا دباؤ والا۔	جبّار۔ مبالغے کا صیغہ ہی جبر سے مشتق اور جبر کے اصلی معنے ہیں ٹوٹے ہوئے کو جوڑنا اور کسی کے حال کی اصلاح کرنا اور کسی کو زور و غلبہ سے کسی کام پر آمادہ کرنا۔ پہلی صورت میں یہ اسم جمالی ہوگا۔ اور دوسری صورت میں جلالی۔
۱۱	اَلْمُتَکَبِّرُ	عظمت و بزرگی والا	تکبر اور استکبار کہتے ہیں گردن کشی کرنے اور بزرگی ظاہر کرنے کو اور ایک لفظ ہی کبریا جس کے معنے ہیں بزرگی یہاں تکبر سے مراد ہی کمال بزرگی والا
۱۲	اَلْخَالِقُ	ہر چیز کا پیدا کرنے والا	خالق۔ اور باری اور مصوّر تینوں مترادف المعنی ہیں یعنی تینوں کے معنے ہیں پیدا کرنا۔ اختراع کرنا۔ مگر باعتبارِ استعمال ہر ایک کے ساتھ ایک خصوصیت جداگانہ ہی مثلاً خلق مستعمل ہوتا ہی کسی چیز کو وجود میں لانے سے پیشتر اُس کے اندازہ کرنے میں اور برا ایجاد و پیدا کرنے میں اور تصویر صورت بنانے اور ہیئت بخشنے میں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو چیز عدم سے وجود میں آتی ہی وہ محتاج ہوتی ہی۔ اوّلاً اندازہ کرنے کی ثانیاً پیدا کرنے کی ثالثاً صورت بنانے کی۔
۱۳	اَلْبَارِئُ	ہر چیز کا موجد	
۱۴	اَلْمُصَوِّرُ	مخلوقات کی طرح طرح کی صورتیں بنانے والا	
۱۵	اَلْغَفَّارُ	بہت بخشنے والا	مبالغہ ہی غافر کا اور ایک ہی غفور یہ بھی مبالغے کا صیغہ ہی مگر اس میں غفار کی بہ نسبت مبالغہ زیادہ ہی اسی وجہ سے دونوں کو الگ الگ کر لیا گیا غفار لیا گیا ہی غفران اور مغفرت سے جس کے معنی ہیں بخشنا مگر کبھی غفر بمعنے ستر بھی آتا ہی اس وقت اس کے معنے ہونگے گناہوں کا چھپانے والا
۱۶	اَلْقَهَّارُ	زبردست یا غلبہ رکھنے والا	
۱۷	اَلْوَهَّابُ	بخشش عطا کرنے والا	وہب اور ہبہ کہتے ہیں بخشنے اور عطا کرنے کو موہبت بخشش۔ وہاب۔ مبالغہ ہی یعنی کثیر الہبہ دائم العطا۔
۱۸	اَلرَّزَّاقُ	مخلوقات کو روزی پہنچانے والا	یہ بھی رازق کا مبالغہ ہی یعنی خدا تعالیٰ تمام مخلوق کو مناسبِ حال اور موافقِ حکمت رزق پہنچاتا ہی۔ رزق کی دو قسمیں ہیں محسوس اور معقول محسوس ابدان کے لیے اور معقول ارواح کے واسطے۔
۱۹	اَلْفَتَّاحُ	مشکل کشا۔ یا بندوں میں حکم کرنے والا	فتح کے معنی کھولنے اور حکم کرنے کے ہیں یعنی خدا تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحمت کے دروازے کھولتا ہی اور وہ خلایق میں حاکم علی الاطلاق ہی
۲۰	اَلْعَلِیْمُ	بہت جاننے والا۔	مبالغہ ہی عالم کا یعنی خدا تعالیٰ ظاہر پوشیدہ بلکہ خطراتِ دل تک کا جاننے والا ہی۔

نمبر شمار	اسماء عربی	ترجمہ اردو	کیفیت
۲۱	القابض	بندوں کی روزی محدود یعنی تنگی کرنے والا	قبض و بسط دونوں باہم ضد یکدیگر ہیں۔ قبض کہتے ہیں تنگی و گرفتگی کو اور بسط فراخی و کشایش کو یعنی خدا جس کی روزی چاہتا تنگ کرتا اور جس کی چاہتا فراخ کرتا ہے
۲۲	الباسط	بندوں کی روزی فراخ کرنے والا	قبض و بسط کے یہ معنے بھی ہیں کہ سوتے میں لوگوں کی روحیں قبض کرتا اور بیداری کے وقت بسط کرتا ہے۔
۲۳	الخافض	نافرمانوں کو پست کرنے والا	خفض ضد ہے رفع کی۔ کیونکہ خفض کہتے ہیں پست کرنے کو اور رفع بلند کرنے کو۔ خدا کے خافض و رافع ہونے کے یہ معنے ہیں کہ وہ اپنے فرماں برداروں کو قرب کی دولت عطا فرما کر انھیں بلند کرتا اور نافرمانوں کو بارگاہ عالی سے دور کر کے پستی میں ڈالتا ہے
۲۴	الرافع	فرماں برداروں کو بلند کرنے والا	
۲۵	المعز	عزت دینے والا	اعزاز کہتے ہیں عزیز کرنے کو اور اذلال خوار و ذلیل کرنے کو یعنی خدا جسے چاہتا عزیز کرتا دنیا میں توفیق طاعت دے کر اور عقبیٰ میں علو مرتبت اور نعیم جنت عطا فرما کر اور جسے چاہتا ذلیل کرتا دنیا میں توفیق طاعت سلب کر کے اور آخرت میں اسفل السافلین میں داخل کر کے امام غزالی کا قول ہے کہ ان لفظوں کے معنے یہ ہیں کہ خدا جسے چاہتا ملک دیتا اور جس سے چاہتا چھین لیتا ہے۔
۲۶	المذل	ذلیل کرنے والا	
۲۷	السمیع	بہت سننے والا	
۲۸	البصیر	بہت دیکھنے والا	
۲۹	الحکم	مخلوقات کا حاکم	
۳۰	العدل	منصف یعنی فیصلے میں ظلم نہ کرنے والا	یہ ضد ہے ظلم کی اور کبھی استقامت اور اعتدال اور ایک چیز کو ایک چیز کے برابر کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے مطلب یہ ہے کہ خدا جور و ظلم سے منزہ ہے کیونکہ ملک غیر میں تصرف کرنے کو ظلم کہتے ہیں اور عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اُس کی ملک سے خارج ہو۔
۳۱	اللطیف	باریک بین	لطف کہتے ہیں کسی کام میں نرمی کرنے کو اور کبھی نیکی کرنے کے معنے میں بھی آتا ہے لطیف کے معنے باریک بیں کے بھی ہیں
۳۲	الخبیر	آگاہ۔ دانا۔ عالم عارف	مشتق ہے خبر سے اور خبر کے معنے ہیں آگاہی کے۔ خبیر آگاہ اور دانا۔ یعنی ملک و ملکوت میں کوئی چیز متحرک و ساکن نہیں ہوتی اور زمین و آسمان میں کوئی ذرہ مضطرب و مطمئن نہیں ہوتا اور کون و مکاں میں کوئی سانس نہیں لیتا مگر خدا تعالیٰ تساہ اُس سے خبردار ہوتا ہے
۳۳	الحلیم	بُردبار	حلم اور آہستگی اور بردباری حلیم اُسے کہتے ہیں جو مغلوب الغضب ہو اور انتقام لینے میں جلدی نہ کرے ملکہ باوجود قدرت کے عفو درگزر سے کام لے خدا کو حلیم اس لیئے کہتے ہیں کہ وہ گنہگار بندوں کی تادیب و تعذیب میں جلدی نہیں کرتا۔
۳۴	العظیم	بزرگ۔ بڑا	عظم و عظمۃ۔ بزرگ ہونا۔ خواہ کسی اعتبار سے بھی ہو۔ [illegible]
۳۵	الغفور	بہت بخشنے والا	یہ غفار کے معنے میں ہے اور دونوں مبالغے کے صیغے ہیں مگر غفور میں زیادہ مبالغہ ہے یعنی جو بڑے بڑے گناہ بخشے اور اُس کی بخشش اتم و اکمل ہو دوسرے معنے یہ ہیں کہ بندوں کے گناہ اعمالناموں سے محو کر دے یعنی حساب لے مواخذہ نہ کرے یا دنیا میں فاش نہ کرے کیونکہ عفر کے
۳۶	الشکور	بڑا قدر شناس	[illegible]
۳۷	العلی	بہت اونچا	مشتق ہے علو سے اور علو کہتے ہیں بلندی کو اور جگہ کے بلند ہونے کو اور کبھی بلندی پر چڑھنے اور کسی حد سے اوپر ہونے کو بھی علو کہتے ہیں اور اس کی دو قسمیں ہیں حسی اور عقلی حسی جیسے ایک جسم کا دوسرے جسم پر ہونا اور عقلی جیسے ایک چیز کا دوسری چیز سے فوق المرتبہ ہونا۔
۳۸	الکبیر	بڑا۔ بزرگ	
۳۹	الحفیظ	نگہبان	حفظ کہتے ہیں نگاہ رکھنے کو اور خدا تعالیٰ چونکہ تمام مخلوق کو آفت و بلا سے محفوظ رکھتا ہے اس لیے اُسے حفیظ کہتے ہیں
۴۰	المقیت	مخلوق کو قوت یعنی روزی پہونچانے والا	ماخوذ ہے قوت سے اور قوت کہتے ہیں اُس خورش کو جو بدن انسان کے قیام کا باعث ہو اقاتت کے معنی قوت دینا اور کبھی مقیت توانا اور گواہ اور حاضر اور نگاہ رکھنے والے کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔
۴۱	الحسیب	کافی	معنی میں ہے محسب کے اور احساب کہتے ہیں کسی چیز کے کافی ہونے کو پورا کرنے ہیں حسبی الشئی یعنے مجھے یہ چیز کافی ہوئی اور بعض علما کہتے ہیں کہ معنے میں ہے محاسب کے جیسے جلیس معنی میں مجالس کے اور ندیم منادم یعنی خدا تعالیٰ قیامت کے روز ساری مخلوق کا حساب لے گا

نمبر شمار	اسماءِ عربی	ترجمہ اُردو	کیفیت
۴۲	اَلْجَلِیْلُ	بزرگ قدر	جلال اور جلالت کہتے ہیں بزرگ قدر ہونے اور نیز بزرگی کو۔ پھر اصطلاحِ قوم میں صفاتِ قہریہ کے ظہورِ آثار کو جلال کہتے ہیں اور صفاتِ لطیفہ کے ظہورِ آثار کو جمال اور بولنے میں آتا ہے کہ فلاں اسماء جلالی ہیں اور فلاں جمالی۔
۴۳	اَلْکَرِیْمُ	بزرگ	اس کے معنے ہیں بزرگ اور عزیز۔ کہتے ہیں کریم وہ ہے کہ قادر ہو تو معاف کر دے وعدہ کرے تو وفا کرے اور دے تو اُمید سے زیادہ دے اور کوئی اُس کی طرف التجا لے جائے تو اُسے ضائع نہ ہونے دے کبھی مکرّم اور جواد کے معنے میں بھی آتا ہے۔
۴۴	اَلرَّقِیْبُ	نگہبان	رقیب نگہبان اور مُوَکّل اور نگراں کذا فی الصراح۔
۴۵	اَلْمُجِیْبُ	دعا قبول کرنے والا	اجابت کہتے ہیں جواب دینے اور دعا قبول کرنے کو یعنی جو شخص خدا کو بلاتا ہے وہ اُسے جواب دیتا اور دعا کو قبول کرتا ہے سوال کو رد نہیں کرتا
۴۶	اَلْوَاسِعُ	وسیع العلوم یا وسیع الغناء	ماخوذ ہے سعۃ سے اور سعۃ کہتے ہیں فراخی اور فراخ کرنے اور گھیر لینے کو پھر اس کی اضافت کبھی تو علم کی طرف ہوتی ہے اور کہتے ہیں خدا کا علم وسیع و محیط ہے معلومات کو اور کبھی احسان کی طرف بولا کرتے ہیں اُس کا احسان وسیع ہے۔
۴۷	اَلْحَکِیْمُ	حقائقِ اشیاء کا عالم	مشتق ہے حکمت سے اور حکمت عبارت ہے کمالِ علم اور حُسنِ عمل اور ایقان اور احکامِ علم و عمل سے بعضے کہتے ہیں حکیم مبالغہ ہے حاکم کا اور حکیم وہ ہے جو حقائقِ اشیاء کا عالم ہو اور صنائع کے دقائق کو خوب جانتا ہو
۴۸	اَلْوَدُوْدُ	نیک بندوں کو دوست رکھنے والا۔	مبالغے کا صیغہ ہے وزن پر فعول کے وہ ودود (بضم واؤ) اور وداد (بکسر واؤ) اور مودّت تینوں کے معنے ہیں دوست رکھنے کے یعنی خدا تعالیٰ نیک بندوں کو دوست رکھتا ہے۔
۴۹	اَلْمَجِیْدُ	بزرگ۔ شریف	ماجد کا مبالغہ ہے اور ماجد۔ مجد سے لیا گیا ہے۔ مجد بزرگی مجید بزرگ کذا فی الصراح بعضے کہتے ہیں مجید وہ ہے جس کی ذات شریف افعال جمیل۔ عطا جزیل ہو۔ اور جب یہ ہے تو مجید جامع ہے اسم جلیل اور وہاب اور کریم کو۔
۵۰	اَلْبَاعِثُ	مُردوں کو مرے پیچھے اُٹھا کھڑا کرنے والا۔	بعث کہتے ہیں مُردوں کو قبروں سے اُٹھا کھڑا کرنے کو اور کبھی سوتے کو جگانے اور کبھی کسی کام کے لیے بھیجنے کے معنے میں بھی مستعمل ہوتا ہے
۵۱	اَلشَّہِیْدُ	حاضر	شہود سے مشتق ہے یا شہادت سے اگر شہود سے ہے تو اس کے معنے ہیں حاضر و مطلع کے کیونکہ شہود کے لغوی معنی ہیں حاضر ہونے کے اور شہادت سے ہے تو معنی ہیں گواہی دینے والے کے کیونکہ شہادت کہتے ہیں گواہی دینے کو خدا کو شہید پہلے معنی کر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ظاہر باطن اور غیب شہادت سب
۵۲	اَلْحَقُّ	ثابت	حق کے معنے ہیں ثابت اور ہست کے اس کی ضد ہے باطل یعنی نیست و ناچیز کبھی صدق اور راستی اور درستی کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے
۵۳	اَلْوَکِیْلُ	کارساز	وکیل وہ ہے جسے اپنا کام سپرد کریں اور تمام تصرف کی باگ اُس کے ہاتھ میں دیدیں چونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و مہربانی سے بندوں کے تمام عظیم الشان کام رزق وغیرہ اپنے ذمے لے لیے ہیں اس لیے اُسے وکیل کہتے ہیں۔
۵۴	اَلْقَوِیُّ	توانا۔ تامُّ القدرت	قوی توانا۔ متین استوار۔ امام غزالی کہتے ہیں قوت دلالت کرتی ہے قدرتِ کاملہ بالغہ پر اور متانت۔ شدتِ قوت پر خدا تعالیٰ قوی ہے۔ اس لیے کہ قدرتِ کاملہ بالغہ رکھتا ہے متین ہے اس لیے کہ شدید القوت ہے۔
۵۵	اَلْمَتِیْنُ	اُستوار	
۵۶	اَلْوَلِیُّ	محبّ۔ مددگار	ولی کہتے ہیں محب و ناصر کو اور خدا تعالیٰ پرہیزگار ایماندار بندوں کا محب ہے اور اُنھیں مدد و نصرت دیتا ہے ولی متولی کے معنے میں بھی آیا ہے اور حق تعالیٰ نیکوکاروں کے اُمور کا متولی ہے اور قریب کے معنے میں بھی یعنے اُس کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے۔
۵۷	اَلْحَمِیْدُ	مستحق حمد	سزاوارِ حمد و ثنا
۵۸	اَلْمُحْصِیْ	ہر چیز کا احاطۂ علم میں کرنے والا	احصا شمار کرنا اور بطریق استقصا کسی چیز کو جاننا خدا محصی مطلق ہے کہ اشیا کے حقائق و دقائق کو جانتا ہے اور ذرات عالم کو اُس کا علم محیط ہے
۵۹	اَلْمُبْدِئُ	ابتدا پیدا کرنے والا	المبدئ ماخوذ ہے ابدا سے اور ابدا کہتے ہیں ابتدا کرنے اور دنیا پیدا کرنے کو۔ المعید لیا گیا ہے اعادت سے جس کے معنے ہیں لوٹانے اور عدم کے بعد ایجاد کرنے کے خدا مبدئ ہے اس معنے کر کہ وہ اول بار پیدا کرتا ہے اور معید ہے اس معنی کر کہ قیامت میں دوبارہ پیدا کرے گا یا معید مثلاً اس اعتبار سے کہ رات دن کا چکر باندھ رکھا ہے
۶۰	اَلْمُعِیْدُ	دوبارہ پیدا کرنے والا	
۶۱	اَلْمُحْیِیْ	مخلوق کو زندہ رکھنے والا	المحیی۔ احیا کا اسم فاعل ہے اور احیا کہتے ہیں جسم میں حیات پیدا کرنے کو اور الممیت لیا گیا ہے اماتۃ سے جس کے معنے ہیں حیات کا دور کرنا۔
۶۲	اَلْمُمِیْتُ	مارنے والا	

نمبر شمار	اسماءِ عربی	ترجمۂ اُردو	کیفیت
۶۳	اَلْحَیُّ	زندہ	
۶۴	اَلْقَیُّوْمُ	کارخانۂ عالم کا سنبھالنے والا	تائم بذاتِ خود اور زندہ قائم رکھنے والا اپنے غیر کو یا یوں کہو قیّوم مبالغہ ہے قیّم کا اور قیّم کہتے ہیں مصلحِ اُمور کو
۶۵	اَلْوَاجِدُ	غنی	مشتق ہے وجود اور جود کہتے ہیں ہستی اور مقصد پر کامیاب ہونے کو یا مشتق ہے وُجد اور جدۃ سے جن کے معنے ہیں تونگر ہونے کے۔
۶۶	اَلْمَاجِدُ	بزرگی والا	معنے میں ہے مجید کے جس طرح عالم معنے میں علیم کے مگر مجید میں مبالغہ اور تاکید ہے یہ لیا گیا ہے مجد اور مجد کہتے ہیں بزرگی کو
۶۷	اَلْوَاحِدُ	تنہا۔ یگانہ	وحدت سے لیا گیا ہے جس کے معنے ہیں ایک اور یگانہ ہونا عرف میں احد کا استعمال دو معنی میں ہوتا ہے ایک کہ متجزّی اور منقسم نہ ہو یعنی اُس کے اجزاء و حصص نہ ہوں جیسے جوہر فرد دوسرے یہ کہ بے مثل و بے مانند ہو واحد اور احد میں یہ فرق ہے جو ہماری زبان ہے
۶۸	اَلصَّمَدُ	بے نیاز	صمد کے اصلی معنے ہیں قصد کے چونکہ آدمی اپنے تمام مطالب میں بارگاہِ خداوندی کا قصد کرتے ہیں اس لیے اُسے صمد کہتے ہیں غرض صمد مرادف ہے مرجع و مآب کا۔
۶۹	اَلْقَادِرُ	قدرت والا	قدر اور قدرت اور اقتدار اور مقدرت سب کے معنے ہیں توانائی کے تو قادر و مقتدر کے معنے ہوئے صاحبِ قدرت مگر مقتدر میں زیادہ مبالغہ ہے
۷۰	اَلْمُقْتَدِرُ	صاحبِ مقدرۃ	
۷۱	اَلْمُقَدِّمُ	اپنے دوستوں کو بارگاہِ عزت کی طرف بڑھانے والا	مقدِّم دال کے کسرے کے ساتھ تقدیم سے مشتق ہے اور تقدیم کہتے ہیں آگے کرنے کو اسی طرح مؤخِّر خے کے کسرے سے تاخیر سے لیا گیا ہے جس کے معنے ہیں پیچھے ہٹانا یعنی خدا تعالیٰ فرمانبرداروں کو راہِ قرب میں آگے بڑھاتا اور نافرمانوں کو درگاہِ عزت سے دور کرتا اور پیچھے ہٹاتا ہے یا دنیا کے کاموں میں تو حصولِ مطلب میں تقدیم و تاخیر اللہ کرنے والا ہے
۷۲	اَلْمُؤَخِّرُ	دشمنوں کو اپنے لطف سے پیچھے ہٹانے والا	
۷۳	اَلْاَوَّلُ	سب سے پہلا	اوّل ہے یعنی ازلی ہے کہ اُس کے وجود کی ابتدا اور ہستی کا آغاز نہیں اور آخر ہے یعنی دائمی اَبدی ہے کہ اُس کے بقا کے لیے نہایت اور دوام کے لیے انقضا نہیں۔
۷۴	اَلْاٰخِرُ	سب سے پچھلا	
۷۵	اَلظَّاهِرُ	آشکارا ہے بلحاظِ قدرۃ	خدا ظاہر ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ اُس کا وجود اس کی ہستی اُن آیات و دلائل سے ظاہر ہے جو آسمان و زمین میں ہر صاحبِ بصیرت کو دکھائی دیتے ہیں اور خدا کے باطن ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اُس کی کنہ ذات حجابِ جلال میں محتجب و پوشیدہ ہے۔
۷۶	اَلْبَاطِنُ	پوشیدہ ہے باعتبارِ ذات	
۷۷	اَلْوَالِیْ	تمام اُمور کا متولّی	ولایت بکسرِ واو سے مشتق ہے جس کے معنے تصرف کرنے اور قابو پانے کے ہیں اور ایک ہے وَلایت بفتحِ واو جس کے معنے مدد کرنے اور حکمرانی کرنے کے ہیں بعضے کہتے ہیں کہ وَلایت بفتحِ واو مصدر ہے اور بکسرِ واو اسم۔ والی وہ ہے جو سب کا مالک اور تمام کا [illegible]
۷۸	اَلْمُتَعَالِیْ	مخلوقات کی صفات سے منزہ	تمام حکمرانوں اور فرمانرواؤں سے بلند قدر۔ یا تمام نقائص و آفات سے عالی شان
۷۹	اَلْبَرُّ	اپنے لطف سے بندوں کے ساتھ نیکی کرنے والا	بَرّ بفتح با اسمِ فاعل یعنی نیکی کرنے والا۔ [illegible]
۸۰	اَلتَّوَّابُ	گنہگاروں کی توبہ قبول کرنے والا	توّاب مبالغہ ہے تائب کا اور تائب ماخوذ ہے توبہ سے۔ توبہ کے اصلی معنے ہیں رجوع کرنے کے پھر جب اس کی نسبت بندے کی طرف ہوتی ہے تو گناہ سے رجوع کرنا مراد ہوتا ہے اور خدا کی طرف ہوتی ہے تو رحمت کے ساتھ رجوع کرنا یعنی بندہ توبہ کرے
۸۱	اَلْمُنْتَقِمُ	نافرمانوں سے بدلا لینے والا	انتقام کہتے ہیں بدلہ لینے کو یعنی خدا تعالیٰ کافروں سے اپنی نافرمانی کا بدلہ لینے والا اور اُن کے تمرد و سرکشی کی سزا دینے والا۔
۸۲	اَلْعَفُوُّ	گناہوں کا مٹانے والا	
۸۳	اَلرَّءُوْفُ	بہت شفقت کرنے والا	رأفت کہتے ہیں خشیتِ رحمت کو اور یہ مبالغے کا صیغہ ہے جیسے ضَرُوب اور شَکُور

نمبر شمار	اسماءِ عربی	ترجمۂ اردو	کیفیت
۸۴	مَالِكُ الْمُلْكِ	مُلک کا مالک	
۸۵	ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ	بزرگی و عزت والا	
۸۶	الْمُقْسِطُ	عادل و منصف	اس کا مادہ قسوط اور قسوط کہتے ہیں جور و ظلم کو لیکن جب اسے باب افعال میں لے گئے تو معنے ہوئے جور و ظلم کے ازالہ کرنے کے اور ازالہ جور و ظلم کا نام ہی انصاف تو مقسط کے معنے ہوئے منصف عادل۔
۸۷	الْجَامِعُ	تمام مخلوقات کو جمع کرنے والا	قیامت میں خدا لوگوں کو جمع کرے گا یا دنیا میں بچھڑے ہوؤں کو جمع کرتا ہے۔
۸۸	الْغَنِيُّ	بے پروا	غنی مشتق ہے غنا سے اور غنا کہتے ہیں بے نیاز ہونے کو یعنی خدا تعالیٰ سب سے بے نیاز ہے اور مغنی لیا گیا ہے اغنا سے جس کے معنے ہیں بے نیاز کرنا یعنی وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے بے نیاز کرتا ہے کہ وہ اپنے ہمجنسوں کی طرف حاجت نہیں لے جاتا غنی جو مالدار کے معنی میں مشہور ہے وہ بھی بے نیازی کی ایک شاخ ہے۔
۸۹	الْمُغْنِي	لوگوں کو بے پروا کرنے والا	
۹۰	الْمُعْطِي	عطا کرنے والا	معطی دینے والا۔ اور مانع روک رکھنے والا یعنی جسے چاہے اور جو چاہے دیتا اور جسے چاہے اور جو چاہے نہیں دیتا
۹۱	الْمَانِعُ	اپنے دوستوں سے تکلیف روکنے والا	
۹۲	الضَّارُّ	ضرر و شر کا خالق	یعنی خدا خالق خیر و شر اور نفع و ضرر ہے اور درد و دوا۔ رنج و شفا گرمی سردی خشکی و تری سب پیدا کی ہوئی اسی کی ہیں
۹۳	النَّافِعُ	نفع و خیر کا پیدا کرنے والا	
۹۴	النُّورُ	روشن کرنے والا	عرف عام میں نور کہتے ہیں روشنی کو خدا پر نور کا اطلاق اس سے کیا گیا کہ زمین و آسمان میں اسی کا چاندنا اور اسی کا ظہور ہے۔
۹۵	الْبَدِيعُ	موجد	بدیع بے مثل اور بے مانند کبھی معنے ہیں مبدع یعنے موجد کے بھی آتا ہے جو بے نمونہ دیکھے از خود اختراع کرے تو اس معنے کر بھی خدا بدیع ہے کہ اس نے جہاں کے بنانے میں کسی کی تقلید نہیں کی۔
۹۶	الْبَاقِي	باقی رہنے والا	دائم الوجود جو کبھی فنا نہیں ہوتا۔
۹۷	الْوَارِثُ	فنائے موجودات کے بعد باقی رہنے والا	اس سے مراد ہے فنائے موجودات کے بعد باقی رہنے والا گویا تمام مرنے والوں کی میراث اس کو پہنچتی ہے۔
۹۸	الرَّشِيدُ	صاحبِ رشد	رُشد ضد ہے غیّ کی اور غیّ کے معنے ہیں گمراہی تو رشید کے معنے ہوئے صاحب رشد اور خدا کو رشید اس معنے کر کہا گیا کہ طریق اسلام اس کا پسند ہے اور وہی صراط مستقیم ہے یا اس اعتبار سے کہ جو صفات کمالیہ خدا میں ہونی چاہئیں وہ اس میں ہیں
۹۹	الصَّبُورُ	بڑا صبر کرنے والا۔	اصل میں صبر کے معنے تحمل اور برداشت کرنے کے ہیں اور چونکہ خدا تعالیٰ بندوں کی گستاخیوں اور نافرمانیوں کی برداشت کرتا اور انتقام اور مواخذے میں جلدی نہیں کرتا اس لیے اس کا نام صبور رکھا گیا۔

رہی یہ بات کہ یہ صفات جو خدا کے ۹۹ نناوے ناموں سے ظاہر ہوتی ہیں کیسے معلوم ہوئیں پس اسلامی عقیدہ تو یہ ہے اور یہی برحق کہ صفات باری عین ذات باری ہیں یعنی فی وقت من الاوقات ایسا نہیں ہوا کہ خدا ان صفات سے معرّیٰ ہا ہو صفات باری ذات باری کو لازم ہیں اس سے منفک نہیں ہو سکتیں پس میرا یہ کہنا کہ خدا کے ہونے کا اعتراف ادراک بشری کی حد ہے اس کے یہی معنے ہیں کہ ایسے خدا کے ہونے کا اعتراف جو نوّے نناوے صفات سے متصف ہے ادراک بشری کی حد ہے۔ رہی یہ بات کہ ہم نے خدا کا ان صفات سے متّصف ہونا کیونکر جانا۔ جہاں سے خدا کے ہونے کو جانا یعنی کائنات عالم سے وہیں سے اُس کے ان صفات سے متّصف ہونے کو بھی جانا۔ یعنی اگر خدا ان صفات سے معرّیٰ فرض کیا جائے تو کارخانہ عالم زبان حال پکارے کہہ رہا ہے کہ ایسا خدا خدا ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ وہ اتنا

بڑا عظیم الشان کارخانہ بایں حسن و خوبی پیدا کرسکتا۔ نہ اس کو سنبھال سکتا نہ اس کو اس انتظام سے چلا سکتا ہے۔

(س) اب تو یوں کہیئے کہ خدا کا وجود خیالی وجود ہی یعنی ہم نے دل میں فرض کرلیا ہے کہ خدا ہے۔

(م) خدا کا وجود خیالی وجود تو تب ہوتا کہ عالم کا وجود خیالی ہوتا۔ مگر عالم کو تو ہم موجود فی الخارج دیکھ رہے ہیں تو ضرور ہی کہ خدا بھی پہلے سے موجود فی الخارج ہو۔

(س) عالم اور چیز خدا اور چیز عالم کے وجود کو خدا کے وجود سے تعلق کیا یہ تو ایسی بے تکی مثال ہوئی کہ ہم کسی جگہ سے کوئلہ نکلتا ہوا دیکھیں اور اس کو سونے کے ہونے کی دلیل سمجھیں۔

(م) قیاس مع الفارق۔ کوئلے کا ہونا۔ سونے کے ہونے کا مستلزم نہیں۔ اور عالم کا ہونا خدا کے ہونے کا مستلزم ہے اس لیے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا عالم اسباب ہے۔ کوئی ادنٰے تغیر بھی بے سبب نہیں ہوتا۔ خیر دوسرے تغیرات سے قطع نظر یہ بڑا تغیر عالم کا عدم سے وجود میں آنا اس کا محرک اس کا باعث اس کا سبب کون۔ سبب کی جستجو میں ہم نے ہر چہار طرف نظر دوڑائی ہم کو تو کہیں دکھائی دیا نہیں اور ہونے میں شک بھی نہیں۔ اس حیرت میں ہمارے قصور علم نے ہماری دستگیری کی اور ہم نے سمجھا کہ یہ ہماری فہم کا قصور ہے۔ علم حاصل کرنے کے ذرائع جو ہم کو حاصل ہیں یعنی حواس خمسہ ہمارے لیے عینک ہیں مگر دھندلی مثلاً حواس خمسہ میں سے ایک قوۃ باصرہ کو لو کہ چشم دید بڑا قوی ذریعہ یقین کا ہے۔ مگر قوۃ باصرہ میں یہ نقص بھی ہے۔ کہ مثلاً گھڑی میں گھنٹے کی سوئی حرکت تو کرتی ہی ہم کو حرکت سوجھ نہیں پڑتی۔ اسی طرح سایہ حرکت تو کرتا ہی ہم کو حرکت کرتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ اور یہ تو ہم نے مثال کے طور پر ایک بات کہی نظر میں اور کئی نقص ہیں۔ جو علم مناظر و مرایا کی کتابوں میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ گھڑی میں گھنٹے کی سوئی یا سایئے کی حرکت سوجھ نہ پڑنے سے سوئی اور سایئے کو ساکن مانوگے یا قصور نظر کے قائل ہوگے۔ کارخانہ عالم کی ساخت اور اس کا انتظام متقاضی ہیں کہ اس کا موجد اس کا ناظم ایسا اور ایسا ہو۔ اور ایسا اور ایسا ہونا اس بات کا مستلزم ہے کہ وہ ہمارے ناقص حواس کی گرفت میں نہ آسکے مگر پھر بھی ہم کو اس کا ہونا ماننا پڑے گا اور وہ ہے

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

کہو اس بیان سے تمہاری تشفی ہوئی؟

(س) ہاں کچھ تو ہوئی جیسے پچھے دار منطقی دلائل سے ہوسکتی ہے۔ مگر خدا کا تعلق خواندہ اور ناخواندہ مرد اور عورت ذہین اور غبی سب کے ساتھ ہے دلیل ایسی چاہئیے جس کو سب آسانی سے سمجھ سکیں۔

(م) میں نے تمہاری طبیعت میں کج بحثی معلوم کرکے مسلسل تقریر کی اور شاید میرے بیان میں منطق کا کچھ رنگ آگیا ہوگا مگر تم منطق کی طرف سے اتنے بدگمان کیوں ہو۔ جس طرح سب آدمی بول چال میں قواعد صرف و نحو کا استعمال کرتے ہیں۔ معمولی معاملات۔ حرکات سکنات روزمرہ میں قواعد منطق کا گو شافیہ کافیہ۔ اور قطبی۔ تہذیب نہ پڑھے ہوں۔ اچھا ثبوت باری کی جس طرح کی دلیل تم چاہتے ہو وہ بھی لو کہ سارا جہان بالاجماع خدا کو مانتا ہے۔

(س) ابھی تو آپ کہتے تھے کہ اس میں اختلاف ہے۔

(م) اختلاف ہے من وجہ اور ساتھ ہی اتفاق بھی ہے۔

(س) ہماری سمجھ تو ان متضاد باتوں کے سمجھنے سے قاصر ہے۔

(م) میں ایک مثال سے اِس کی توضیح کرتا ہوں۔ میں نے اپنی کسی کتاب میں یا کسی لیکچر میں خدا کو اندھوں کے ہاتی سے تشبیہ دی۔ لفظوں کے اعتبار سے تو تشبیہ اچھی نہ تھی مگر مطلب کی رُو سے تھی چسپاں۔ ہاتی کا جثہ بڑا ہے اُس کی قیمت بھی بڑی ہے اور اُس کا خرچ بھی بڑا ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں کوئی اِکّا دُکّا امیر ہاتی پال لیتا ہے۔ تو ہاتی دکھائی بھی دیتا ہے۔ دیہات میں ہاتی عجیب چیز سمجھا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک گانوں میں اتفاق سے ہاتی کا گزر ہوا۔ تو سارا گانوں ہاتی کے دیکھنے کو نکل پڑا۔ گانوں میں کچھ اندھے بھی تھے انھوں نے بھی ہاتی کا آنا سُنا اور دیکھنے کو چل دوڑے۔ آنکھیں نہیں کہ سموچے ہاتی کو دیکھیں۔ فیلبان نے ترس کھا کر ٹٹول لینے دیا۔ گھر لوٹ کر آئے تو لوگوں نے پُوچھا کہ تم نے کیا دیکھا۔ کسی نے سُونڈ ٹٹولی تھی کسی نے کان کسی نے پیٹ کسی نے پاؤں۔ کسی نے دُم۔ جس نے جتنا ٹٹولا اُسی کو ہاتی سمجھا تھا وہی بیان کر دیا۔ ہر ایک اندھا اپنی جگہ سچا تھا۔ وہ ہاتی کے مختلف حُلیے بیان کرتے تھے۔ مگر ہاتی کے ہونے پر متفق تھے۔ یہی حال خدا کا ہے کہ وہ بشری حواس کی گرفت میں آنے کی چیز نہیں مگر آدمی ہے کہ اِن ہی ناقص حواس سے اُس کو معلوم کرنا چاہتا ہے پس ع ہر کس بخیال خویش خبطے دارد، کا مصداق ہے۔ مشرک اور بُت پرست جن کو تم منکرِ خدا سمجھتے ہو منکرِ خدا نہیں ہیں۔ خدا کے حُلیے میں غلطی کرتے ہیں۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ (المؤمنون ع ۵)

(اے پیغمبر ان لوگوں سے) پُوچھو کہ اگر تم (بڑے) بُوجھ بُجھکڑ ہو تو (بھلا اتنی بات تو بتاؤ کہ) زمین اور جو کچھ اُس میں ہے (یہ تمام کارخانہ) کس کا ہے؟ وہ فوراً (ہی) جواب دیں گے کہ اللہ کا (ان سے) کہو کہ پھر تم کیوں نہیں غور کرتے (اے پیغمبر ان سے) پُوچھو کہ سات آسمانوں کا مالک کون ہے؟ اور (نیز) عرشِ عالی شان کا مالک (کون ہے؟) وہ فوراً (ہی) جواب دیں گے کہ (یہ سب کچھ) اللہ ہی کا ہے (اب تم ان سے) کہو کہ کیا پھر تم کو (اُس سے) ڈر نہیں لگتا؟ (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ اگر تم (بڑے) بُوجھ بُجھکڑ ہو تو (بھلا اتنی بات تو بتاؤ کہ) کون (ایسا قادرِ مطلق) ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ (جس کو چاہتا) پناہ دیتا (ہے) اور اُس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا وہ فوراً (ہی) جواب دیں گے کہ (یہ سب صفتیں تو) اللہ ہی کی ہیں (اب ان سے) کہو کہ پھر تم پر کیسی مت پڑ جاتی ہے۔

سب سے بھلے مسلمان کہ وہ خدا کا نام سُن کر کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں کہ بھائی ہم تو مادر زاد اندھے ہیں ہم کیا جانیں کہ ہاتی کیسا ہوتا ہے۔ عسہ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ

(س) تو آپ کے نزدیک کوئی منکرِ خدا نہیں۔

(م) میں تو ایسا ہی خیال کرتا ہوں کہ آدمی منکرِ خدا ہو نہیں سکتا۔ آدمی اندھیرے میں رسّی کو سانپ سمجھ کر اُس سے ڈر کر

عسہ مخلوقات کی نظریں تو اُس کو معلوم کر نہیں سکتیں اور (وہ) لوگوں کی نظروں کو خوب جانتا ہے ۱۲

بھاگے تو وہ غلطی تو بے شک کرتا ہی مگر سانپ کا منکر نہیں۔ منکر ہوتا تو بھاگتا ہی کیوں۔ پس جس کو لوگ انکار سے تعبیر کرتے ہیں وہ عین اقرار ہی۔ اسی طرح کا کسی صوفی کا لطیف مقولہ ایک کتاب میں نظر سے گزرا۔ وہ کہتے ہیں کہ لوگ شیطان کو دشمنِ خدا سمجھتے ہیں حالانکہ اُس سے بڑھ کر کوئی خدا کا دوست نہیں۔ اُس کو خدا کے ساتھ عشقِ مفرط تھا وہ آدم کے تقرب کو دیکھ نہ سکا

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم ۔۔۔ گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن ندہم

پس اُس کی رنجش متفرع تھی محبت پر ؎

اگر در رہ یک صلائے کرم ۔۔۔ عزازیل گوید نصیبے برم

(س) خیر مشرک اور بت پرست آپ کے نزدیک منکرِ خدا نہ سہی دہریوں کو آپ کیا کہیں گے کہ وہ تو کھلے لفظوں میں کہتے ہیں کہ خدا کوئی چیز نہیں۔

(ج) میں تو دہریوں کی غلطی کو بھی مشرکوں اور بت پرستوں ہی کی سی غلطی سمجھتا ہوں۔ مشرک خاص چیزوں کو شریکِ خدائی بت پرست خاص چیزوں کو خدا مانتے ہیں۔ دہریئے ساری خدائی کو حافظِ شیراز نے ٹھیک فرمایا ہی ؎

جنگِ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ ۔۔۔ چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

طلبُ الکلِّ فوتُ الکلِّ

(س) خدا کے بارے میں لوگوں کی رایوں کے اختلاف کا اصلی سبب کیا ہی؟

(ج) دنیا کا عالمِ اسباب ہونا اور انسان کے ذرائع علم کا نقص۔ انسان بدوِ شعور سے زندگی بھر دیکھتا ہی کہ ہر ایک تغیر کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہی۔ اور پھر سبب بھی خود ایک تغیر ہی اُس کا سبب اور پھر اُس کا وَھَلُمَّ جَرًّا مثلاً سورج کی گرمی سے سمندر کا پانی بھاپ کی طرف مستحیل ہوتا ہی۔ ہوا بھاپ کو اُبھار کر اوپر لے جاتی ہی۔ اس لیے کہ بھاپ ہوتی ہی ہلکی اور ہوا ہوتی ہی بھاری۔ اور ہلکی چیز کا خاصہ ہی کہ وہ بھاری چیز کے اوپر رہتی ہی جیسے تیل اور پانی۔ پھر یہ بھاپ جو ہم کو بادل کی شکل میں دکھائی دیتی ہی۔ اوپر کی سردی پاکر (مینھ بن کر) برستی۔ پانی کی بھاپ۔ بھاپ کا پانی یہ آواگون ہمیشہ ہوتا رہتا ہی۔ اور اس کی تصدیق تم کو اس طرح ہو سکتی ہی کہ دیگچی میں پانی گرم کرو اُس سے بھاپ پیدا ہوگی کچھ تو ہوا ہو کر اُڑ جائے گی اور کچھ چھینی میں لگ کر بوندیں بن بن کر دیگچی میں ٹپکے گی۔ تمھارے سمجھانے کے لیے ہم نے ایک چھوٹی سی مثال دی ہی۔ اس میں پانی کے بھاپ ہونے کا سبب ہے گرمی۔ پھر بھاپ کے پانی ہونے کا سبب سردی۔ مگر یہ دو تغیر سلسلۂ تغیرات کی صرف دو کڑیاں ہیں۔ سلسلے کے اوپر کی اور بیچ کی اور نیچے کی کڑیوں کو چھوڑ دیا گیا ہی ورنہ آفتاب کا ہونا اُس کی گرمی اور پانی اور ہوا اور گرمی سردی کی مختلف تاثیرات یہ سب تغیرات سبب کے محتاج ہیں۔ غرض اس سلسلے کی کڑیوں کا کھوج لگاتے جاؤ۔ آخر کار عاجز آکر ایک سبب ایسا ماننا پڑے گا کہ اُس کو سبب درکار نہیں۔ وہ خود مسبب الاسباب یعنی خدا ہی یہاں تک تو کسی کو اختلاف نہیں اور نہ کوئی اختلاف کر سکتا ہی۔ اختلاف ہی تعیینِ سبب میں اس وجہ سے کہ آدمی ادراکِ بشری کی رسائی تک تعیینِ سبب کر سکتا ہی۔ اور یہاں انتظامِ عالم ایسا سبب چاہتا ہی جس کی مثال مرئیات اور مشاہداتِ عالم میں موجود نہیں لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ مثال کا موجود ہونا یگانگی اور یکتائی یعنی وحدانیت کے خلاف اور یکتائی موجدِ عالم یعنی خدا ہونے

عہ کوئی چیز (بھی) اُس جیسی نہیں ۱۲ ؎ عہ یعنے اور اسی طرح دور تک بڑھاتے اور کھینچتے چلے جاؤ ۱۲ عہ باہمی رد و بدل ۱۲

کے لیے صفتِ لازمی۔

(۳) توحیدِ باری

(س) خدا کے لیے یگانہ اور یکتا ہونا کیا ضرور ہے۔

(م) میں نے تم سے کہا نہیں کہ ہم نے خدا کو دیکھا نہیں مگر مخلوقات سے خالق کو جانا۔ اسی طرح انتظام دنیا سے اس کی تمام صفات کو پہچانا۔ ازاں جملہ اُس کی یکتائی کو کہ عالم کا سارا صحیفۂ قدرت ایک ہی کاتب کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ کہیں دائرے اور کشش اور نقطے اور حرکات اور سکنات اور شوشے اور نوک پلک میں ذرا تفاوت نہیں۔ آیۂ

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ (النساء ۶) اور اگر (قرآن) خدا کے سوا کسی اور کے پاس سے (آیا) ہوتا تو ضرور اُس میں بہت سے اختلاف پاتے۔

ہے تو قرآن کی شان میں مگر صحیفۂ قدرت پر بھی منطبق ہے۔ دنیا میں ہزارہا قسم کے انتظام ہیں مگر یہ مجموعۂ قوانین ایک ہی مقنّن کا بنایا ہوا ہے تمام قاعدوں میں ایک عجیب طرح کا تناسب ہے۔ کہ ایک دوسرے کی تائید کرتا ہے۔

كَالْبُنْيَانِ الْمَرْصُوْصِ يُشَيِّدُ بَعْضُهٗ بَعْضًا۔ جیسے سیسہ پلائی ہوئی عمارت کہ اُس کا بعض بعض کو مستحکم کرتا ہے۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء ع ۲۶) اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان دونوں کبھی کے برباد ہو گئے ہوتے

کا یہی مطلب ہے اور یہ عقیدۂ توحید اسلام کی بڑی خصوصیتوں میں ہے اور اُس کی صداقت اور حقانیت کی بڑی مستحکم دلیل ہے اسی کی وجہ سے اسلام نے دوسرے اَدیانِ مروّجہ کو ردّ کر دیا ہے ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست کتب خانۂ چند ملت بشست

(س) ایک خدشہ تو دفع کیجیے کہ آپ خدا کے بارے میں ادراکِ بشری یعنی عقل سے کام لینے کو منع کرتے ہیں اور ہم بنی آدم عقل ہی کی وجہ سے مکلّف بالشرائع قرار دیئے گئے ہیں۔ پس بے اعمالِ فکر ہم جو فیصلہ خدا کے بارے میں کریں گے وہ کب صحیح اور مستند ہو سکتا ہے اور اسی خدشے کو کسی شاعر نے ایک شعر میں ظاہر بھی کیا ہے۔ اور کہتا ہے ؎

ہوس میں کعبے کی کیوں شیخ بت خانے سے گمراہ ہے یہاں تو کوئی صورت بھی ہے واں اللہ ہی اللہ ہے

(م) اگر تم نے میرے کسی بیان سے ایسا سمجھا کہ میں خدا کے بارے میں عقل کا دخل نہیں چاہتا تو یہ میرے بیان کا قصور ہے یا شاید تم نے غلط سمجھا۔ اگر میں ایسا کروں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ میں انسان سے انسانیت کو سلب کرتا ہوں۔ میرا مطلب صرف اسی قدر ہے کہ چشمِ سر سے حدِّ نظر کے پرے دیکھنے کا قصد مت کرو۔ ادراکِ بشری کی حد کے باہر خدا کے بارے میں اٹے سٹے لگا

لَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (النحل ۶) (لوگو! دنیا کے بادشاہوں کے قیاس پر) خدا کے لیے مثالیں تصنیف نہ کرو (ٹھیک مثال کا دینا) اللہ کو معلوم ہے اور تم کو معلوم نہیں ف۱

ف۱ مشرکین شرک کی یہ تاویلیں کیا کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں کہ جس طرح بادشاہوں کے یہاں با اختیار وزیر اور کارپرداز ہوتے ہیں (بقیہ صفحہ ۲۳)

عقل ہی کے دخل کا نتیجہ ہی کہ عقل انسانی نے اپنی حد کو معلوم کیا۔ اور مُسلمانوں نے بے چُون و بے چگون خدا کو مانا۔

(س[۴۷]) آپ نے یہ بھی تحقیق کیا کہ خدا کے بارے میں دوسرے مذہب والوں کے کیا عقیدے ہیں۔ آخر ایسی تو کیا بات ہی کہ اسلام کے سوائے کسی دوسرے مذہب والوں کو خدا کا خیال نہ آیا ہو وہ لوگ بھی تو مسلمانوں ہی کے طرح کے آدمی ہیں۔

(م[۴۸]) یقین یقین میں بھی فرق ہوتا ہی مجکو اسلام کی حقانیت کا ایسا یقین ہی جیسے دو اور دو کے چار ہونے کا میں پوچھتا نہیں پھرتا کہ اور لوگ بھی دو اور دو کو چار ہی کہتے ہیں یا کم و بیش اور فرض کرو کہ سارا جہان دو اور دو کو چار سے کم و بیش کہے تو کیا میں مانے لیتا ہوں پس مجکو تحقیق کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

(س[۴۹]) آپ کا حرج ہی کیا تھا اسلامی عقیدے کی اور توثیق ہو جاتی۔

(م[۴۹]) اوّل تو اسلامی عقیدہ محتاجِ توثیق نہ تھا اس لیے کہ تمام اسلامی عقائد فطری ہیں کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُّوْلَدُ عَلَی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ[ط] اور میں ہر مسئلۂ اسلام کو مطابقِ فطرت ثابت کرنے کو موجود ہوں تو خدا کے بارے میں بھی اسلامی عقیدہ فطری عقیدہ ہی یعنی جس کسی بشر نے خدا کا خیال کیا ہوگا وہی سمجھا ہوگا جو اسلام نے سوہ دوسری بات سمجھ نہیں سکتا۔

(س[۵۰]) یہ تو بداہتہ کے خلاف ہی۔

(م[۵۰]) فطرت پر اثر پڑتا ہی تعلیم کا۔ تربیت کا صحبت کا۔ آب ہوا کا۔ غذا کا۔ عمر کا اور بہت چیزوں کا۔ جن کی وجہ سے فطرۃ اپنی حالتِ اعتدال پر اکثر مستقیم نہیں رہ سکتی۔

(س[۵۱]) ابھی یہ بات اچھی طرح میرے ذہن میں نہیں بیٹھی کہ انسان از روئے فطرۃ خدا کا خیال کرنے پر مجبور ہی کیونکہ شاید بہت سے آدمی ایسے بھی ہیں جو ساری عمر خدا کا خیال نہیں کرتے۔ اور اگر احیاناً بات چیت میں خدا کا نام سن بھی لیتے ہیں تو اُن کا ذہن اُس لفظ کے مفہوم کی طرف کو مُنتقل نہیں ہوتا بلکہ بعض تو سرے سے خدا کو مانتے ہی نہیں۔

(م[۵۱]) تم فطرۃ کے سمجھنے میں غلطی کرتے ہو۔ فطرۃ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آدمی ہمہ وقت اِسی خیال میں لگا رہے اگر ایسا ہو تو دنیا کے کاروبار بند ہو جائیں بلکہ فطرۃ کے یہ معنی ہیں کہ انسان کو خدا کا خیال کرنے کے مواقع اکثر پیش آتے رہتے ہیں اور جب ایسا موقع پیش آتا ہی وہ چار و ناچار خدا کا خیال کرتا ہی جیسے حرکۃ بالارادہ انسان کے خواصِ فطری میں ہی۔ مگر ضرور نہیں کہ آدمی ہمہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲) اسی طرح خدا کی سرکار میں اُن کے دوسرے معبود ہیں خدائے تعالیٰ نے اُن کے اِس خیال کو باطل ٹھیرا دیا کہ تم کو مثال دینے کا سلیقہ نہیں تمہاری مثالیں بالکل بے تُکی مثالیں ہیں۔ چنانچہ آگے خدا نے خود دو مثالیں بیان فرمائی ہیں جو نہایت مُوزوں اور چسپاں ہیں اور ان اللہ یعلم وانتم لاتعلمون کے یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ خدا لوگوں کے حال سے واقف ہی اور تم بنی آدم واقف نہیں ہو سی ناواقفیت کی وجہ سے تم میں جو بادشاہ ہوتے ہیں اُن کو مدد لینے کی ضرورت ہوتی ہی اور حاجتمندوں کو بھی ضرورت پڑتی ہی کہ کوئی اُن کا سفارشی ہو اور بادشاہ تک اُن کی خبر پُہنچائے لیکن خدا خود دانا و بینا ہی وہ بغیر واسطے کے تمہاری سُنتا اور تمہارا سب حال جانتا ہی ۱۲

(نوٹ صفحہ ہذا) ط پوری حدیث اس طرح پر ہی کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُّوْلَدُ عَلَی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ رَوَاہُ اَحْمَدُ یعنی ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اُس کے ماں باپ اُسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی ۱۲ +

وقت حرکت کرتا ہے۔ رہا خدا کا انکار ہیں تو کہے جاؤں گا۔ کہ آدمی ناسمجھی سے خدا کے مصداق میں غلطی کر سکتا ہی۔ خدا کا انکار نہیں کر سکتا اور جن کو تم منکر خدا سمجھتے ہو جیسے دہریئے۔

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ (الجاثیہ ۳۶)

اور کہتے ہیں ہماری تو یہی دنیا کی زندگی ہی اور بس کہ یہیں آمر ہیں اور یہیں اجیتے ہیں اور زمانہ ہی ہم کو ایک وقت خاص تک زندہ رکھ کر مار دیتا ہی۔ ان کو اس کی کچھ تحقیق تو ہی نہیں تو نرے اٹکل کے تکّے چلاتے ہیں۔

میں تو ان کو بھی اگر ہوں ایک طرح کا بُت پرست ہی سمجھتا ہوں کسی نے خاص خاص بُتوں کو خدا سمجھا دہریوں نے تمام جہان کو

(۴) شرک

(س) اچھا یہ فرمائیے کہ بنی آدم میں شرک اور بُت پرستی نے کیوں کر رواج پایا۔

(م) رواج پایا آدمی کے مرئی اور مشاہد اسباب کے خوگر ہونے سے۔ وہ بالطبع خدا کے بارے میں دعاوی او قلیدس کا سا ثبوت چاہتا ہی اور اسی سے اُس کی تسکین ہوتی ہی۔ پس وہ خدا کے بارے میں بھی اپنی مَن سمجھوتی کے لیے بے بُنیاد باتیں بناتا اور اُن کی لغو اور بیہودہ اور سخیف تاویلیں کرتا ہی یہ ہی اصل شرک اور بُت پرستی کی۔

(س) خدا کے نِنّانوے نام کی تو بڑی لمبی فہرست ہی مجکو تو خدا کی کوئی صفات کی کوئی مختصر سی فہرست بتایئے کہ وہ تمام صفات پر حاوی ہو

(م) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص ۱۲)

(اے پیغمبر یہ لوگ جو تم سے خدا کا حال پوچھتے ہیں تو تم ان سے) کہو کہ وہ اللہ ایک ہی اللہ بے نیاز ہی نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اُس کی برابر کا ہی۔

اس سورۃ کا نام سورۂ اخلاص ہی اور اس کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ثُلثِ قرآن فرمایا ہی اس لیے کہ قرآن میں بالاصالت خدا اور رسول اور شرائع ان ہی تین چیزوں کا مذکور ہی تو اس رُو سے سُورۂ اخلاص ثُلث قرآن ہوئی کہ اس میں خدا کی کافی صفت ہی۔ خدا کی صفات میں وہ صفت جسکو قرآن کا ترجیع بند کہہ سکتے ہیں وحدانیت ہی اور سُورۂ اخلاص کا مقصود اصلی بھی یہی ہی

(س) اسلام کو دنیا میں رواج پائے تو ڈیڑھ ہی ہزار برس ہوئے ہیں اور مذہب کو کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے وقت سے اس کا سلسلہ جاری ہی تو جس طرح ہم بنی آدم حضرت آدم کی نسل ہیں۔ مذاہب مروجہ بھی مذہب آدم کی یادگار ہیں کیا؟

(م) بے شک مذہب کا خیال اور مذہب کیا چیز ہی خدا کا خیال آدمی کی فطرۃ میں تو تھا ہی آدم کی نسل پر کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا کہ وہ خدا کے خیال سے بے تعلق رہے ہوں اور وہ بے تعلق رہ بھی نہیں سکتے تھے اور نہ اب رہ سکتے ہیں۔ ان کو ہمہ وقت ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ جن پر اُن کی زندگی کا انحصار ہی۔ اور اُن پر ان کا کچھ بس نہیں چلتا۔ اور یہ بے اختیاری ہی تو آدمی کو کشاں کشاں خدا کی طرف لے جاتی ہی اور سب سے آخر ہیں موت کہ اُس کا کوئی علاج ہی نہیں اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ[1]

[1] یہ آیت مع ترجمہ کے صفحہ (۸) میں گزر چکی وہاں اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو ۱۲

وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ غرض آدمی کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو مذہبی مخلوق پیدا ہوا ہی ہمیشہ ہر زمانے میں مذہبی مخلوق رہا ہی اور وہ مذہبی مخلوق رہے گا بھی۔

(س) آدم کی نسل تو شروع سے اب تک خط وخال کے تھوڑے شخصی اختلاف سے ایک ہی شکل وصورت پر چلی جاتی ہی وہی دو ہاتھ وہی دو پاؤں وہی دو آنکھیں وہی دو کان وہی ایک ناک۔ اگر مذاہبِ مروّجہ مذہب آدم کی نسل ہوتے جیسا کہ ہونا چاہیئے تو ان میں بدونیک کُسا اختلاف کیوں ہو جس سے معلوم ہوتا ہی کہ اصل و احد کی فرع نہیں ہیں۔

(ج) آدم کی نسل میں جسمانی ساخت کے اعتبار سے تو البتہ کچھ ایسا بڑا اختلاف نہیں ہونے پایا۔ مگر آدم کے وقت سے اب تک بنی آدم کے حالات اور خیالات میں اس قدر تغیّر اور تفاوت ہوا ہی کہ گویا ان وقتوں کے آدمی دوسرے آدم کی اولاد ہیں۔ آدم علیہ السلام کے ابتدائی حالات پر نظر کرو۔ کہ مذہبی روایت کی رُو سے اُن کو بیک بینی و دو گوش ننگا دھڑنگا درختوں کے پتّوں سے آگا پیچھا چھپائے اپنے ہاتھ پاؤں کے سوائے نہ کوئی یار نہ مددگار نہ بُوندی گرمی سردی سے بچنے کا کہیں ٹھکانا نہیں یا زمین پر لا اُتارا۔ جدھر آنکھ اُٹھا کر دیکھتے ہیں خود رُو نباتات اور حیوانات کے سوائے کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ درندے ہیں کہ پھاڑ کھانے کو پلے چلے آتے ہیں۔ تحفّظ کا نہ سامان ہی نہ سلیقہ۔ بھوک پیاس الگ ستا رہی ہو۔ یا اُسی بےکس بےبس آدم کی اولاد ہی کہ روئے زمین پر حکمرانی کر رہی ہو۔ عیش و عشرت کے کُل سامان ضرورت سے بہت زیادہ مہیا۔ اتنی چوڑی چکلی زمین اولادِ آدم کو بس نہیں کرتی ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ چپے چپے زمین پر آپس میں لڑے مرتے ہیں۔

ہفت اقلیم ار بگیرد بادشاہ ہمچناں دربند اقلیمے دگر

(س) بنی آدم کے اختلافِ حالت کو اختلافِ مذہب میں کیا دخل؟

(ج) خدا شناسی جس کا مذکور ہو تا رہا ہی وہ تو واقع میں اصل مذہب ہی اور اُس میں بنی آدم کے اختلاف کی وجہ بھی تم سن چکے ہو اسی اختلاف کے رفع کرنے کو خدا نے وقتاً فوقتاً پیغمبر بھیجے۔ آدم کی نسل کو خدا نے کچھ ایسی برکت دی تھی۔ کہ آدم کی اولاد یوماً فیوماً ساعۃً فساعۃً آناً فاناً بڑھتی اور پھیلتی جاتی تھی۔ ایک وقت خاص تک لوگ بعض واقعات گزشتہ کو زبانی یاد رکھتے رہے اسی انتشار میں بہت سی باتیں بھولی بسری ہو گئیں۔ کتابت کا فن تو کہیں بہت دنوں میں جا کر ایجاد ہوا ہی جس سے یادداشت میں بڑی مدد ملی غرض ہم کو پیغمبروں کا شمار معلوم نہیں کہ کون کس زمانے میں اور کس ملک میں مبعوث ہوا۔ مگر قرآن سے اتنی بات ثابت ہی کہ شروع سے پیغمبروں کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا۔ چنانچہ فرماتے ہیں

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ (الفاطر ع ۳) اور کوئی اُمت ایسی نہیں رہوئی کہ اُس میں ڈرانے والا نہ گزرا ہو اور قرآن میں جو معدودے چند کا مذکور ہی وہ اُن مختلف المذاہب قوموں کے لحاظ سے ہی جو نزول قرآن کے وقت ملک عرب میں بستے اور ان پیغمبروں کو فرستادۂ خدا مانتے تھے مطلب یہ ہی کہ جتنے پیغمبر ہو گزرے ہیں سب کے سب خدا کے بارے میں اسلامی عقائد سکھاتے سمجھاتے رہے تم لوگ باوجودیکہ اپنے تئیں اُن کی اُمت اور اُن کا متبع کہتے ہو اُن کا مسلک چھوڑ کر بگٹٹ ک

شرک اور بُت پرستی کرنے اسلام کی نسبت ارشاد ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ (الشوریٰ ع ۲)

(لوگو! خدا نے) تمہارے لیے دین کا وہی رستہ ٹھیرایا ہے جس (پر چلنے) کا اُس نے نوح کو حکم دیا تھا اور (اے پیغمبر) تمہاری طرف (بھی) ہم نے اُسی رستے کی وحی کی ہے اور اُسی کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسےٰ کو (بھی) حکم دیا تھا کہ (اسی) دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا (اے پیغمبر تم جس (دین) کی طرف مشرکین کو بُلاتے ہو وہ اُن پر (بہت ہی) شاق گزرتا ہے اللہ جس کو چاہتا ہے انتخاب کر کے اپنی طرف کھینچ بلاتا ہے اور جو اُس کی طرف رجوع لاتے ہیں اُن ہی کو اپنے تک (پہنچنے کا) رستہ دکھاتا ہے ف

اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۔ ع

(ش) یہ تو بڑا گول مال ہوا جاتا ہے۔ ہم مسلمان تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ہم مسلمانوں پر خدا کی یہ خاص عنایت ہے کہ ہماری طرف خدا نے پیغمبر آخر الزماں کو بھیجا اب تو ہندوستان اور چین اور جاپان اور برما اور تبت اور ترکستان اور فارس اور مصر اور امریکا اور افریقہ اور جزائر کل ملکوں کے لوگ ایک پیغمبر نکال کھڑا کریں گے۔ اور کہیں گے کہ ہم بھی ایک پیغمبر کی اُمت ہیں۔

(م) مسلمانوں کا دعوے خصوصیت تو یہودیوں کا۔

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (المائدہ ع ۳) ہم اللہ کے بیٹے اور اُس کے چہیتے ہیں۔

اور لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا (بقرہ ع) یہود کے سوا جنت میں کوئی نہیں جانے پائے گا۔

ف مطلب یہ ہے کہ شروع زمانہ نوح سے لے کر پیغمبر صاحب آخر الزماں تک جتنے پیغمبر آئے وہی ایک دین اسلام لے کر آئے اُن کو اُسی کی تعلیم کا حکم تھا اور اُنھوں نے اُسی کی تعلیم کی۔ کسی پیغمبر کا اصل دین کسی پیغمبر کے اصل دین سے کسی بات میں مختلف نہیں اور نہ پیغمبروں میں کسی طرح کا تفرقہ اور اختلاف ہے ایک خدا کی پرستش کے لیے سب ہدایت کرتے چلے آئے ہیں سو باوجودیکہ پیغمبروں کے اصل دین میں کسی طرح کا اختلاف نہیں اس پر بھی اُن کی اُمتوں نے کتاب الٰہی نازل ہوئے پیچھے دین میں تفرقہ ڈالا اور یہود و نصاریٰ بن بیٹھے یہ لوگ انبیاء کے بعد وارث کتاب الٰہی ہوئے تھے اِن کو چاہیے تھا کہ اصل دین میں پھوٹ نہ ڈالتے مگر انھوں نے شیخی یا ضد یا طمع دنیا کی وجہ سے اصل دین میں شکوک پیدا کر دیئے اسی اصل دین کی طرف مشرکین عرب کو بھی بُلایا جاتا ہے اور یہ اُس سے بدکتے ہیں ۱۲

ع پوری آیت اس طرح پر ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ (مومن) اور (اے پیغمبر) ہم نے تم سے پہلے (بھی کتنے) رسول بھیجے رسو) اُن میں سے (بعض) ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے تم کو سنائے اور اُن میں سے بعض ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے تم کو نہیں سنائے اور کسی رسول کی مجال نہ تھی کہ بے اذن خدا کوئی معجزہ لا دکھائے پھر جب حکم خدا (یعنی عذاب) آموجود ہوا تو انصاف کے ساتھ (اُمتوں اور پیغمبروں میں) فیصلہ کر دیا گیا اور جو لوگ برسر غلط تھے اس وقت (وہی) گھاٹے میں رہے ۱۲

اور لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً (البقرۃ ع ۹) گنتی کے چند روز کے سوا دوزخ کی آگ ہم کو چھوئے گی بھی تو نہیں۔ کا سا دعوے ہے جس پر خدا نے اُن کو بہت کچھ ملامت کی ہے۔ بندہ ہونے کی حیثیت سے کسی کی کچھ خصوصیت نہیں خصوصیت اگر ہے تو اعمالِ نیک کی ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات ع ۲) (لوگو!) اللہ کے نزدیک تم میں بڑا شریف وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے اور اس کا ظہور پورا پورا عاقبت میں ہوگا ورنہ دنیا میں تو کوئی قوم خدا کے ساتھ کسی خصوصیت کا دعویٰ نہیں کر سکتی باقی سب کے لیے برتا ہے

ادیم زمین سفرۂ عامِ اوست بریں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست

دن رات گرمی جاڑا برسات سب کے لیے ہیں۔ توالد تناسل۔ تندرستی اور بیماری جینا مرنا کسی ایک بات کی خصوصیت تو دکھاؤ

(س) یہ تو اونگھتے کو ٹھیلنا ہوا جس کے تو یہ تو یہ معنے ہوئے کہ خدا بندوں کے ساتھ آنکھ مچولی کا سا کھیل کرتا ہے [ف]

وبدار مے نمائی و پرہیز مے کنی بازارِ خویش و آتش ما تیز مے کنی ٭

(م) یک نشد دو شد۔ یہ تو خدا کی خدائی میں دخل دینا ٹھیرا کہ وہ ایسا کیوں ہے یا اُس نے آدمی کو ایسا کیوں بنایا ہے۔ عجب نہیں خدا کو اس کج دار و مریز میں آدمی کا امتحان لینا منظور ہو تو یہ اعتراض اسی قسم کا ہوا کہ خدا نے مکھی جیسی مبتذل چیز کو ہزاروں آنکھیں دیں جو خوردبین میں صاف معلوم ہوتی ہیں اور اشرف المخلوقات انسان کو صرف دو۔ زیادہ نہیں دو ہی آنکھیں اُس کی گدی پر لگا دیتا۔ کہ آدمی پس پشت آسانی سے دیکھ لیا کرتا تو اُس کی قدرت میں کیا کمی آجاتی۔ خدا نے کائنات اور مخلوقات کے ذریعے سے اپنے تئیں آدمی پر ظاہر کرنا چاہا۔ اور ایسی اچھی طرح ظاہر کر دیا کہ آدمی جدھر آنکھ اُٹھا کر دیکھے یا نہ بھی دیکھے دل میں خیال کرے تو اُس کو خدا ہی خدا دکھائی دے۔ یہ آدمی کی اپنی یاوہ سری ہے کہ وہ خدا کو بھی اِسی طرح دیکھنا چاہتا ہے۔ جیسا وہ دوسری چیزوں کو دیکھتا ہے اور نہیں دیکھتا تو انکار کر بیٹھتا ہے یا اپنے دل سے اُس کی خیالی شکلیں فرض کر لیتا ہے۔

(س) میرے نزدیک سوچ سمجھ کے علاوہ خدا کو انسان کی کچھ اور بھی مدد کرنی تھی تاکہ وہ خدا کے بارے میں کسی طرح کی غلطی نہ کر سکتا

(م) یہ تو تم پھر وہی گدی کی دو آنکھوں والی بات لائے۔ بایں ہمہ خدا نے اپنے مزید کرم سے وقتاً فوقتاً ہر ملک اور ہر قوم میں رسول بھیجے اور اُنھوں نے خدا کے بارے میں عقائدِ حقّہ اسلامی کی تعلیم کی۔

(س) پھر مسلمانوں کے سوا اور لوگ جو مسلمانوں کے مقابلے میں چند در چند ہیں طریقِ مستقیم سے کیوں منحرف ہوئے۔ اور بیا

(م) کئی دفعہ کہلواؤگے۔ منحرف ہوئے اور ہیں اُسی گریزی کی وجہ سے جو عموماً بشری طبائع کا خاصّہ ہے اور میں تو کسی گروہ کو حتّیٰ کہ

ف یہ ایک قسم کا بچوں کا کھیل ہے کہ چند بچے جمع ہو کر ایک کو اُس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر یا آنکھیں میچوا کر بٹھا دیتے ہیں باقی بچے جگہ جگہ جا کر چھپ جاتے ہیں پھر وہ بچہ چھپنے والوں کو ڈھونڈھتا پھرتا اور جس کو پکڑ پاتا اپنی جگہ لا بٹھاتا ہے اور پھر اس دوسرے بچے کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو پہلے کے ساتھ کیا تھا اسی طرح کھیل ہوتا رہتا ہے مقصود اس کھیل سے یہ ہے کہ جو بچہ آنکھوں پر پٹی باندھ کر بٹھایا گیا ہے اپنی عقل سے دریافت کرے کہ کون کہاں چھپا ہوگا ۱۲ ٭

ف اگر ایک پیالے میں لبالب پانی بھر کر کہا جائے کہ اِس کو ٹیڑھا کرو مگر پانی گرنے نہ پائے کج دار و مریز کے یہی معنے ہیں اور اسی طرح کا ایک شعر اور ہے ف درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ٭ باز مے گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش ٭ حاصلِ مطلب ہے تکلیفِ مالا یطاق ۱۲

مسلمانوں کو بھی اس سے بری نہیں سمجھتا اِلّا ماشاء اللہ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسلام کی تعلیم میں عقیدۂ توحید کی بڑی تاکید ہے
کہ ایسی کسی مذہب میں نہیں اور حق یہ ہے کہ ایک وحدانیت خدا کی تمام صفات کی جامع ہے۔ مگر عملاً میں تو سب کو کچھ ایک ہی طرح
کا پاتا ہوں۔ کسی کے دلی عقیدے کا معلوم ہونا مشکل ہے۔ یا تو خود صاحبِ عقیدہ اپنے مونھ سے کہے تو ممکن ہے کہ زبان کسی
وجہ سے دل کا معتبر ترجمان نہ ہو یا صاحبِ عقیدہ کے اعمال سے پتہ لگایا جائے اور یہی متعین ذریعہ ہے۔ سو عمل کے ذریعہ سے
خاص خاص مسلمانوں کا تو مذکور نہیں وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ (اور وہ بہت تھوڑے سے ہیں) عام مسلمان ویسے ہی مبتلائے شرک ہیں جیسے دوسرے مذاہب کے لوگ
ہم تو اس میں کچھ فرق نہیں سمجھتے کہ ایک رامچندر جی اور کرشن جی کو پوجتا ہے اور دوسرا سلطان جی اور قطب صاحب کو۔ جناب
رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو احمد بلا میم اور عرب بلا عین کہنا شرک نہیں تو کیا ہے۔ عیسائیوں پر

وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ (التوبۃ ع۔) اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔

کا اعتراض کس مونہہ سے کر سکتا ہے وہ شخص جو جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو خود خدا مانتا ہے ؎

احمد کو ہم نے جان رکھا ہے وہی احد   مذہب کچھ اور ہوگا کسی بوالفضول کا

جس طرح مثلاً عیسائی

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (التوبہ)

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور اپنے مشائخوں اور مریم کے بیٹے مسیح کو خدا بنا کھڑا کیا حالانکہ ہمارے ہاں سے ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ ایک ہی خدا کی عبادت کرتے رہنا اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہ ان کے شرک سے پاک ہے ف۱

کے ملزم ہیں مسلمان بھی اس الزام سے بری نہیں۔ یہ تو نری ہیکڑی اور ہٹ دھرمی ہے کہ جن افعال کی وجہ سے دوسرے
شرک کہلائیں ویسے ہی افعال مسلمان کریں اور پھر موحّد کے موحّد۔ ہم نے اسی وجہ سے اختلافِ مذاہب کی طرف مطلق توجہ
نہیں کی کہ لوگوں کو دیکھا تو ایک حمام میں سب ننگے یعنی کوئی مذہب عملاً شائبۂ شرک سے خالی نہیں۔ دنیا میں جتنے مذہب بھی
ہیں سب اصلِ واحد کی فرع ہیں توحید کی۔ اس لیے کہ ایک طرف تو فطرت توحید کی تعلیم کرتی تھی۔ اور دوسری طرف خود خدا انبیاء
اور رسولوں کے ذریعے سے۔ اور ساتھ کے ساتھ انسان کی طبعی کمزوری تعلیمِ فطری اور تعلیمِ آلٰہی دونوں میں سے کسی کا نقش نہیں
جمنے دیتی تھی۔ اس کشمکش کا یہ نتیجہ ہوا کہ انسان مغلوب اور ناکام ہو کر شرک کی طرف کو جھک پڑا۔ میں نے ان من امۃ الا خلا فیہا

؎ سلطان جی اور قطب صاحب سے مراد ہیں حضرت سلطان نظام الدین اور جناب قطب الدین بختیار کاکی رحمہما اللہ جو ہندوستان کے قدیم دار الخلافہ دہلی میں دو بڑے مشہور نامور اور برگزیدہ صوفی گزرے ہیں۔ حضرت سلطان نظام الدین دہلی سے تین میل کے فاصلے پر ایک بستی میں مدفون ہیں جو اب نظام الدین ہی کے نام سے مشہور ہے اور جناب قطب الدین بختیار کاکی قصبۂ مہرولی میں جسے قطب بھی کہتے ہیں اور جو دہلی سے آٹھ میل کے فاصلے پر آباد ہے ۱۲

ف۱ یہود و نصاریٰ اپنے پیشواؤں کی تعظیم حد سے زیادہ کرتے تھے کہ ان کے تمام افعال و اقوال کو عین خدا کا فرمودہ سمجھتے اس کو خدا نے پیشواؤں کا خدا بنانا فرمایا۔ آج کل کے بعض مسلمان بھی اسی طرح کی پیر پرستی اور گور پرستی کرتے ہیں اس آیت سے ان کو پند پذیر ہونا چاہیے ۱۲

مذہبوں سے یہی بات مستنبط کی ہی کہ جتنے مذہب ہیں اُن میں وقتی اور مقامی خصوصیتّوں کی وجہ سے شرائع کا اختلاف تو ضرور ہی مگر شروع میں ہر ایک مذہب نے اسلام کی طرح توحیدِ خدا کی تعلیم دی ہی۔ پھر جیسے جیسے مذہب پرانا ہوتا گیا معتقدین کی کج فہمی سے شرک دخل پاتا گیا۔ اسلام باوجودیکہ مشہور مذہبوں کے مقابلے میں جدید مذہب ہی اور اِس کو جاری ہوئے ابھی پورے ڈیڑھ ہزار برس بھی نہیں ہوئے۔ تاہم توحید کے اعتبار سے مُسلمانان درگور مسلمانی درکتاب کے سوائے کچھ کہتے نہیں بن پڑتا اسی خیال سے مَیں اپنے وقت کے مُسلمانوں کو صلاح دیتا ہوں کہ دوسرے مذہبوں کو اپنی چڑ نہ بنائیں ع تجکو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو کسی مذہب کے بزرگوں سے صرف باین وجہ بدگمان نہ ہوں۔ کہ اُن کے معتقدین اُن کو دیوتا اور خدا کا اوتار سمجھ کر اُن کی پرستش کرتے ہیں۔ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا مان کر اُن کی پرستش کرتے ہیں تو کیا اتنی بات سے معاذ اللہ ہم مسیح علیہ السلام کی جناب میں کسی طرح کی گستاخی کر سکتے ہیں۔ پیراں نمے پرند مریداں مے پرانند کا دستور دُنیا میں سدا سے جاری رہا ہی اَب بھی ہی اور جب تک آدمی آدمی ہی جاری رہے گا یعنی قیامت تک مُسلمانوں کو مَیں نے خاص کر اسی وجہ سے مخاطب کیا کہ میں اِن کا ہم مذہب ہوں اور میرا فرض ہی کہ اِن کو نصیحت کروں۔ لیکن اگر سب مذاہب کے لوگ اِس نصیحت پر کاربند ہوں تو روئے زمین سے فساد ایسا جائے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

(س) اچھا اَب آپ مجکو شرک کے معنی سمجھائیے۔

(م) خدا کی خدائی میں کسی کو (ہر کسے کہ باشد یا ہر چہ باشد) ساجھی ماننے کو مذہبی اصطلاح میں شرک کہتے ہیں۔

(س) خدا کی خدائی کیا؟

(م) خدا کی ذات۔ خدا کی صفات۔ خدا کی عبادت۔ پس شرک تین قسم کا ہوا۔

(س) ہر ایک قسم کی کچھ تشریح فرمائیے۔

(م) خدا کی ذات میں شرک کرنے کے یہ معنی کہ کئی خدا مانے جائیں جیسے مثلاً عیسائی باپ بیٹا روح القدس تین خدا مانتے ہیں کہ ہر ایک بجائے خود مستقل خدا ہی اور پھر تینوں ملکر بھی وہی ایک خدا ہیں وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ[1] (النساء ۲۴ع) شرک فی الصفات ہی

---

[1] پوری آیۃ یوں ہی یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْیَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَیْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا یعنی ای اہلِ کتاب اپنے دین میں حدِ اعتدال) سے تجاوز (یعنی افراط و تفریط) نہ کرو اور خدا کی نسبت حق بات کے سوا ایک لفظ بھی) مونھ سے نہ نکالو (حق بات تو اتنی ہی ہی کہ) مریم کے بیٹے عیسے مسیح بس اللہ کے (ایک) رسول ہیں اور خدا کا حکم جو اُس نے مریم کی طرف کہلا بھیجا تھا رکہ بے شوہر حاملہ ہو جاؤ اور وہ ہو گئیں) اور (وہ ایک) روح (بھی جو خاص) خدا کی طرف سے (دُنیا میں آئی) تو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین (خدا) نہ کہو (اِس سے) باز آؤ رکہ یہ) تمھارے حق میں بہتر ہی بس اللہ ہی اکیلا معبود ہی وہ اِس سے بری ہی کہ اُس کے کچھ اولاد ہو اُسی کا ہی جو کچھ آسمانوں میں ہی اور جو کچھ زمین میں ہی اور اللہ (سب کا) کارساز بس ہی ف ۱

ف ۱ مقصود تو اِس بات کا سمجھانا ہی کہ خدا اولاد کے جھگڑے بکھیڑے سے بری ہی اور اِس کی دلیل یہ ہی کہ اولاد اِس لیے ہوتی ہی کہ باپ کی مددگار ہو یہ تو باپ کا فائدہ ہوا اور اولاد باپ کے مال و متاع کی حق دار ہو یہ اولاد کا فائدہ ہوا۔ سو خدا کے ہاں یہ دونوں باتیں نہیں وہ اکیلا کارساز بس ہی اُس کو مددگار نہیں چاہیے تنہا

کہ اُس کی سی قدرت۔ اُس کا سا علم۔ اُس کا سا اختیار۔ یا اُس کی سی کوئی صفت جیسے نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا یعنی نہ اُس کا کوئی باپ نہ اُس کا کوئی فرزند کسی دوسرے میں تسلیم کی جائے۔ اور شرک فی العبادۃ یہ کہ ادب اور تعظیم کے وہ طریقے جو خدا کے ساتھ خاص ہیں جیسے دعا نذر نیاز۔ منت۔ قسم۔ قربانی وغیرہ دوسرے کے ساتھ عمل میں لائے جائیں۔ کہنے کو شرک تین قسم کے ہیں مگر حقیقت میں شرک فی الصفات اور شرک فی العبادت دونوں شرک فی الذات کی شاخیں ہیں اس لیے کہ خدا کی صفات عین ذات ہیں یعنی مثلاً ہم خدا کو کہتے ہیں کہ وہ علیم ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ علم اُس کی صفت لازمی ہے جب سے وہ ہے علیم بھی ہے ہماری طرح نہیں کہ پیدا ہوئے تو۔

هُوَ الَّذِي أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (النحل ع ۱۱)

اور (لوگو) اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا اور (اُس وقت) تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور تم کو کان دیئے اور آنکھیں (دیں) اور دل (دیئے) تاکہ تم (اُس کا) شکر کرو ۱

پھر پڑھ لکھ کر دنیا میں رہ کر علم حاصل کیا۔ جس طرح خدا کی ذات ازلی ابدی ہے اسی طرح اُس کی کُل صفات بھی ازلی ابدی ہیں اور وہ متصف بتلک الصفات ہمیشہ سے خدا تھا۔ اور ہے اور رہے گا۔ شرک کے متعلق ایک ضروری بات اور ہے اس کو معلوم کرنے کے بعد شرک کا مفہوم اچھی طرح تمہارے ذہن نشین ہوجائے گا کہ شرک دو طرح کا ہے۔ ایک جلی کھُلم کھُلا دوسرا خفی چُپ چُپاتے تو شرک جلی سے تو سمجھے کہ جیسے ہر شخص کانوں پر ہاتھ دھرتا ہے اور کوئی ایسی حرکت کرتا بھی ہو جس سے بُوئے شرک آتی ہو تو

هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ (یونس ع ۲) (ہمارے) یہ (معبود) اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

اور مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى (الزمر ع ۱) ہم تو اُن کی پرستش صرف اس لیے کرتے ہیں کہ خدا سے ہم کو نزدیک کردیں کی طرح کی توجیہ یا تاویل کرلیتا ہے۔ سمجھدار ہندوؤں کو کہتے سنا ہے کہ ہم پوجا کے وقت مورت کو صرف دھیان کے جمانے کے لیے سامنے رکھ لیتے ہیں مورت کی پوجا نہیں کرتے۔ مسلمان صوفیوں میں تصور شیخ بھی کچھ اسی قسم کی بات ہے۔ مگر شرک خفی ایسی عالمگیر بلا ہے کہ اس سے بچنا بہت ہی مشکل ہے اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرک خفی کی نسبت فرمایا ہے کہ جس طرح اندھیری رات میں سپاٹ پتھر پر چیونٹی رینگے کہ اُس کی آہٹ محسوس نہیں ہوتی۔ اسی طرح شرک خفی آدمی کے دل میں گھُستا ہے اور اُس کو معلوم نہیں ہوتا۔ مثلاً یہ سمجھنا کہ کونین دافع تپ ہے شرک خفی ہے۔ کونین بیچاری کیا چیز ہے کہ وہ تپ کو دفع کرے گی اس نے یہ خاصہ از خود اپنے میں پیدا نہیں کیا۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ خدا کے حکم سے کونین سبب دفع تپ ہوئی۔ مگر ایسی بال کی کھال ہر وقت کون نکالا کرتا ہے۔ آدمی سبب قریب پر پہونچ کر رک جاتا ہے اور اگر بات بات میں مسبب الاسباب تک پہونچا کرے تو یہ حالت استغراق کی ہے۔ جو خاصان خدا کو نصیب ہوتی ہے۔

کسانے کہ یزداں پرستی کنند بر آواز دولاب مستی کنند

(۵) وجود باری

۱ مطلب یہ ہے کہ جب پیدا ہوتے وقت تم بے شعور محض تھے تو اسی سے معلوم ہوا کہ تم اپنے ارادے سے پیدا نہیں ہوئے ۱۲

[illegible] تقریر کا خلاصہ جہاں تک میں سمجھا ہوں یہ ہے کہ انسان ایک مذہبی مخلوق ہے یعنی مذہب کا تقاضا خود اس کی ... سے پیدا ہوتا ہے دنیا میں آکر سب سے پہلی بات جو وہ سیکھتا ہے یہ ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے اور زندگی بھر اس کو ہمہ وقت اس کی تصدیق ہوتی رہتی ہے کہ یہاں پتا تک بھی بے ہلائے نہیں ہلتا۔ ہر چیز کے وجود ہر حالت کے وقوع کا کچھ نہ کچھ سبب ضرور ہوتا ہے۔ اور کچھ ایسا جال اسباب کا پھیلا ہوا ہے۔ کہ ہر سبب بجائے خود محتاج سبب ہے۔ مینھ کا سبب بادل بادل کا بخارات۔ بخارات کا گرمی آفتاب۔ اسی طرح ہر سلسلۂ اسباب عقلاً منتہی ہوتا ہے

وَ اِلَیۡہِ یُرۡجَعُ الۡاَمۡرُ کُلُّہٗ   اور ہر ایک کام (کا دار و مدار) آخر کار اسی پر جا کر ٹھیرتا ہے

ایک ایسے سبب کی طرف کہ وہ مسبّب الاسباب ہے اور اس کا کوئی سبب نہیں اور اسی کو علے اختلاف الالسنہ کوئی اللہ کہتا ہے کوئی خدا کوئی گاڈ کوئی بھگوان کوئی کچھ کوئی کچھ۔ عقل چاہتی ہے کہ خدا ہو اور ایسا ہو کہ انسان کے حواسِ ناقص کی گرفت میں نہ آسکے۔ ورنہ موجوداتِ عالم میں سے اُس کی تعیین اور تخصیص نہ ہو سکے گی پھر وہ معرفت اور دریافت اور شناخت ہی کیا ہوئی۔ بڑی مشکل جو کسی کے رفع کیے رفع نہیں ہو سکتی یہ ہے کہ آدمی تو جیسا کچھ کامل یا ناقص مخلوق ہے سو ہے اس کے پاس ذرائع علم ہی اس کے حواس ہیں اور وہ خدا کے بارے میں بکار آمد نہیں پس لے دے کر ایک تقاضائے عقل ہے جس کی دھندلی روشنی میں وہ چل سکتا ہے۔ پس وہ قدم قدم پر بھٹکتا اور ٹھوکریں کھاتا اور مبتلائے آفتِ شرک ہوتا ہے۔ آپ نے خدا کی معرفت کو ایک اسلام کی نہیں بلکہ کُل مذاہب کی اصل قرار دیا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ ایک اسلام کو دیکھتے ہیں تو اس کو قرآن اور تفاسیر اور کتبِ احادیث و فقہ کا انبار پاتے ہیں۔ اور غالباً یہی حال دوسرے مذاہب کا بھی ہوگا بلکہ ہے آپ نے کیونکر ایک معرفت اللہ کو اصل مذہب بتا دیا

(ھم) واقعی ہر ایک مذہب میں کئی کئی باتیں داخل ہیں۔ معرفت اللہ کو اصل مذہب کہنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اوّل معرفۃ اللہ کا خیال آیا اس پر متفرع ہوئے دوسرے دوسرے خیالات اور اس سب کے مجموعے کا نام ہوا مذہب۔

(س) تو کیا معرفت اللہ کے خیال کی طرح دوسرے مذہبی خیالات بھی فطری ہیں۔

(ھم) مذہب اسلام کا یہی حال ہے اور اسی نے مجھ کو گرویدۂ اسلام کیا ہے ورنہ میں تو قیدِ مذہب کے نام سے کوسوں بھاگتا تھا مگر میں نے اسلام کی شرعی تکالیف کو دیکھا تو بالکل انسان کی فطرت کے مطابق پایا اور سمجھا کہ یہ تکلیف عین راحت اور یہ قید عین آزادی ہے لوگوں نے اس اصول کو تو سمجھا نہیں اوامر و نواہی کو مصیبت بنا لیا۔ اپنے اوپر آپ تشدّد کر کے سہولتوں سے فائدہ اُٹھایا اور ناحق مذہب کو بدنام کیا۔

(۶) دینِ اسلام کی سہولتیں اور اَوروں کی تکلیفیں

(س) کیا اسلامی عبادتیں موجبِ تکلیف نہیں ہیں۔

(ھم) تکلیف دو طرح کی ہوتی ہے روحانی اور جسمانی۔ تم اسلامی عبادتوں کو کس طرح کی تکلیف کا موجب سمجھتے ہو۔ عبادت کسی طرح کی بھی ہو اگر خلوص سے ہے تو وہ روحانی آرام کا موجب ہوتی ہے نہ تکلیف کا اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ[1]

[1] اس آیت کا سرا یہ ہے اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُہُمۡ بِذِکۡرِ اللّٰہِ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور

وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ (بخاری) مرد بھی نہیں عورتیں رُوحانی آسایش حاصل کرنے کے لیے جلتی آگ میں کُود پڑی ہیں۔ مجاہدین نے خدا کی راہ میں سر کٹوائے ہیں اور خلوص نہیں تو وہ عبادت چھلکا ہے۔ جس میں گودا نہیں ؎

من ز قرآن مغز را برداشتم   استخواں پیشِ سگاں انداختم

عبادت کی صفت یہ ہے کہ ؎

سجدے میں پائے خُم مَے یہ ہو کس لُطف سے ست   یُوں عبادت ہو تو زاہد ہیں عبادت کے مزے

خالص عبادت کے ساتھ جسمانی تکان و تکلیف کا احساس ہو ہی نہیں سکتا اور یہ امر ہر ملّۃ اور ہر مذہب ہر قوم میں برابر دیکھا جاتا ہے۔ نماز کے بارے میں خدا فرماتا ہے وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخَاشِعِیْنَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

(س) جب خدا نماز کو خود اِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ فرماتا ہے تو اسلامی سہولت کہاں رہی۔ اور عبادات شاقّہ روزہ اور حج اور زکوٰۃ کا تو ذکر ہی کیا ہے

(م) سہولت کے اعتبار سے اسلام اور دوسرے مذاہب کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑی معلومات درکار ہیں اور میں پکارے کہتا ہوں کہ مجھکو خود اسلام کے جزو کل احکام سے پُوری پُوری آگہی نہیں تا بمذاہبِ دیگر چہ رسد۔

(س) تو آپ صاف صاف ہی کیوں نہیں کہتے کہ آپ رُوداد ناقص پر حکم لگاتے ہیں۔

(م) یہ تمھارا کہنا کسی قدر صحیح ہے مگر اناج کے ڈھیر سے ایک مُٹھی بانگی دیکھی جاتی ہے۔ مجھکو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ دُنیا میں سب کتنے مذاہب رائج ہیں اور تمام مذاہب کی تحقیقات اور ان میں محاکمہ کرنے کے لیے میں خوب جانتا ہوں کہ میری عمر بھی وفا نہیں کر سکتی اور اسی خیال سے میں ایک مُدّت تک بہت ہی پریشان رہا کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی ہم ہی جیسے آدمی ہیں۔ جن خیالات نے مجھکو مذہب اسلام کے اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اسی قسم کے خیالات ضرور اُن کو بھی پیش آئے ہوں گے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اُنھوں نے دوسرا رستہ اختیار کیا۔ یہ سمجھنا کہ دوسرے لوگ دیدہ و دانستہ غلطی پر ہیں نری ہٹ دھرمی ہے۔ میرا پکا عقیدہ ہے کہ کوئی فردِ بشر

؎۱ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے ۱۲

؎ چنانچہ بعض مفسرین نے اصحاب اخدود کے قصّے کے ذیل میں جو قرآن کے تیسویں پارے کی سورہ بروج میں بایں الفاظ واقع ہے قتل اصحاب الاخدود النار ذات الوقود اذھم علیھا قعود وھم علی ما یفعلون بالمؤمنین شھود لکھا ہے کہ جو لوگ ظالم بادشاہ کے حکم سے پکڑے آتے اور آگ میں جلائے جاتے تھے اُن میں ایک عورت بھی تھی جو اپنے شیرخوار بچے سمیت جلتی آگ میں کُود پڑی اور حفاظتِ دین کے مقابلے میں اُس نے اپنی اور اپنے شیرخوار بچے کی جان کی مطلق پروا نہیں کی ۱۲

؎۳ اس سے پہلے کا جملہ ملا لیا جائے تو مطلب خوب سمجھ میں آتا ہے ارشاد ہوتا ہے وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ الخ یعنی اور لوگو مصیبت کی برداشت کے لیے صبر اور نماز کا سہارا پکڑو اور البتہ نماز شاق ہے مگر اُن پر (نہیں) جو خاکسار ہیں (اور) جو یہ خیال پیش نظر رکھتے ہیں کہ وہ (آخر کار) اپنے پروردگار سے ملنے والے اور اُسی کی طرف لَوٹ کر جانے والے ہیں ف

ف صبر ایک ایسی خصلت ہے کہ جو اُس کو اختیار کر لیتا ہے دُنیا کی تکلیفیں اُس پر آسان ہو جاتی ہیں اور یہی حال نماز کا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ سُن رکھو کہ یادِ الٰہی سے دل تسلّی پاتے ہیں اور جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی عادت تھی کہ جب آپ کو کسی طرح کی تشویش لاحق حال ہوتی تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے مگر جن لوگوں کو خدا کا اور عاقبت کا خیال نہیں اُن کو نماز کی پابندی بھی بجائے خود ایک مصیبت معلوم ہوتی ہے ۱۲

نہیں جو خدا کو نہ مانتا ہو۔ آدمی خدا کی طرف سے غفلت کر سکتا ہو کہ اُس کا خیال نہ کرے خدا کے بارے میں غلطی کر سکتا ہو کہ خدا ہی کچھ اور یہ سمجھتا ہو کچھ غرض غفلت کر سکتا ہو اور کرتے ہیں غلطی کر سکتا ہو۔ اور کرتے ہیں مگر انکار نہیں کر سکتا۔ ہم دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی نیک کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ وہ خدا کی خوشنودی کے طالب ہیں اِن میں بھی خدا ترسی ہو۔ رحم ہو۔ صداقت ہو۔ اور بہت سے صفاتِ حسنہ ہیں۔ غرض مذاہب کی کثرت اور اِن میں کم و بیش ہست نیست کا اختلاف دیکھ کر معلوم ہوتا تھا۔ کہ مَیں شاید مذہب کی پہیلی کو کبھی بھی نہیں بُوجھ سکوں گا۔ آخر ایک دن قرآن میں یہ آیت نظر سے گزری کہ

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا — اللہ کسی شخص پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اُسی قدر جس کے اُٹھانے کی اُس کو طاقت ہو

اور مَیں نے سمجھا کہ میری مذہبی معلومات جیسی کچھ بھی ناقص و ناتمام ہو مجکو اسی پر فیصلہ کر لینا چاہیئے۔ اگر حیرت و تذبذب کی حالت میں ملک الموت نے ٹینٹوا آ دبایا تو جاہلیتؔ[5] کی موت مرنا ٹھیک نہیں۔ پس میرا نقطۂ انتخاب اسلام پر واقع ہوا۔ فیصلہ تو رُوداد ناقص و ناتمام پر مبنی ہو مگر اتنی ہی رُوداد پر مجکو تو اپنے فیصلے کے حق ہونے کی طرف سے ایسا مستحکم اطمینان ہو جیسا دو اور دو کے چار ہونے کی طرف سے۔ تم کو یا کسی اَور کو ہو یا نہ ہو۔ مَیں نے کسی کا ٹھیکہ تو لیا نہیں۔

(س۶۵) خیر وہ فیصلہ اور رُوداد تو معلوم ہو

(م۶۵) فیصلہ یہی کہ اسلام مذہب حق ہو اور رُوداد اُس کا مطابق فطرت ہونا۔

(س۶۶) ابھی تو آپ سہولت سہولت کہہ رہے تھے

(م۶۶) مطابقِ فطرت ہونا اور سہولت ایک ہی چیز ہو صرف عبارت کا فرق ہو۔

(س۶۷) یہ کیوں ؟

(م۶۷) اِس لیے کہ جو افعال فطرت کے مطابق ہوں وہ آسانی کے ساتھ کیے جا سکتے ہیں۔ اور آسانی اور فطرت لازم و ملزوم۔ مثلاً پانی کی فطرت ہو کہ وہ نشیب کی طرف کو بہے۔ پس پانی کو نشیب کی طرف بآسانی لے جا سکتے ہو۔ اور نہریں لولؔ[6] لے کر اسی اصول پر کھودی جاتی ہیں دریا اور ندی اور نالے اِسی اصول پر از خود پڑے بہ رہے ہیں۔ برخلاف اِس کے پانی کو بلندی کی طرف لے جانا چاہو تو نہیں لے جا سکتے اور کچھ دُور لے بھی گئے تو بڑے طولِ عمل سے اور وہ بھی پانی کی فطرت کے سہارے سے جیسا کہ فوّاروں میں کیا جاتا ہو کہ پانی کو اُونچے سے گراتے ہیں پھر گرے ہوئے پانی کے ریلے سے اگلا پانی اسی قدر اُونچا چڑھتا ہو۔ جتنی بلندی سے پہلے کا پانی گرا تھا بعینہ یہی حال آدمی کا ہو۔ افعال کے ساتھ فطرت کے لحاظ سے۔

(س۶۸) تو کیا اسلام کے سوائے دوسرے مذاہب میں آدمی کو خلافِ فطرۃ اعمال کا بھی حکم دیا گیا ہو۔

(م۶۸) مَیں نے تم سے کہا نہیں کہ مجکو تمام مذاہب کا حال معلوم نہیں مجکو جو واسطہ پڑتا ہو۔ تو اکثر ہندؤں سے یا کسی قدر عیسائیوں سے ہندو تو ہندوستان کے اصلی باشندے ٹھیرے۔ ع ہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیداست ۔ جہاں جاؤ ہندو۔ ہندو چھٹے ہیں تو ہم مسلمان ایک۔ ہم سے اِن سے تعارف ہو۔ صاحب سلامت ہو۔ لین دین ہو۔ سیکڑوں برس سے ایک جگہ کا رہنا سہنا ہو۔

---

[5] سنہ ع اسلام سے پہلے کا وقت زمانہ جاہلیت کہلاتا ہو۔ کہ اُن دنوں اہلِ عرب دین و مذہب کچھ بھی نہیں جانتے تھے ۱۲

[6] ہمواریِ زمین کے اندازہ کرنے کو انگریزی میں لولؔ کہتے ہیں ۱۲

اِس پر بھی اختلاط نہیں - کھان پان نہیں - عجب کس میامینر مذہب ہی - کہ دوسرے کی پرچھائیں کا روادار نہیں - عیسائی نو وارد ہیں ان میں جو یورپین ہیں - ہندوؤں کو مذہب پورا پورا میل جول نہیں کرنے دیتا - اور ان کو حکومت - لے دے کر رہ گئے دیسی عیسائی سو بیچارے "ازیں سو رانده وزاں سو درمانده" - غرض اپنے ہم مذہبوں یعنی مسلمانوں کے سوائے کسی سے ایسی رسم و راہ نہیں کہ میں اس کو ع تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری کہہ سکوں - اس ناقص و نا تمام شناسائی پر بھی مجکو بہ تحقیق معلوم ہی کہ عیسائی اور ہنود دونوں مذہبوں میں سے ایک میں بھی فطرتِ انسانی کا کما حقہٗ لحاظ نہیں - اور اسی وجہ سے اسلام کے سوائے مجھے تو اس سرے سے اُس سرے تک کوئی دوسرا مذہب تکلیف مالا یطاق سے خالی دکھائی نہیں دیتا - پس مسلمان نہ ہوں تو کہاں جاؤں -

(ش) با ایں تکالیفِ مالا یطاق جیسی آپ بیان کرتے ہیں - کیسے ہندو اپنے دھرم پر اور عیسائی اپنے مذہب پر قائم ہیں - ہم نے تو کسی کو گلہ شکوہ کرتے سُنا نہیں بلکہ -

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ - (المؤمنون ع ۴) جو (دین) جس فرقے کے پاس ہی (وہ) اُسی سے خوش ہی -

(م) اس کی یا تو یہ وجہ ہی کہ فی زعمہم راہِ راست پر ہیں -

يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا - (الکہف ع ۱۲) وہ (اپنی غلط فہمی سے) اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں تکالیف کے معاوضے میں اجرِ عظیم کے اُمیدوار ہیں اِس سے ان کو تکلیف کا احساس نہیں ہوتا - یا الف و عادت نے تکلیف کو ان پر آسان کر دیا ہی ٥

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہی رنج — مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

دوسرے تکلیف امرِ اضافی ہی ممکن ہی کہ ایک حالت ہمارے لیے تکلیف دہ ہو اور دوسرے کے لیے راحت

قطعہ

ای سیر ترا نان جویں خوش نہ نماید — معشوقِ من است آں کہ بنزدیکِ تو زشت است

حورانِ بہشتی را دوزخ بود اعراف — از دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است

(ش) تو اس صورت میں کوئی مذہب دوسرے مذہب کو تکلیف دہی کا الزام نہیں دے سکتا اور نہ تکلیف کا کوئی معیار متعین ہو سکتا ہی

(م) لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ کی رُو سے ہو سکتا ہی -

(ش) اس سے تو آپ کے دعوے کی کہ اسلام میں سہولت ہی سہولت ہی اور اسی سے وہ مطابقِ فطرۃ ہی اُلٹی تردید ہوتی ہی اس لیے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بہت ہیں جیسا کہ دنیا کی اور خاص کر ہندوستان کی مردم شماری سے ثابت ہی -

(م) تکلیف کی ظاہری یا واقعی برداشت سے فقدانِ تکلیف لازم نہیں آتا -

(ش) خیر آپ اسلام کی سہولتوں اور دوسرے مذاہب کی دشواریوں کی چند مثالیں بیان کریں تو معلوم ہو -

(م) کس طرح کی دشواریاں چاہتے ہو جسمانی یا روحانی -

(ش) دونوں قسم کی

(م) جسمانی تکلیفوں کے مقابلے میں روحانی تکلیفیں زیادہ ایذا دیتی ہیں - خدا نے جسم و روح میں کچھ ایسا تعلق رکھا ہی کہ دونوں ایک دوسرے کے شریکِ رنج و راحت ہیں مگر روح حاکم ہی جسم محکوم - روح سوار جسم سواری مثلاً گھوڑا - روح کاریگر - مثلاً بڑھئی جسم اُس کا

٥ اکثر کے لیے کل کا حکم لگایا جاتا ہی ۱۲

آلہ مثلاً تیشہ ۔ بڑھئی بیمار ہو تو تیشہ تیز کیا کر سکتا ہے ۔ تیشہ کُند ہو تو تندرست بڑھئی عمدہ کام تو نہیں بنا سکے گا ۔ مگر خیر اسی کُند تیشے سے مر پٹ کر کچھ تو کر ہی دے گا ۔ اسی لیے میں مذہب کی روحانی دُکھ سُکھ پر زیادہ زور دیتا ہوں ۔

(ش) میں تو مذہب کو عموماً تسکینِ خاطر کا موجب سمجھتا تھا اب آپ کے کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ایسے مذہب بھی ہیں جن سے قلب مطمئن نہیں ہوتا ۔

(م) اگر مذہب ہم سے ایسی بات کا اقرار کرانا چاہے ۔ جس کو ہماری عقل کسی طرح تسلیم نہ کر سکے تو یہ روحانی تکلیف ہے یا نہیں ۔

(ش) تکلیف بھی بڑی سخت تکلیف یہ تو دوسرے لفظوں میں طلبِ محال ہے ۔

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ؛ بازمے گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

(م) میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میری نظر صرف عیسائی مذہب اور ہندو دھرم میں محصور ہے اس لیے کہ ان ہی دو مذہبوں کا حال سنا سنایا مجھے کسی قدر معلوم ہے ان دونوں میں بھی عیسائی مذہب میں معقولیت زیادہ ہے ۔ اور ہم مسلمان عیسائیوں کو اہلِ کتاب بھی مانتے ہیں مگر ان کا ایک عقیدہ تثلیث ہے ۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ (النساء ع ۱۰) — جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا تو یہی تین میں کا (ایک) تیسرا ہے (یہ لوگ بھی اس کہنے سے) بے شک کافر ہو گئے ف۱

کہ نہ دھرا جائے اور نہ اٹھایا جائے اور تثلیث کے بعد کفّارہ ۔ اس نے مذہب کی تمام خوبیوں پر پانی پھیر رکھا ہے اور میرا حال یہ ہے کہ خدا کی توحید کو میں نے حق و باطل کی کسوٹی بنا رکھا ہے ذرا کسی مذہب کی توحید میں تنزّل دیکھا اور سمجھ لیا تانت باجی راگ پایا کہ خدا کی معرفت ہی ٹھیک نہیں جو مذہب کی جڑ بنیاد ہے تو ساری عمارت مخدوش ۔ رہے ہندو ان کی توحید کے رخنوں کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں دوسری خرابیوں کی کون کہے ایک اسلام کی توحید البتہ توحید ہے ۔ کہ اس کو شرک کی ہوا تک نہیں چھو گئی ۔

(ش) عیسائیوں اور ہندوؤں کی مذہبی روحانی تکلیف تو معلوم ہوئی ان کی کچھ مذہبی جسمانی تکالیف بھی بیان کیجیے ۔

(م) عیسائیوں کی جسمانی تکالیف تو غالباً بہت کم ہیں ۔ اس لیے کہ اصل عیسائی یوروپین ہیں ۔ ان کی طبائع آزادی پسند واقع ہوئی ہیں یہ لوگ نفسِ مذہب کی قید سے آزاد ہونے کی تدبیریں لگے ہیں اور مذہب کی حکومت اٹھنے ہی کو ہے بلکہ بعض ملکوں سے اٹھ گئی ۔ یہ لوگ مراسمِ مذہبی کی تکالیف کو کیوں برداشت کرنے لگے تھے ۔ ان لوگوں میں بیش برین نیست کہ مذہب قومیت کی قائم مقامی کر رہا ہے ۔ البتہ ان میں مستثنیات بھی ہیں مگر کم ان میں جو متشدد فی المذہب تھے ۔ انھوں نے ایک رہبانیت ایجاد کی تھی ۔

وَرَهْبَانِيَّةَ ِۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ (الحدید ع ۴) — اور دنیا کا چھوڑ دینا جس کو انھوں نے از خود ایجاد کیا تھا ہم نے وہ (طریق) ان پر فرض نہیں کیا تھا

اب بھی اس عقیدے کے عیسائی پائے جاتے ہیں تو رہبانیت بجائے خود ایک مصیبت ہے ۔ لکھنؤ میں نصیر الدین حیدر شاہ اودھ نے

ف۱ نصاریٰ میں بہت سے فرقے ہیں اور سب کے عقائد میں اختلاف ہے اس جگہ دو فرقوں کا صراحت کے ساتھ مذکور ہے ۔ ایک کا اسی آیت میں اور ایک کا اس سے پہلے کی آیۃ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم میں ایک فرقہ مسیح علیہ السلام ہی کو خدا سمجھتا تھا اور دوسرا عجیب طرح پر خدا مانتا تھا کہ خدا اور عیسیٰ اور روح القدس تینوں میں خدائی دائر ہے یعنی ان میں کا ہر ایک خدا ہے ۔ خدا نے فرمایا کہ یہ سب کفر کے عقائد ہیں اور خدا ایک ہی ہے ۱۲

کچھ راہب عورتیں جمع کی تھیں جو اچھوتیاں کہلاتی تھیں - یہ عورتیں مایں توقع کہ آخرت میں حوریں بن کر ائمۂ اثنا عشر علیہم السلام کی زوجیت کا شرف حاصل کریں گی، عمر بھر کنواریاں رہتیں - سو اِن کے شرمناک حالات افسانۂ بازار ہیں - عیسائیوں میں ایسی عورتیں نن کہلاتی ہیں -

(ن) مسلمانوں میں بھی صوفی مشائخ راہبانہ زندگی بسر کرتے ہیں -

(م) بولئے نام اِس لیے کہ رہبانیت اور اس طرح کا زہد خلافِ فطرت ہی - لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ آدمی اس کو پورے طور پر نباہ نہیں سکتا -

(س) اچھا ہندوؤں کی مذہبی تکلیفات

(م) اِن میں بھی جوگی سنیاسی ہیں جو برہنہ پا ننگے دھڑنگے بستیوں اور بازاروں میں بھیک مانگتے پڑے پھرتے ہیں اور جیسی جیسی مصیبتیں اِن کو پیش آتی ہیں صورت ببیں حالش مپرس - ترکِ دنیا کا دعوے کرتے ہیں اور عملاً کر نہیں سکتے - کیوں؟ اس لیئے کہ خلافِ فطرت ہی - اور کسی اکا دُکا نے کیا بھی تو نوعٌ مِّنَ الْجُنُوْنِ خودکشی - اور اُن ریاکاروں کا تو ذکر ہی مت کرو جو لوگوں کے دکھاوے کے لیے تارک الدنیا بنتے ہیں - وہ خدا کے نزدیک مبغوض ترین خلائق ہیں يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا

لہ اسلام میں ترکِ دنیا نہیں ہی - عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَآءَ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ اِلٰى بُيُوْتِ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا قَالُوْا اَيْنَ نَحْنُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّي اللَّيْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخَرُ وَاَنَا اَصُوْمُ الدَّهْرَ وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخَرُ وَاَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَآءَ وَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ وَلٰكِنِّيْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّيْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ (اخرجہ البخاری و مسلم) یعنی بخاری مسلم میں حضرت انس سے روایت ہی کہ تین شخص جناب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی بی بیوں کے گھروں میں آکر اُن سے آپ کی عبادت (کی کیفیت) لگے پوچھنے اور جب اُن کو پیغمبر صاحب کی عبادت کی کیفیت بتائی گئی تو اُسے تھوڑا جان کر کہنے لگے کہ ہم جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے رتبے کو کہاں پونہچ سکتے ہیں اُن کے تو تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے ہیں (تو) اُن میں سے ایک شخص بولا میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھتا رہوں گا اور دوسرا بولا میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا کبھی افطار نہ کروں گا تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی بیاہ ہی نہیں کروں گا اتنے میں جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور (اُن سے مخاطب ہو کر) فرمایا کیا تم ہی نے ایسی اور اس قسم کی باتیں کہی تھیں سنو قسم خدا کی میں تم لوگوں کی بہ نسبت خدائے تعالے سے بہت زیادہ ڈرتا اور تم سے بہت زیادہ پرہیزگاری رکھتا ہوں لیکن باوجود اس کے میں روزہ بھی رکھتا اور افطار بھی کرتا ہوں رات کو نماز بھی پڑھتا اور سو بھی رہتا ہوں اور عورتوں سے نکاح کرتا ہوں پس جو شخص میرے طریقے سے روگردانی کرے وہ مجھ سے نہیں ہی - ترکِ دنیا اور زہد کا مبسوط بیان دیکھنا ہو تو کتاب الحقوق والفرائض کی دوسری جلد میں دیکھو ۱۲ سلہ یہ آیت منافقوں کے بارے میں اُتری ہی پوری آیت یوں ہی اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا یعنی منافق (مسلمانوں کو دھوکا دے کر گویا) خدا کو دھوکا دیتے ہیں حالانکہ (حقیقت میں) خدا اُن ہی کو دھوکا دے رہا ہی ف اور

ف خدا کے دھوکا دینے کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے اُن کی عقل کو ایسی اندھی کر دی ہی سمجھتے کچھ ہیں اور ہوتا کچھ ہی ۱۲

(قطعہ)

اے ذوق کرے گا کوئی دنیا کیا ترک دنیا ہی بُری بلا ارے کیسا ترک
ممکن نہیں ترک ہو کسی سے دنیا جب تک نہ کرے آپ اُسے دنیا ترک

دوسرے مذہب ترکِ دنیا کا حکم دیتے ہیں اور اسلام ہی کہ بڑی سختی کے ساتھ اِس کی ممانعت کرتا ہی۔ خدائے تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہی۔

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ

(لوگو! خدا نے) دین کے بارے میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی (تمہارے لیے وہی) دین (تجویز کیا جو) تمہارے باپ ابراہیم کا (تھا) اُسی (خدا) نے (اگلی کتابوں میں) پہلے سے تمہارا نام مسلمان رکھا (یعنی فرماں بردار بندے) اور اِس (قرآن) میں (بھی) تاکہ رسول تمہارے مقابلے میں گواہ ہوں اور تم (دوسرے لوگوں کے مقابلے میں گواہ) ہو تو نمازیں پڑھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ ہی کا سہارا پکڑو وہی تمہارا کارساز ہی تو (کیا ہی) اچھا کارساز ہی اور (کیا ہی) اچھا مددگار ف

اور جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا تو یہ عملدرآمد تھا کہ اصحاب علیہم الرضوان کو کسی علاقے کا حاکم بنا کر بھیجتے تو وصیت فرماتے یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا۔

(س) باوجود اِس کے اسلام میں زُہد کیونکر دخل ہوا۔ بزرگانِ دین میں جن کے عُرس ہوتے ہیں اور جن کے ہزاروں لاکھوں مُسلمان معتقد ہیں اکثر کو زاہد ہی پاتے ہیں اور زہد شعار بزرگی سمجھا جاتا ہی۔

(ج) اسلام پر روزِ شیوع سے اب تک مختلف حالتیں عموماً گزری ہیں۔ ابتدا میں مُسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ زمین و آسمان در و دیوار تک مُسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے۔ نہ صرف عرب بلکہ ساری دنیا مبتلائے شرک و بُت پرستی تھی۔

(مسدس المؤلفہ)

تھی نارِ شرک سارے زمانے میں مشتعل روئے زمیں پہ نورِ ہدایت تھا مضمحل
اہل کتاب تک اِسی آفت میں پابگل بس دو طرح کے لوگ تھے یا ضال یا مُضل

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۶)۔ (یہ لوگ) جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو الکسائے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں (ظاہر داری کرکے) لوگوں کو دکھاتے ہیں اور (دل سے) اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر کچھ یوں ہی سا کفر اور ایمان کے بیچ میں پڑے جھول رہے ہیں نہ اِن (مسلمانوں) کی طرف اور نہ اُن کافروں کی طرف اور جس کو اللہ بھٹکائے تو ممکن نہیں کہ تم (اے پیغمبر) اُس کے لیے رستہ ڈھونڈ نکالو ۱۲

ف صحیحین کی روایت میں حضرت انس سے یوں آیا ہی قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَفِيْ رِوَايَةٍ وَسَكِّنُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا (یعنی جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! تم لوگوں پر آسانی کرو سختی نہ برتو اور انھیں خوش خبری سناؤ اور ایک روایت میں آیا ہی کہ تسکین دو اور وحشت نہ دلاؤ ۱۲

ف گواہ ہونے کا مقصود یہی حجت کا تمام کرنا اور حجت کے تمام کرنے سے غرض یہ ہی کہ جس پر حجت تمام کی جائے اُس کو عذر کرنے کی گنجائش باقی نہ رہے پس خدا نے پیغمبر آخر الزماں کے بھیجنے سے ہم مسلمانوں پر اپنی حجت تمام کردی کہ وہ ایسا دین لے کر آئے آسان اور قریب الفہم اور مطابق فطرۃ کہ ہم کو اُس دین کے قبول کرنے میں کوئی جائے عذر باقی نہیں جس طرح پیغمبر کے بھیجنے سے خدا نے اپنی حجت ہم مسلمانوں پر تمام کی اسی طرح ہم مسلمانوں کے اسلام لانے سے دوسرے لوگوں پر خدا کی حجت تمام ہوئی کہ جیسے آدمی ہم ویسے آدمی وہ جیسے حواس ہمارے ویسے حواس اُنکے جیسی عقل ہم کو دی گئی ہو ویسی ہی عقل اُن کو بھی دی گئی ہو تو کوئی سبب نہیں کہ ہم اسلام قبول کریں

شیطان کی جہاں میں دہائی پھری ہوئی
یعنی خدا سے ساری خدائی پھری ہوئی

اہلِ عرب کا حال تھا سب میں بہت خراب — جیسے بلا مبالغہ چینوٹی بھرا کباب
بارود سے زیادہ مزاجوں میں التہاب — گر بات پوچھیے تو ملے جنبیہ[51] جواب

اِتنے سے لفظ پر کہ چلو یا ہٹو پرے
لڑنے پہ مستعد ہوئے رہتے کہ کٹ مرے

سفاک کینہ توز ستمگر ستیزہ جو — بے رحم سنگدل متمرد درشت خو
غارت گروں کو اہلِ قوافل کی جستجو — اس ٹوہ میں سدا پڑے پھرتے تھے چار سو

صحرا نورد وحشی و خانہ بدوش تھے
اونٹوں کو پالتے تھے بس اتنے ہی ہوش تھے

اُن کو نظر نہ تھی نہ زیاں پر نہ سود پر — گھر بار سب لٹا دیں گر آ جائیں جود[52] پر
جانیں نثار کرتے تھے اپنے وفود[53] پر — مرتے تھے فخر و عزت و نام و نمود پر

برداشت کر نہ سکتے تھے ازبسکہ بیٹیاں
کم بخت مار ڈالتے تھے اپنی بیٹیاں

محکوم تھے بھی بعض تو صرف از برائے نام — کیا جانیں ایسے لوگ سیاسات و انتظام
ایک رنگ میں رنگے ہوئے چھوٹے بڑے تمام — دادوں کا لیتے پوتوں پڑپوتوں سے انتقام

ہر قوم سے طناب عداوت تنی ہوئی
بارہ مہینے اُن میں لڑائی ٹھنی ہوئی

باآنکہ شہر مکہ میں تھا کعبۂ خلیل[54] — نالائقوں نے اُس کو کیا اس قدر ذلیل
گھر میں خدا کے سیکڑوں بُت ہو گئے دخیل — جیسے کہ آن بیٹھے ہما کی جگہ میں چیل

کیا انقلاب گردشِ چرخِ کہن کے ہیں
یہ بت پرست خلف اُسی بُت شکن کے ہیں

غالب صفت تھی اُن کی خشونت با تیِ حال — اس طرز میں شریک تھے کیا اہل کیا عیال
وہ خانہ داریاں نہیں بجائے خود تُو حال (حال ۱۲ جی بھی ہر حال) — اک مرد جتنی عورتیں چاہے کرے حلال

منکوحہ چھوٹ جاتی تھی عذرِ سخیف پر
نزلہ گرا ہی کرتا ہے عضوِ ضعیف پر

۵۴ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام [illegible] ۱۲

۵۱ یہ ایک ہتھیار ہے خنجر کی طرح کا جس کو کمر میں لگاتے ہیں ۱۲ ۵۲ جود و بخشش - سخاوت ۱۲ ۵۳ وفود وفد کی جمع اور وفد کہتے ہیں مہمان کو ۱۲

ناگفتہ بہ ہی اُن کا طریقِ معاشرت — شرم و حیا سے اُن کو نہ تھی کچھ مناسبت
اکراہِ (زبردستی ۱۲) زنانِ بیوہ کی اِرث و تقاسمت — دو بہنیں اور حقوقِ زنی میں مشارکت

ظاہر خراب اُس سے زبوں تر سِرائر ہیں
اِنسان ہو کے اُن میں بہائم (چارپائے ۱۲) کی سیر ہیں

سب اہلِ روزگار تھے گمراہ یک قلم — مستوجبِ عذابِ الٰہی عرب عجم
پر اُس نے عینِ وقت پہ اپنا کیا کرم — پیدا ہوئے نجات دہانندۂ اُمَم

بنیادِ شرک و کفر و ضلالت کی ہل گئی
بھٹکے ہوؤں کو منزلِ مقصود مِل گئی

پیغمبر صاحب نے مبعوث ہوتے ہی خدائی دین یعنی توحید کی مُنادی شروع کی - توحید کی مُنادی میں شرک اور بُت پرستی کی توہین اور مذمت کرنی ہی تھی وہ گرم مزاج لوگ بتوں کی تحقیر اور اپنے بزرگوں کی تحمیق کی تاب نہ لا کر بھڑوں کی طرح چھتّوں سے باہر نکل پڑے اور پیغمبر صاحب کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی اور دشنام دہی اور مُوقع پا کر زدوکوب کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا وہ جو کہتے ہیں اَلْحَقُّ یَعْلُو (حق آخر کار غالب ہو کر رہتا ہی ۱۲) - لوگوں کا نورِ فطرت جو آدمی کو خدا کی جستجو پر مجبور کرتا ہی - بعض کا بُجھ گیا تھا اور بعض کا بُجھا نہیں تھا ماند پڑ کر سینوں میں ٹمٹما رہا تھا - اِن مزاحمتوں میں بھی دینِ اسلام سہج سہج اُن ضعفاء کے دلوں میں جگہ کرتا گیا - جن کو دنیاوی تعزّز مانعِ قبولِ حق نہ تھا اور جن کے دل دینی تسلی کے جویا تھے - مگر از بسکہ ضعیف تھے اور مقاومت کی طاقت نہیں رکھتے تھے مکّے میں ٹھیر نہیں سکتے تھے - پیغمبر صاحب نے اپنی خاندانی وجاہت کے بھروسے پر جہاں تک ہو سکا اِن نو مسلموں کی حمایت کی لیکن نِری وجاہت ایسے لوگوں کی عام شورش کے مقابلے میں کیا کام آئے جو ہر وقت مار کُٹائی اور بے حُرمتی پر تُلے رہتے تھے - آخر پیغمبر صاحب نے اِن نو مُسلموں کے تحفّظ کے لیے اِن کو نجاشی بادشاہِ حبشہ کے یہاں چلتا کیا - پہلی بار مرد و زن ملا کر پندرہ دوسری بار عورتوں اور بچوں کے علاوہ قریبًا اسّتر مردوں کو - یہ مسلمانوں کی پہلی ہجرت تھی - ہجرت کے معنی ہیں ترکِ وطن - حبشے میں بھی کُفّارِ قریش نے نو مُسلموں کا پیچھا نہ چھوڑا - اور نجاشی پاس تحفے تحائف لے کر پہنچے کہ اِن نو مُسلموں نے نیا دین اختیار کر کے ہمارے مُلک میں فساد برپا کر رکھا ہی اور اسی غرض سے آپ کے مُلک میں بھی آئے ہیں مصلحت اس میں ہی کہ اِن کو پناہ نہ دی جائے - نجاشی تھا مُنصف مزاج اُس نے قریش کی ایک نہ سُنی[۱] - نو مُسلم نفوس چند تو نجاشی کے پاس امن میں

[۱] نجاشی بادشاہِ حبشہ کا واقعہ قرآن میں اس طرح مذکور ہی لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَھُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَھُمْ مَّوَدَّۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنْھُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُھْبَانًا وَّاَنَّھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰھِدِیْنَ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ یُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ فَاَثَابَھُمُ اللّٰہُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَذٰلِکَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ (المائدہ ع ۱۱) یعنی اے پیغمبر مُسلمانوں کے ساتھ دشمنی کے اعتبار سے یہود اور مشرکین کو تم سب لوگوں میں بڑا سخت پاؤ گے اور مُسلمانوں کے ساتھ دوستی کے اعتبار سے سب لوگوں میں اُن کو قریب تر پاؤ گے جو کہتے ہیں

(بقیہ صفحہ آئندہ)

ہیں اور پیغمبر صاحب اور اُن کو مسلموں پر جو حبشے نہ جا سکے وُہی نرغہ ہی نوبت بایں جا رسید کہ محلہ شعبِ ابو طالب میں محبوس ہیں ۶ نہ یاں آئے کوئی واں کا نہ واں جائے کوئی یاں کا - چاہا بہتیرا کہ پیغمبر صاحب کو مار ڈالیں تاکہ ہمیشہ کے لیے جھگڑا چکے مگر قصاص اور دیت کے ڈر سے کسی کا ہیاؤ نہ پڑا - آخر ایک رات گھر کو آ ہی گھیرا کہ نماز کے لیے نکلیں ہی گے سب ٹوٹ پڑیں گے - دیت دینی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۹) کہ ہم نصارٰی ہیں (مسلمانوں کی طرف نصارٰی کا) یہ (میلان) اس سبب سے ہی کہ اُن میں علما اور مشائخ ہیں اور نیز یہ کہ یہ لوگ تکبر نہیں کرتے اور جب (قرآن کو) سُنتے ہیں جو (ہمارے) اس رسول (محمد) پر نازل ہوا ہی تو اے مخاطب تو اُن کی آنکھوں کو دیکھتا ہی کہ اُن سے آنسو جاری ہیں اس لیے کہ اُنھوں نے حق بات کو پہچان لیا ہی قرآن کو سُن کر دُعا مانگنے لگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم تو ایمان لے آئے تو دینِ حق کی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ ہم کو بھی لکھ لے اور ہم کو کیا (جنون) ہو گیا ہی کہ اللہ پر اور جو حق بات ہمارے پاس آئی ہی اُس پر تو ایمان لائیں نہیں اور توقع یہ رکھیں کہ ہمارا پروردگار ہم کو نیک بندوں کے ساتھ (بہشت میں لے جا) داخل کرے گا تو اُن کے اس کہنے کے صلے میں خدا نے اُن کو بہشت کے ایسے باغ عطا فرمائے جن کے تلے نہریں (پڑی) بہ رہی ہیں (اور یہ) اُن میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے اور خلوصِ دل سے نیکی کرنے والوں کا یہی بدلہ ہی ف

ف یہ آیتیں نجاشی بادشاہِ حبشہ اور اُس کے درباریوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں - جو نصارٰی تھے بات یہ ہی کہ جب پیغمبر صاحب نے اسلام کی منادی شروع کی تو قریش جو پیغمبر صاحب کے قبیلے کے لوگ تھے سخت برہم ہوئے اس لیے کہ اسلام کی منادی سے اُن کے دینِ آبائی میں خلل پڑتا تھا پہلے تو اُنھوں نے ڈرانے دھمکانے سے چاہا کہ بات دب دبا جائے مگر پیغمبر صاحب برابر وعظ فرماتے رہے اور لوگ بھی ایک ایک دو دو کر کے اسلام لانے لگے تو قریش نے دوسرے قبیلوں کو اُبھارا اُکسایا اور مسلمانوں کو سب نے مل کر طرح طرح کی ایذائیں دینی شروع کیں پیغمبر صاحب تو اپنے چچا ابو طالب کی حمایت میں تھے اور از بسکہ ابو طالب رؤسائے قریش میں سے تھے مخالفین پیغمبر صاحب کا تو کچھ کر نہ سکے مگر دوسرے مسلمانوں کو بڑی مشکل تھی اور پیغمبر صاحب اتنی قوت نہیں رکھتے تھے کہ اِن کی بھی حفاظت کریں ناچار آپ نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ نجاشی بادشاہِ حبشہ نیک دل منصف مزاج اور رعیت پرور ہی اُس کی عملداری میں چلے جاؤ چنانچہ اول بار گیارہ مردوں اور چار عورتوں نے حبشے میں جا پناہ لی اور یہ پہلی ہجرت کہلائی - اس گروہ میں جناب پیغمبر صاحب کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ اور اُن کے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ سلم کے پھوپی زاد بھائی زبیر بن عوام بھی تھے - دوسرے دہلے میں پیغمبر صاحب کے چچا زاد بھائی حضرت جعفر طیار بن ابی طالب دوسرے مسلمان مردوں اور عورتوں کے ساتھ حبشے پہنچے یہاں تک کہ عورتوں اور بچوں کے علاوہ بیاسی مہاجر حبشے میں جمع ہو گئے وہاں بھی قریش نے چین سے بیٹھنے نہ دیا - اور نجاشی سے جا چغلیاں لگائیں کہ یہ بے دین ہیں اور تمھارے ملک میں فساد برپا کرنے کو آئے ہیں - اور تمھارے حضرت عیسےٰ کے بھی قائل نہیں اس پر نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا جعفر سب کے وکیل بنے اور اُنھوں نے قرآن کی سورتیں اور خاص کر سورہ مریم سُنا کر نجاشی پر اپنے عقائد ظاہر کیے اور وہ اور اُس کے درباری سب قرآن سُن کر رو دیے اور اسلام کی صداقت کے معتقد ہو گئے اور نجاشی آخر میں اسلام لے آیا ۱۲ ٭

اِس سے زیادہ ہجرت کے واقعات الحقوق والفرائض کے دوسرے حصے میں ملیں گے ۱۲ -

سے قرآن مجید کی آیت وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَ یَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہی اور اس کا مختصر بیان یہ ہی کہ کفارِ مکہ تو شروع سے اسلام کے مخالف تھے اور جس جس طرح بن پڑتا تھا شیوعِ اسلام کو روکتے تھے مگر ع چراغے را کہ ایزد برفروزد ٭ کسے کو پف زند ریشش بسوزد ٭ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ ڈرانا دھمکانا ستانا ہو اسلام تھا کہ ترقی کرتا چلا جاتا تھا - آخر کار عاجز آ کر سب دار الندوہ میں جمع ہوئے - دار الندوہ کہتے ہیں ایسی

آئے گی سب ملک بھر دیں گے۔ خدا کا کرنا پیغمبر صاحب کو عین وقت پر معلوم ہو گیا۔ اندھیرے میں چپکے سے سٹک گئے۔ نرغہ کرنے والوں میں سے کسی نے نہ دیکھا۔ تین رات دن مکے سے تین میل کے فاصلے پر غارِ ثور میں چھپے رہے۔ نو مسلموں میں کے اول نمبر کے مسلمان ایک ابوبکر ساتھ ہیں۔ ان کے گھر سے پانی اور کھانا پونہچتا رہتا ہے۔ قریش ان کی جستجو میں چاروں طرف پڑے پھر رہے ہیں غارِ ثور پر بھی ہو کر گزرے نظر نہ آئے۔ دوڑ دھوپ مدھم پڑی تو آپ غار سے نکل ابوبکر کو ساتھ لے معمولی رستہ بچا کر مدینے جا داخل ہوئے کہ واں کے لوگ سال کے سال حج کے لیے مکے جاتے ہی رہتے تھے۔ اور پیغمبر صاحب اکثر ایسے مواقع پر دین کی منادی بھی کرتے ہی تھے بعض پیغمبر صاحب کا وعظ سن کر اسلام بھی لے آئے تھے پیغمبر صاحب ان ہی میں جا اترے اور یہ دوسری ہجرت کہلائی جس سے سنہ ہجری چل رہا ہے۔ یہاں مدینے میں اسلام نے خوب ہاتھ پاؤں پھیلائے ادھر جو مسلمان کافروں کے ڈر سے جہاں چھپا بیٹھا تھا پیغمبر صاحب کا مدینے آنا سن مدینے کی طرف چل کھڑا ہوا۔ مدینے کے لوگ انصار اور باہر کے آنے والے مہاجرین کہلائے۔ مکے والوں نے تو مسلمانوں کے ساتھ باپ مارے کا بیر باندھ رکھا تھا اور مسلمانوں کے کارن نجاشی تک دوڑے گئے تھے مدینہ تو اپنا ملک اپنا دیس تھا یہاں جو کچھ کر گزرتے تھوڑا تھا۔ مسلمانوں میں لڑنے بھڑنے کا بل ہوتا تو ابھی وہ جی ہی تھا مدینہ کے مارے یہ بھی اگلا رعب پر لوٹ رہے تھے آخر دوسری ہجرۃ کے دوسرے برس مدینے سے کئی میل کے فاصلے پر دونوں میں مٹھ بھیڑ ہو پڑی باوجودیکہ مسلمانوں کو ساز و سامان اور تعداد فوج کے اعتبار سے دشمنوں کے ساتھ کچھ نسبت نہ تھی کہ خود تین سو تیرہ تھے اور دشمن ساڑھے نو سو۔ دشمن سب مسلح تھے اور ان کے پاس کل آٹھ زرہیں۔ اور چھے تلواریں اور دو گھوڑے مگر ہمت مرداں مدد خدا مکے والوں کو فاش شکست ہوئی ستر مقتول۔ ستر گرفتار۔ مجبور بقیۃ السیف اپنا سا موہنہ لے کر لوٹ گئے اور کھسیاتے ہو کر دھمکی دیتے گئے کہ اگلے برس آ کر سمجھیں گے۔ اس لڑائی سے پہلے تک مسلمان مغلوب تھے۔ کم زور تھے مفلس و محتاج تھے۔ اب لڑائیوں کا سلسلہ چھڑا اور اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی گئی نتیجہ یہ ہوا کہ پیغمبر صاحب کے جیتے جی قریب قریب تمام جزیرہ عرب میں مسلمانوں کی عملداری ہو گئی۔ اور خلفاء علیہم الرضوان نے تو روم اور فارس جیسی زبردست سلطنتوں کو مغلوب کر کے ایسی وسیع اور باشوکت اسلامی سلطنت قائم کی جس کی نظیر اس وقت تک کسی قوم کی تاریخ میں پائی نہیں جاتی۔ لوازم سلطنت میں سے ایک غنیٰ اور تونگری بھی ہے۔ حصولِ سلطنت کے بعد سے ان مسلمانوں میں جو مارے فاقوں کے پیٹ پر پتھر باندھے رہتے تھے کہ بھوک کی تکلیف کم محسوس ہو جن کو تن بدن کے ڈھانکنے کے لیے پورا کپڑا میسر نہ تھا۔ جو انصارِ مدینہ کے ٹکڑوں پر قوت بسری کرتے تھے۔ اب ان میں بطفیلِ سلطنت ایسا تمول آیا کہ مدینے بھر میں کوئی زکوٰۃ کا لینے والا نہیں ملتا تھا۔ مسلمانوں کی اس تبدیلِ حالت کو دھیان میں رکھو۔ دوسری بات یہ ہے کہ طب کی دو قسمیں ہیں طبِ ابدان یہی متعارف طب وید کی ہو یا یونانی یا ڈاکٹری

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۹) جگہ تھی جیسے بڑے بڑے شہروں میں میونسپل کمیٹی کا ہال اور ہر طرح کی پنچایتیں یہیں ہوا کرتی تھیں غرض ہر ایک نے اپنی اپنی تجویز پیش کی۔ کسی نے کہا پیغمبر صاحب کو شہر بدر کرو۔ کسی نے رائے دی کہ قید رکھو نہ کوئی اس شخص کے پاس آنے پائے گا اور نہ یہ کسی کو بہکا سکے گا۔ کسی نے صلاح بتائی کہ مار ڈالو۔ رد و قدح کے بعد یہ ٹھیرا کہ بلوے کے طور پر بہت سے آدمی مل کر قتل کر دیں اور دعویداران قصاص کو دیت یعنی خونبہا یا تاوان بھر دیں پیغمبر صاحب کو معلوم ہوا تو آپ شب کے وقت حضرت علیؓ کو اپنی جگہ سلا اور حضرت ابوبکر کو ساتھ لے ثور پہاڑ کے غار میں جا چھپے اور دشمن ہیں کہ ساری رات پیغمبر صاحب کے گھر کو گھیرے پڑے ہیں صبح ہوئی تو دیکھا کہ پیغمبر صاحب کا پتہ نہیں اور جن کو پیغمبر سمجھے تھے وہ حضرت علیؓ نکلے بھڑوں کی طرح جستجو کے لیے چاروں طرف کو نکل پڑے جس غار میں پیغمبر صاحب تشریف رکھتے تھے اس پر بھی بعض کا گزر ہوا مگر خدا نے ان کو اندھا کر دیا۔ اور پیغمبر صاحب تین رات اسی غار میں چھپے رہ کر معمولی رستہ کتراتے ہوئے مدینے جا پونہچے ۱۲

دوسرے طبِ ادیان یعنی مذہب۔ کوئی سا بھی ہو۔ کیونکہ اصل وضع میں سب مذاہب کی غرض و غایۃ ایک ہے۔ طبِ ابدان کا مقصد ہے جسم کو اعتدال کی حالت پر قائم رکھنا۔ طبِ ادیان کا آدمی کے دلی خیالات کو درجۂ توسّط سے متجاوز نہ ہونے دینا۔ فقر میں خوف کہ ونارۃ اور ندلّہ کا تو اس کا علاج ہے تعلیم صبر و قناعت غنی میں ڈر ہے بطر کا۔ اسراف کا۔ کبر کا۔ خود پسندی کا۔ تو اس کا تریاق ہے زہد۔ طب کی کوئی سی کتاب اٹھا کر دیکھو اس میں نسخے پاؤ گے بعض مقوی۔ بعض مضعف۔ دین کی کتابیں قرآن و حدیث و فقہ طبِ روحانی کتابیں ہیں۔ ان میں بھی کہیں دُنیا کی مدح ہے۔ جس سے طلبِ دُنیا کی ترغیب ہوتی ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (اعراف ع۴) — (اے پیغمبر ان لوگوں سے) پوچھو کہ اللہ نے جو زینت (کے سازو سامان) اور کھانے (پینے) کی ستھری چیزیں اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں (ان) کو کس نے حرام کیا ہے۔

مال را گر بہرِ دیں باشی حمول — نعم مالٌ صالحٌ گفتش رسول

یہ طبِ روحانی کے مقوّی نسخے ہیں۔ اور کہیں دُنیا کی مذمت ہے جس سے زہد کی تعلیم مقصود ہے۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى (النساء ع ۱۱) — (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ دنیا کے فائدے (بہت ہی) تھوڑے (فائدے) ہیں اور جو شخص (خدا کا) ڈر رکھے اس کے لیے (فلاحِ) عاقبت (دنیا کے فائدوں سے) کہیں بہتر ہے۔

اور وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (آل عمران ع ۱۹) اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کی پونجی ہے (اور بس)

یہ طبِ روحانی کے مضعف علاج ہیں۔ مقوّی اور مضعف علاج دونوں ہیں مگر مختلف اور متضاد حالتوں کے لیے وہ وقت تو خواب و خیال ہو گئے جب مسلمان خوش حال تھے دولتمند تھے۔ حاکمِ وقت تھے۔ بادشاہ تھے۔ اُس وقت اِن کو تعلیم زہد کی ضرورت تھی کہ شیخی میں نہ آجائیں۔ اور اب بھی کوئی مسلمان حکومت اور دولت رکھتا ہو۔ بااقتدار ہو بے تامل اُس کو زہد کی تعلیم دو نہ یہ کہ چند غریب تنگ حال مسلمانوں کو (اور ہم تو اکثر مسلمانوں کو ایسا ہی پاتے ہیں اور جو بنظرِ ظاہر خوش حال دکھائی دیتے ہیں ؎

از بروں چوں گورِ کافر پر حُلل — اندروں قہرِ خدائے عزّوجل)

جمع کیا اور مولوی صاحب لگے اُن کو زہد کا سبق رٹوانے مرتوں کو مارے شاہ مدار۔ اب سمجھے کہ اسلام میں زہد کیونکر داخل ہوا اور کیونکر ابھی تک مسلمانوں کے دلوں پر قبضہ کیے ہوئے ہے۔

(مس) سمجھا اور خوب سمجھا۔ اب اسلام کی کچھ سہولتیں بھی ارشاد ہوں۔

(شم) مذاہب میں جتنا بھی تشدد ہے عبادات میں ہے سو اسلام میں عبادتیں ہی کتنی ہیں۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ ہر ایک میں اس قدر آسانی ہے کہ عبادت کسی کی بار خاطر ہو نہیں سکتی۔ اس پر بھی کاہل الوجود آدمی بوجہ ضعفِ عقیدت عبادت سے جی چرائے تو اُس کی شامت ؎

جی عبادت سے چرانا اور جنت کی طلب — کام چور اس کام پر کس منہ سے اُجرت کی طلب

اسلامی عبادتوں میں سب سے ضروری نماز ہے اس لیے کہ مرد۔ عورت۔ مقیم۔ مسافر۔ امیر۔ غریب۔ عالم۔ جاہل۔ جوان۔ بوڑھا۔ تندرست

بیمار کسی کو کسی حالت میں معاف نہیں۔ طہارت شرط ہے تو پانی نہ ملے یا نقصان کرتا ہو تو غسل اور وضو کی جگہ تیمم

اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (النساء ع ۷)

(مسلمانو!) اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے ہو کر آئے یا عورتوں سے ہم صحبت ہو اور تم کو پانی میسر نہ آئے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو ف

وقت متسع۔ عبادت مختصر کہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ چھوٹی تین اور بڑی ایک آیت پڑھنی ہوتی ہے۔ رکوع اور سجدے میں ایک بار اور احتیاطاً تین بار تسبیح کہی جاتی ہے۔ ظہر اور عصر اور عشاء کی چار مغرب کی تین صبح کی دو رکعتیں۔ سفر میں آدھی۔ یعنی چار رکعتوں کی دو۔ اُٹھا بیٹھا نہ جائے تو اشاروں سے۔ تعدیلِ ارکان اور ترتیل کے ساتھ لمبی قراءۃ۔ فرض اور سنن اور نوافل ملا کر زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس منٹ۔ اس سے بڑھ کر اور سہولت کیا ہو سکتی ہے۔ اور یوں کوئی آدمی اپنے اوپر تشدد کر کے صائم الدہر اور قائم اللیل ہونا چاہے تو اس کی خوشی مگر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ روزے کی سہولت تو

وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ ع ۲۳)

اور جو بیمار ہو یا سفر میں (رہو) تو دوسرے دنوں سے گنتی (پوری کرے) اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنی چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ سختی کرنی نہیں چاہتا۔

سے ظاہر ہے حج کی مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا سے۔ زکوٰۃ صاحبِ نصاب کو دینی آتی ہے۔ برس میں منافع خالص پر ڈھائی روپیہ سیکڑہ یہ ہے اسلامی عبادتوں کا خلاصہ جن کو آدمی خوش دلی کے ساتھ ادا کر سکتا ہے۔ مزید بصیرت کے لیے ہماری کتاب الحقوق و الفرائض کے حصۂ اول کو پڑھو اور اتنا بھی نہ کر سکو تو ہم سمجھیں گے کہ دل میں اُڑد پر سفیدی کے قدر بھی دین کا درد نہیں۔

(۳۲) ہندوؤں کی مذہبی جسمانی تکالیف میں آپ نے جوگیوں سناسیوں کی مثال دی تھی تو وہ ایک گروہ خاص ہے جیسے مسلمانوں میں صوفی۔ ہندوؤں میں کوئی مذہبی جسمانی تکلیف ایسی بھی ہے جو عام ہو۔

(۳۳) کھانے پینے کی چھوت۔ ذاتوں کی تفریق کہ تکلیف کے علاوہ مانع اتفاق و اتحاد ہے۔ اور میرے نزدیک یہی ایک بات ان کے زوال سلطنت کا باعث ہوئی ہے۔ اور اسی کی وجہ سے ان سے اجتماع کی صلاحیت سلب ہو گئی ہے۔ اور یہ ہمیشہ کے لیے کسی نہ کسی غیر قوم کے محکوم ہو کر رہیں گے۔ اب کچھ فہمیدہ ہندو انگریزی تعلیم کی بدولت اس گُر کو پا گئے ہیں۔ اور رفع اختلاف کی کوشش کر رہے ہیں مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ جو لوگ ایک مذہب کے کہلا کر آپس میں متفق نہ ہو سکیں۔ وہ دوسرے مذہب والوں سے کیا متفق ہوں گے۔ اختلاف عقائد ایسی بد بلا ہے۔ کہ اس سے دل پھٹ جاتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے

ف وضو اور تیمم کے مسائل بالتفصیل ہماری کتاب الحقوق و الفرائض کے پہلے حصے میں دیکھنے چاہئیں ۱۲

ف پوری آیت یوں ہے وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ یعنی اور لوگوں پر فرض ہے کہ خدا کے لیے خانۂ کعبہ کا حج کریں جس کو اس تک پہنچنے کا مقدور ہو اور (جو مقدور رکھے پیچھے نعمت کی) ناشکری کرے (اور حج کو نہ جائے) تو اللہ دنیا جہان سے بے نیاز ہے ف

ف مقدور سے مراد ہے زادِ راہ اور سواری اور رستے کا امن ۱۲

سلطان بکڈپو الفطرہ ... ۱۲

پیروؤں نے سچ کہا تھا بَدَا بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰی الخ

(ش) یہ جو کچھ آپ نے فرمایا سب سچ ہی مگر اصل مطلب رہا جاتا ہی جس پر بات چلی تھی یہ تو کہیے کہ توحید مذہب کی اصل کیوں ہی۔

(۷) توحید اصل مذہب ہی

(ق) میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ خدا کی صفات اُس کی عین ذات ہیں۔ اور اُس کی صفات میں سے وحدانیت ایک ایسی صفت ہی جو تمام صفات کی جامع ہی۔ اور اسی لیے توحید اور معرفتِ الٰہی متحد المفہوم ہیں۔ یعنی جب آدمی نے خدا کو اُس کی ذات اور صفات کی رُو سے یگانہ سمجھا۔ کہ اُس جیسا دوسرا نہیں۔ تو اُس نے خدا کو سمجھا جیسا وہ سمجھ سکتا تھا۔ اور جیسا اُسکو سمجھنا چاہیے تھا یعنی جیسا سمجھنے کا حق تھا۔ خدا کو خدا سمجھا تو اُس کے دل میں مذہب کا بیج بویا گیا۔ بیج کو درکار ہی پانی اور کھاد تاکہ وہ اُگے نشو و نما پائے پھولے پھلے اب اِس نے مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی انتظامِ دُنیا پر ایک وسیع اور غائر نظر ڈالی۔ اِس سے خدا کی عظمت اور شان اس کے ذہن نشین ہوئی۔ اور اپنے تئیں دیکھا کہ کیا تھا اور کیا ہونے والا ہی۔ اِن خیالات نے معرفتِ الٰہی کے بیج کے حق میں کھاد اور پانی کا کام دیا۔ اور وہ ہرے بھرے پھولے پھلے درخت کی صورت میں نمودار ہوا۔ جس کا دوسرا نام ہی دین و مذہب

آدمی نے انتظامِ دُنیا پر نظر ڈالتے ہوئے دیکھا کہ خدا اپنی قدرت اور حکمت اور شفقت اور عنایت سے ذرّے ذرّے میں بیٹھا ہوا ہی۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ (انسان کسی حالت میں بھی ہو) اُس کے آگے اور اُس کے پیچھے باری

يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (۱۳ الرعد ع ۲) باری سے خدا کے مؤکل لگے رہتے ہیں جو بحکم خدا اُس کی حفاظت کرتے ہیں

پس وہ بے اختیار تقاضائے طبیعت سے اُس کی مدح و ثنا میں رطب اللسان ہوا اور تعظیماً سرِ نیاز اُس کے آگے جھکا دیا یہاں سے عبادات کا فطری ہونا ثابت ہوا۔ پھر وہ ترقی کرتا ہوا آگے بڑھا اور اُس نے سوچا کہ ہر چند خدا کی ذات تو بے نیاز ہے مگر آفریدہ اور بندہ اور زیر بارِ چندیں احسانات ہونے کی حیثیت سے خود میرا فرضِ انسانیت ہی کہ کسی طرح اُس کی مرضی معلوم کر کے اُس پر کاربند ہوں۔ معرفت سے لے کر یہاں تک یہ سب آدمی کی طبیعت ہی کے تقاضے ہیں۔ طبیعت متقاضی ہی کہ کسی طرح خدا کی مرضی معلوم ہو مگر معلوم ہو تو کیونکر ہو۔ خدا کو دیکھا نہیں بھالا نہیں۔ نہ کبھی بات چیت کا اتفاق ہوا۔ وہ ہی سہی مگر اپنے خیال کے سوائے ہم اُس کو کیا کہہ سکتے ہیں۔ خدا کا اور ہمارا تعلق بھی عجیب قسم کا تعلق ہی۔

مجھ میں اُس میں ربط ہی از ذوقِ مثلِ بُو و گُل — وہ رہا آغوش میں لیکن گریزاں ہی رہا

---

۵ اس سے پہلے کے ٹکڑے کو ملاؤ تو مطلب نہایت صاف اور واضح ہو جاتا ہی اور وہ یہ ہی قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ (مسلمانو!) ابراہیم اور جو لوگ اُن کے ساتھ تھے (یعنی اُس وقت کے مسلمان) پیروی کرنے کو تمہارے لیے اُن کا ایک اچھا نمونہ ہو گزرا ہی جب کہ اُنھوں نے اپنی قوم (کے لوگوں) سے کہا کہ ہم کو تم سے اور تمہارے اُن (معبودوں) سے جن کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو کچھ بھی سروکار نہیں ہم تم (لوگوں کے عقیدوں) کو (بالکل) نہیں مانتے اور ہم میں تم میں کھُلّم کھُلّا عداوت اور دشمنی (قائم) ہو گئی ہی (اور یہ دشمنی) ہمیشہ کے لیے (رہی) جب تک تم اکیلے خدا پر ایمان نہ لاؤ ۱۲ ش

قطعہ

دوست نزدیک تر از من بمن است — وین عجب تر کہ من ازوے دُورم
چہ کنم باکہ تواں گفت کہ او — در کنار من و من مہجورم

جس طبیعت نے آدمی کو خدا کی ٹوہ لگانے پر مجبور کیا اُسی نے اُس کو خدا کی مرضی دریافت کرنے کی شہ دی - اور جہاں سے اِس کو خدا کا پتہ لگا وہیں سے مرضی کا بھی سُراغ ہاتھ آیا یعنی مخلوقات سے -

(سؔ) خدا کا پتہ تو اِس طرح لگا تھا کہ مخلوقات کا کوئی خالق متصف بچندیں صفات ہونا چاہیئے - مرضی کیسی معلوم ہوئی -

(مؔ) اُس نے جس مخلوق پر نظر کی اِس سے کئی باتیں ظاہر ہوئیں - ایک یہ کہ جو چیز بھی ہے - بہتر سے بہتر ساخت کی ہے اور اُس کا بنانے والا احسن الخالقین ہے - دوسرے ہر چیز کی نگہداشت کا کافی سامان بھی اُس کے ساتھ ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ جو چیز وجود میں آگئی ہے اُس کا خالق اُس کا معدوم ہونا نہیں چاہتا - نباتات اور حیوانات کو اپنا جانشین پیدا کرنے کی قابلیت عطا کی ہے کہ کہنہ اور فرسودہ ہو کر اپنی ہستی چھوڑنے لگیں تو جنس اور نوع معدوم نہ ہو -

(سؔ) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا خیال غلط ہے -

(مؔ) بے شک اِسی سے بہتوں کو دھوکا ہوا ہے اور وہ مادے کے قدیم ہونے کے قائل ہوئے ہیں اور قیامت کا انکار بھی اسی قبیل سے ہے - مگر تم نے تو بیچ میں ایک اور بات نکال کھڑی کی - مجکو وہ بات پُوری کر لینے دو کہ آدمی نے خدا کی مرضی کو کس طرح دریافت کیا پھر میں تم کو قیامت کی طرف سے مطمئن کر دوں گا - کہ خدا کی ہستی اور خدا کی مرضی کی طرح قیامت کا عقیدہ بھی انسان کی فطرت میں دخل ہے - ذرا صبر کرو - ہاں تو آدمی نے جس مخلوق پر نظر کی - اِس سے کئی باتیں ظاہر ہوئیں - ایک یہ کہ جو چیز بھی ہے بہتر سے بہتر ساخت کی ہے - دوسرے یہ کہ ہر چیز کی نگہداشت کا کافی سامان بھی اُس کے ساتھ ہے - اِن کے علاوہ تیسری بات یہ ہے کہ خدا نے ہر فرد بشر بلکہ بعض جانوروں تک کے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ رنج و راحت کا احساس جیسا ان کو ویسا ان کے ابنائے جنس کو - اِس سے ہمدردی کی صفت کا خلقی اور فطری ہونا ثابت ہوتا ہے - اور یہ ایسی ضروری بات ہے کہ قوانینِ تمدن تمامتر اسی پر مبنی ہیں "آنچہ برخود نہ پسندی بر دیگرے مپسند" - فطری صفات کے تخم سے تو کوئی فرد بشر خالی نہیں - مگر ان کا نشوو نما موقوف ہے - تعلیم و تربیت پر صحبت پر - مشق و مہارت پر - آب و ہوا پر - امزجۂ شخصی پر یعنی صفاتِ فطری میں ترقی اور تنزل قوت وضعف دونوں طرح کی صلاحیت ہے - اَب یہی ہمدردی کی صفت ہے کہ ہندوؤں نے اس میں یہاں تک ترقی کی کہ ان میں کا ایک گروہ جو سراؤگی کہلاتے ہیں - رات کو چراغ تک نہیں جلاتے کہ کہیں پروانوں کے قسم کے جانور چراغ کی لَو پر گر کر جل نہ مریں اور جو زیادہ پابندِ مذہب ہیں مُونہ پر کپڑا لٹکائے رہتے ہیں - تاکہ سانس کی گرمی سے چھوٹے چھوٹے بھُنگے جو ہوا میں بھرے پڑے ہیں اور خالی آنکھ سے دکھائی تک نہیں دیتے - دُکھی نہ ہوں - خیر یہ تو افراط کا درجہ ہے یُوں بھی ہندو عموماً کسی طرح کا گوشت نہیں کھاتے اور ساگ پات پر قناعت کیے ہوئے ہیں - ہرا درخت نہیں کاٹتے - سرِ راہ جابجا پیاؤ بٹھا رکھے ہیں - بازاروں میں سانڈ چھوٹے ہوئے ہیں - اور اُن کو بے مشقت ایسی عمدہ غذا پیٹ بھر کر ملتی ہے - کہ مارے مُٹاپے کے چلا نہیں جاتا - بعض ہندوؤں کو دیکھا کہ دونا ہاتھ میں لیے چیونٹیوں کے بلوں میں کھانڈ ڈالتے پھرتے ہیں - یہ سب اسی ہمدردی کے آثار ہیں جو ہندو دھرم میں بمقابلے دوسرے ادیان کے یقیناً زیادہ اور بہت زیادہ ہیں ۵

میازار مورے کہ دانہ کش است — کہ جاں دارد و جانِ شیریں خوش است
زیرِ پایت گر بدانی حالِ مور — ہمچو حالِ تست زیرِ پائے پیل

دیکھتے جاؤ کہ دینِ اسلام کی عمارت کس طرح پر فطرت کے مال مسالے سے اُبھرتی اور کھڑی ہوتی جاتی ہے کہ خدا کی معرفت سے بنیاد رکھی گئی۔ پھر خدا کی مرضی کے دریافت کرنے کی دیواریں کھڑی ہوئیں۔ پھر ہمدردی سے چھت پاٹی گئی۔ الحمد للہ عمارت بن گئی صرف استرکاری اور رنگ آمیزی باقی ہے۔ تو اب آدمی کا ذہن ہمدردی کے درجے پر پہونچ کر بالطبع اس بات کی طرف منتقل ہوا کہ خدا جیسے قادرِ مطلق۔ خدا جیسے مہربان کی مرضی کے خلاف کرنا قطعِ نظر اس سے کہ خلافِ انسانیت و شرافت ہے ضرور مستوجب سزا بھی ہونا چاہیے۔ کیونکہ سیاست کے بدون حضرت آدم کی اتنی ساری اولاد جو روئے زمین کے چپّے چپّے پر پھیلی ہوئی ہے۔ ایک لمحہ بھی امن چین سے نہیں رہ سکتی۔ غرض جس طرح آدمی نے اپنی طبیعت سے خدا کو پہچانا۔ اپنی طبیعت سے اُس کی تعظیم کی۔ اپنی طبیعت سے اُس کی مرضی معلوم کی۔ اپنی طبیعت سے اپنے میں صفتِ ہمدردی پیدا کی۔ اسی طرح اپنی طبیعت سے لگا تدبیر سوچنے کہ اولادِ آدم اس پر کاربند ہو کر امن چین سے رہے سہے۔ بس عمارتِ اسلام بن کر تیار ہو گئی۔ اور یاد رہے کہ اس عمارۃ میں شروع سے آخر تک خالص فطرۃ ہی کا مسالا خرچ ہوا ہے۔ اور اسی سے میں اسلام کو دینِ فطرۃ کہتا ہوں۔ اور مذہب والوں نے بھی اسی طرح کی عمارتیں بنائیں مگر فطرۃ کے چونے میں اپنے اوہام اور اغلاط کی راکھ ملا دی۔ ویسی ہی اسلامی پکّے کی عمارۃ کے مقابلے میں اُن کی عمارتیں بودی اور ناستحکم۔

(شّں) عمارتِ اسلام تو بن کر تیار ہوئی۔ مگر استرکاری اور رنگ آمیزی کی نسبت آپ کچھ اور کہنا چاہتے تھے۔

(قّم) ہاں میں یہ کہنے کو تھا کہ انسان ایک خاص طرح کا مخلوق ہے۔ سب سے بڑی بات جو اس کی طبیعت میں ہے اپنا حفظِ نفس ہے بلکہ میں تو ایسا خیال کرتا ہوں کہ یہ خاصۂ کُل جانداروں کی طبائع میں ہے کہ وہ اپنا معدوم ہونا نہیں چاہتے۔ اور جو اُن کی ہلاکت کے درپے ہوتا بمقدور اُس کی مدافعت کرتے ہیں۔ بلکہ پتھر تک اپنی حالت کے بدلنے کا روادار نہیں جو اس کو توڑنا پھوڑنا یا جگہ سے ہلانا چاہے اُس کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور اسی سے تو ہم نے یہ بات مستنبط کی تھی کہ عالم کا ذرّہ ذرّہ خواہانِ بقا ہے۔ بہرکیف حفظِ نفس انسان کا خاصۂ طبعی ہے اس کے لیے اس کو غصّہ دیا گیا ہے۔ کہ دفعِ ضرر کرے۔ اور طلب جلبِ ملائم کرے اور چونکہ تمام بنی آدم کی طبائع قریب قریب ایک ہی طرح کی واقع ہوئی ہیں اور حفظِ نفس کے علاوہ آدمی مدنی الطبع بھی ہے۔ اور ابنائے جنس کے ساتھ مل کر اس کو امصار اور قصبات اور دیہات میں رہنا ہے۔ اس لیے کہ وہ اکیلا ساز و سامان زندگی بہم نہیں پہونچا سکتا تو اس صورت میں باہمی کشمکش کا ہونا بھی ضرور ہے۔ اور اغراض کی کشمکش مستلزم نقضِ امن۔ ابقائے امن کی غرض سے سلطنتہ کا دستور چلا کہ ایک جماعت کی جماعت نے اپنے میں سے ایک کو حاکم بنایا کہ وہ افرادِ جماعت کے حقوق کی حفاظت کرے۔ اور ایک کو دوسرے کے حقوق میں دست اندازی نہ کرنے دے اور کرے تو حاکم اُس کو ضرب اور حبس اور جرمانے کی سزا دے۔ بنظرِ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آدمی نے آپ ہی اپنے دل سے سوچ سوچ کر دنیا کو دار الامن بنا لیا۔ اُس نے حفظِ امن کے لیے قانون بنایا۔ اور ایک کو بادشاہ یا حاکمِ وقت قرار دے کر روپیے سے فوج سے اُس کی مدد کی۔ کہ اس کے بل پر بزور لوگوں سے قانونِ امن کی تعمیل کرائے بے شک آدمی نے وضعِ قانون اور اجرائے دستورِ سلطنت کے بعد سمجھا ہو گا۔ (اور بہت لوگ اب بھی سمجھتے ہیں) کہ آدمی نے

اپنی عقل و تدبیر سے خدا کے منشا کو پورا کر دیا۔ مگر بہت جلد آدمی کو اپنی غلطی معلوم ہو گئی۔ اور اب بھی ایسے معاملات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں۔ جن سے بخوبی ثابت ہے کہ انسان اپنی تدبیر سے دنیا میں امن کو جیسا اس کا حق ہے اور جیسا خدا کو منظور ہے قائم نہیں رکھ سکتا۔ اور عدالتیں اور جیلخانے اس کے شاہد ہیں۔ دنیا عالم اسباب ہے اور خدا اپنے ارادوں کو ان ہی مخلوقات عالم کے ذریعے سے نافذ فرماتا ہے۔ امن کے لیے آدمی کی تدبیر وضع قانون اور اجرائے دستورِ سلطنت کافی نہ تھی۔ اس نقص کے رفع کرنے کو خدا نے آدمی کی فطرت میں یہ بات بھی داخل کی کہ وہ اپنے تئیں غیر فانی سمجھے۔ آدمی کا وجود جسم و روح دو چیزوں سے مرکب ہے جسم کی حقیقت تو معلوم ہے کہ عناصرِ اربعہ آب خاک و باد و آتش سے بنا ہے۔ عناصر میں خاک عنصر غالب ہے۔ چار مختلف الطبائع عناصر کو خدا نے اپنی حکمتِ بالغہ سے ترکیب دے کر آدمی کو پیدا کیا۔ یہ چار بزورِ حکمت الٰہی ایک وقتِ خاص تک ملے جلے رہتے ہیں پھر آخر کو ایک دوسرے سے ٹوٹ کر منتشر ہو جاتے ہیں کُلُّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ[1]۔ اسی کا نام ہے موت۔ آدمی کے وجود کا دوسرا جزو روح اس کی حقیقت خدا نے کسی مصلحت سے ہم پر منکشف نہیں ہونے دی۔

وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ (بنی اسرائیل ع ۱۰)

اور (اے پیغمبر لوگ) تم سے روح کی حقیقت دریافت کرتے ہیں تو (ان سے) کہہ دو کہ روح (بھی) میرے پروردگار کا ایک حکم ہے اور تم لوگوں کو (اسرارِ الٰہی میں سے) بس تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہے۔

روح کی حقیقت معلوم نہیں مگر جس طرح آثارِ قدرت سے خدا کے ہونے کا یقین کیا جاتا ہے۔ اسی طرح آثار تصرف فی الجسد سے روح کے ہونے کا اذعان ہے۔ سرے سے روح ہی کی حقیقت معلوم نہیں۔ جسم کے ساتھ اس کی ترکیب کی کیفیت بھی معلوم نہیں آثارِ تصرف فی الجسد سے تو روح کے ہونے کا کچھ پتہ بھی چلتا ہے۔ بقائے روح کا تو سوائے اس کے کچھ بھی پتہ نہیں۔ کہ آدمی کا دل از خود گواہی دیتا ہے کہ بعد مرگ بھی اس کی روح باقی رہتی ہے اور اس پر ایک عالم کا اجماع ہے۔ اختلاف اگر ہے تو اس میں ہے کہ بعد مرگ روح کہاں اور کس حالت میں رہتی ہے۔ بے شک ایسے بھی بندگانِ خدا ہوئے ہیں (اور اب بھی ہیں جن کے سر پر فلسفہ کا بھوت سوار ہے جو بقائے روح کے قائل نہ تھے۔

وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ۝ (الجاثیہ ع ۳)

اور (کفارِ مکہ) کہتے ہیں ہماری تو یہی دنیا کی زندگی ہے اور (بس یہیں) مرتے ہیں اور (یہیں) جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہم کو (ایک مدتِ خاص تک زندہ رکھ کر) مار دیتا ہے اور ان کو اس کی کچھ تحقیق تو ہے نہیں یہ تو نرے اٹکل کے تکّے چلاتے ہیں۔

اور فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ[2]۔ معلوم نہیں کہ یہ لوگ واقعی دل سے ایسا کہتے تھے یا منطقیوں کی سی سرانی جتانی بات تھی۔

---

[1] ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے ۱۲ [2] اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَیَقُوْلُوْنَ اِنْ هِیَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰی وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِیْنَ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ یعنی یہ (کفارِ مکہ تو مسلمانوں سے) کہتے ہی ہیں کہ یہ ہمارا پہلی ہی دفعہ کا مرنا ہے اور بس (پھر ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہے) اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے پس اگر تم (مسلمان اپنے دعوے قیامت میں) سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو (جلا کر ہمارے سامنے) لا موجود کرو ۱۲۔

ایک **حکایت** یاد آئی ہے جس سے شبہہ ہوتا ہے۔ کہ ایک مولوی صاحب اور ایک فلسفی یورپ میں رہ اور علوم جدیدہ کی تعلیم کی برکت سے اکثر اہل یورپ بلکہ ہمارے ملک کے انگریزی خوانوں میں بھی جن کے عقائد مذہبی کی روک تھام نہیں کی جاتی الحاد اور لامذہبی کی طرف کو تھوڑا بہت میلان ضرور ہوتا ہے) ایک کالج میں پروفیسر تھے۔ دونوں میں تعارف ہوا اور تعارف سے دوستی اور بے تکلفی۔ آپس میں اکثر مذہبی گفتگو رہا کرتی تھی۔ مخاصمانہ اور مناظرانہ نہیں بلکہ دوستانہ۔ مولوی صاحب بہتیرا سمجھاتے تھے مگر فلسفی کسی طرح خدا کا قائل نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے کہ وہ خدا کی ہستی کا ثبوت ایسا چاہتا تھا جو دعاوی اقلیدس کی طرح مبنی ہو مشاہدات پر اور ایسا ثبوت مولوی صاحب کیا کسی مذہب کا کوئی عالم بھی نہیں دے سکتا۔ فلسفی نے ولایت جانے کے لیے چھٹی لی۔ مولوی صاحب کو بھی مدت سے مصر اور قسطنطنیہ کے دیکھنے کا خیال تھا۔ دونوں ساتھ ہو لیے۔ جہاز میں سونا کھانا تھا دونوں میں وہی مذہبی تذکرے رہتے تھے۔ اتفاق سے جہاز سخت طوفان میں آ گیا۔ ہر ایک مسافر اپنی جگہ خدا کے آگے رونے پیٹنے لگا

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ (یونس ع ۲ -)

(لوگو!) وہی (خدا تو) ہے جو تم کو خشکی اور تری میں لیے لیے پھرتا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ لوگوں کو باد موافق کی مدد سے ؎ لے کر چلتی ہیں اور لوگ اُن (کی رفتار) سے خوش ہوتے ہیں (ناگاہ) کشتی کو ایک ہوا کا جھونکا آ لگتا ہے اور لہریں ہیں کہ ہر طرف سے اُن پر (چڑھی چلی) آ رہی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ (بُرے) آگھرے تو بس خالص خدا ہی کو مان کر اُس سے دعائیں مانگنے لگتے ہیں کہ (بار خدایا) اگر (اپنے فضل سے) تو ہم کو اس (مصیبت) سے بچائے تو ہم ضرور (تیرے بڑے ہی) شکر گزار ہوں گے۔

مولوی صاحب نے فلسفی کو دیکھا کہ اپنے حجرے میں دوسروں کی طرح اوندھے مونہ سجدے میں پڑے ہیں۔ بارے طوفان فرو ہوا تمام لوگ بدستور سابق اپنے اپنے کام میں لگے۔ مولوی صاحب نے فلسفی کے پاس جا کر پہلے سلامتی کی مبارکباد دی۔ اور پھر کہا کہ آپ بھی تو شورشِ طوفان کے وقت خدا سے دعا مانگ رہے تھے۔ سچ کہا ہے کہ مصیبت میں خدا ہی یاد آتا ہے تو فلسفی کیا کہتا ہے کہ اُس وقت میری عقل ہی برجا نہ تھی۔

فَلَمَّا أَنجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنفُسِكُم مَّتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ (یونس ع ۳ -)

پھر جب وہ اُن کو (اُس بلا سے) نجات دیتا ہے تو وہ خشکی پر پہنچتے ہی ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں لوگو! تمہاری سرکشی (کا وبال) تمہارے ہی جانوں پر پڑے گا۔ یہ بھی) دنیا کی (چند روزہ) زندگی کے فائدے (ہیں۔ سو خیر ان کے مزے اُڑا لو) آخر کار تم کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے تو (اُس وقت) جو کچھ بھی تم (دنیا میں) کرتے رہے ہم تم کو (اُس کا برا بھلا) بتا دیں گے۔

؎ جہاز رانوں کی اصطلاح میں باد موافق کو باد شرطہ کہتے ہیں حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎ کشتی شکستہ گانیم اے باد شرطہ برخیز ۔ باشد کہ باز بینیم آن یار آشنا را ۱۲

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ○ (البقرہ ع ۹-)

اور پھر اس کے بعد تمہارے دل (ایسے) سخت ہوگئے کہ گویا وہ پتھر ہیں بلکہ اُن سے بھی سخت تر اور پتھروں میں تو بعضے ایسے بھی (ہوتے) ہیں کہ اُن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور بعض پتھر ایسے بھی (ہوتے) ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور اُن سے پانی جھرتا ہی اور بعض پتھر ایسے بھی (ہوتے) ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں ف اور جو کچھ تم (لوگ) کر رہے ہو اللہ اُس سے بے خبر نہیں۔

خدائے تعالیٰ نے کیسے جامع اور مانع الفاظ میں انسان کی فطرت بیان فرمائی ہی۔

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ (المعارج ع ۱-)

بے شک آدمی بڑا ہی تھڑ چھا پیدا کیا گیا ہی کہ جب اُس کو کسی طرح کا نقصان پونہچتا ہی تو گھبرا اُٹھتا ہی اور جب اُس کو کسی طرح کا فائدہ پونہچتا ہی تو بخل کرنے لگتا ہی۔

(ش) بقائے روح اور جزا سزا سے کیا تعلق۔

(ق) اِس سلسلۂ سخن میں مجھ سے ایک کڑی چھوٹ گئی کہ جن باتوں سے آدمی نے دُنیا کا عالمِ اسباب ہونا یقین کیا اِس عموم میں آدمی کے افعال بھی تھے اور آدمی نے سمجھا کہ علت و معلول کا قاعدہ جیسا کہ موجودات میں تغیرات میں چل رہا ہی ویسا ہی آدمی کے افعال میں جاری ہی ہر فعل کے لیے علت بھی ہی اور معلول یعنی نتیجہ بھی ہی ؎

گندم از گندم بروید جَو ز جو　　از مکافاتِ عمل غافل مشو

اگر خار کاری سمن ندروی۔ لیکن اسباب کا جال کچھ ایسا پیچیدہ اور گتھا ہوا ہی کہ سبب اور نتیجے کی تعیین میں ہم اکثر غلطیاں بھی کرتے ہیں۔ مثلاً ہم ب کو ج نتیجے کا سبب قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ب اکیلا سبب نہیں ہی بلکہ اُس کے ساتھ دوسرے اسباب ایجادِ نتیجہ میں دخیل اور مؤثر ہیں جن کو ہم نے غلطی سے نظرانداز کیا ہی۔ اِس کو ایک مثال سے بآسانی سمجھوگے۔ اگر ہم ایک روپیہ اور وتنا ہی چوڑا چکلا کاغذ کا ٹکڑا ایک ساتھ اوپر سے پھینکیں تو ظاہر ہی کہ روپیہ بہ نسبت کاغذ کے زمین پر جلد گرے گا۔ اور اگر ہم سے اِس تقدم اور تاخر کا سبب پوچھا جائے تو ہم بے تامل جھٹ سے کہہ دیں گے۔ کہ روپیہ بھاری تھا جلدی سے گرا کاغذ ہلکا تھا دیر سے۔ سچ ہی۔ لیکن ایک شرط ضروری رہی جاتی ہی کہ تقدم و تاخر اِس سے ہی کہ ہَوا حائل ہی۔ پر کے بوجھ کو سہار سکتی ہی روپے کو نہیں۔ اگر ہم لوہے کا بڑا لمبا نَل بنوائیں اور اُس کو زمین پر کھڑا کر کے کسی تدبیر سے نل کی ہَوا نکال کر دونوں سرے خوب مضبوط بند کر دیں کہ باہر سے ہَوا نہ جانے پائے اور پھر نل کے اندر سے لٹکتے ہی اوپر سے روپیہ اور پَر ایک ساتھ پھینکیں ایک ساتھ گریں گے۔

ف پہاڑوں کا دبیں جانا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں اکثر زلزلوں کی وجہ سے بڑے بڑے پہاڑ بیٹھ جاتے ہیں اور جن پہاڑوں سے خود بخود آگ نکلتی رہتی ہی اور آتش فشاں کہلاتے ہیں۔ اُن میں ایسی آفتیں بہت آتی رہتی ہیں۔ اور یُوں بھی اندر ہی اندر کسی وجہ سے پہاڑوں کی رگ کھل پڑ جاتی ہی اور پہاڑ گر پڑتے ہیں تو یہ دبیں جانا۔ بیٹھ جانا گر پڑنا سب خدا کے حکم سے ہوتا ہی کہ اُس نے تمام اجسام میں یہ خاصیت رکھا ہی کہ وزنی چیز نیچے گرتی ہی بھاری جلدی اور ہلکی ذرا دیر سے اسی کا نام ڈرنا ہی کہ خدا کے باندھے ہوئے قاعدے کو توڑ نہیں سکتے ۱۲

اس لیے کہ ہو از احمر نہیں یہی حال کُل اسباب اور کُل نتایج کا ہی۔ اتفاق کو لزوم سمجھ لینا عام غلطی ہی۔
اِذَا كَانَ الْاِنْسَانُ نَاطِقًا فَالْحِمَارُ نَاهِقٌ جب آدمی بولتا ہی تو گدھا چلاتا ہی۔
اسی نے تو دُنیا کو گمراہ کر رکھا ہی۔ سبب ہی کوئی اور قرار دے لیا کوئی۔ اسی کو بعض نکتہ شناس طبیعتوں نے خدا شناسی کا ذریعہ قرار دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں۔
عَرَفْنَا اللّٰهَ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ ہم نے ارادوں کے ٹوٹ جانے سے خدا کو پہچانا۔
یعنی ہم نے اسی سے جانا کہ خدا ہی کہ ہم جو چاہتے ہیں وہ نہیں ہوتا۔ یعنی ہم حصول مطلب کے لیے اپنے زعم میں اسباب کافی جمع کرتے ہیں پھر بھی مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ اِس سے معلوم ہوتا ہی کہ ہم نے اسباب کو کافی غلط سمجھا۔ بلکہ کوئی سببِ مؤثر ہماری نظر سے مخفی اَور ہی۔ اور وہ نہیں ہی مگر ارادۂ اللہ
اِرَادَةُ اللّٰهِ غَالِبٌ عَلٰى اِرَادَةِ النَّاسِ خدا کا ارادہ لوگوں کے ارادوں پر مؤثر رہتا ہی۔

زندگیں ایک طور پر گزارا نہ ہوا جو کچھ کہ ہوا وہ پھر دوبارہ نہ ہوا
چاہا ہم نے بہت نہ چاہا اُس نے چاہا اُس کا ہوا ہمارا نہ ہوا

تقریر دراز اور پریشان ہوتی جاتی ہی۔ مگر کیا کیا جائے مطلب مشکل اور اس پر تمھارے سوالات۔
(تمس) از برائے خدا گھبرایئے نہیں۔ اگر آپ کے سمجھانے سے ایک شخص دین کی طرف سے مطمئن ہو جائے اور میری آپ کی گفتگو قلمبند کرکے چھپوا دی جائے۔ جیسا کہ میرا ارادہ ہی تو آپ اسلام کی بڑی خدمت کریں گے۔ آپ یہ فرما رہے تھے کہ آدمی کے افعال میں بھی علت و معلول اور اسباب و نتایج کا قاعدہ جاری ہی مگر یہ تو فرمایئے کہ آدمی کو نیک و بد کا شعور کیونکر ہوا۔

(۸) حسن و قبح کا احساس فطری ہی

(تمم) نیک و بد کا شعور بھی فطرۃً ہی سے ہوا۔ جس چیز سے اس کو ایذا ہوئی۔ آدمی نے اُس کو بالطبع اپنے حق میں اور ہمدردی کے قاعدے سے دوسروں کے حق میں بھی بُرا سمجھا۔ یعنی حسن و قبح کا احساس بھی فطری ہی۔ پس سیاست جو امن کے قائم رکھنے کے لیے درکار تھی۔ افعال کے حسن و قبح کے فطری احساس سے پوری ہو گئی۔
(تس) خدا نے امن کے قائم رکھنے کے لیے سب کچھ کیا۔ آدمی کو فطرۃً ابنائے جنس کا ہمدرد بھی بنایا۔ اس کو فطرۃً افعال کے حسن و قبح کا احساس بھی دیا مگر پھر بھی امن کو قائم نہ کر سکا وہی آدم زاد ہیں۔ اور وہی اُن کے باہمی فساد و عناد۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (الروم ع ۵-)

خود لوگوں ہی کی کرتوتوں سے (کیا خشکی (میں) اور کیا تری میں یعنی ہر جگہ ہر طرح کی) خرابیاں ظاہر ہو چکی ہیں (اور اس کا ضروری نتیجہ یہ ہی) کہ لوگ جیسے جیسے عمل کر رہے ہیں خدا اُن کو اُن کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے تاکہ وہ (ایسی حرکات سے) باز آئیں۔

(تتمّہ) یہ تمھارا لغو اور بیہودہ خیال ہے اس سے ایک تو معاذ اللہ خدا کا عجز لازم آتا ہے۔ تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا۔ دوسرے خدا کی حکمت اور مصلحت میں دخل در معقولات ہوا۔ خدا اگر چاہتا تو آدمی کو اس طرح کا مخلوق بناتا کہ اُس میں سرتابی کا مادہ ہی نہ ہوتا

وَلَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰۗىِٕكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ۝ (الزخرف ع ۲–) اور ہم چاہتے تو تم (لوگوں) میں فرشتے (پیدا) کر دیتے کہ وہ زمین میں تمھاری جگہ آباد ہوتے۔

رہی یہ بات کہ پھر ایسا کیوں نہیں بنایا۔ اِسی کو میں خدا کی خدائی میں دخل دینا کہتا ہوں۔ چھوٹا مُونہ بڑی بات

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝ (الکہف ع ۱–) بڑی ہی سخت بات ہے جو اِن کے مُونہوں سے نکلتی ہے نِرا جھوٹ بکتے ہیں۔

اور تمھارا یہ کہنا کہ خدا نے اقامتِ اَمن کے لیے سب کچھ کیا مگر پھر بھی اَمن قائم نہ کر سکا مبنی ہے جہالت پر۔ خدا ایک امر کا ارادہ کرے اور وہ وقوع میں نہ آئے خلافِ عقل

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَـيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ (یٰس ع ۵) اُس کی تو یہ شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس وہ اُس سے (اتنا ہی) فرما دیتا ہے کہ ہو اور وہ ہو جاتی ہے۔

نظامِ عالم کو نظرِ وسیع سے دیکھو تو پاؤ گے کہ انسان عقل کے اعتبار سے اشرف المخلوقات بے شک ہے مگر اکبر المخلوقات نہیں

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (المؤمن ۶۶) البتہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بہت بڑا ہے ولیکن اکثر لوگ (اس کو) نہیں جانتے۔

سو آدمی کے حال سے قطع نظر کرو تو پاؤ گے کہ آسمان و زمین میں کوئی ذرہ حکمِ خدا سے باہر نہیں۔

لَا تَتَحَرَّكُ ذَرَّةٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ایک ذرہ بھی تو بے حکمِ خدا جُنبش نہیں کر سکتا

خدا نے جس کو جس رستے لگا دیا ہے اُسی رستے چلا جاتا ہے۔ اور اپنے خاصۂ طبعی سے رتی برابر انحراف نہیں کرتا۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ (یٰس ع ۳–) اور چاند (ہے کہ) اُس کے لیے ہم نے منزلیں ٹھہرا دیں یہاں تک کہ (آخر ماہ میں گھٹتے گھٹتے) پھر (ایسا ٹیڑھا اور پتلا) بن جاتا ہے جیسے (کھجور کی) پُرانی ٹہنی نہ تو آفتاب ہی سے بن پڑتا ہے کہ چاند کو جا لے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے اور (کیا چاند اور کیا سورج) سب (اپنے اپنے) مدار (یعنی گھیرے) میں (لپٹے) تیر رہے ہیں

یہی حال زمین اور مخلوقاتِ زمین کا ہے کہ زمین میں کششِ اجسام کا خاصہ رکھ دیا ہے اِس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا۔ پانی میں نشیب کی طرف کو بہنے کا میلان ہے تو اسی اصول پر دریا اور ندی نالے پڑے بہ رہے ہیں۔ آدمی کا حال یہ ہے کہ وہ حاکمِ ظاہر کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا فکیف اُس حاکمِ حقیقی علی الاطلاق کے حکم سے

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ (اے پیغمبر اِن لوگوں سے) کہو کہ بھلا بتاؤ تو سہی کہ اگر اللہ مریم کے بیٹے مسیح کو اور اُن کی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہے

له مترجم: خدا کی حکمت ان باتوں سے بہت اونچی ہے (حاشیہ)

فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ (المائدۃ ع ۳-) تو ایسا کون ہی جس کا خدا کے آگے کچھ بھی زور چلتا ہو۔

(۵۱) اگر مذہبی سر تابیان توراۃ و دن کثرت سے ہوتی رہتی ہیں۔ اور کبھی تو سرتابی کی سزا عاجلاً مل جاتی ہی جیسے نقضِ قواعد طبیعیات کی کہ آگ میں گرا اور جلا۔ لیکن اکثر نافرمانوں کا بال تک بھی بیکا نہیں ہوتا۔ اسی سے نافرمانیوں اور سرتابیوں کا انسداد نہیں ہوتا اس لیے کہ سیاست کا انتظام ٹھیک نہیں ہمدردی اور احساسِ حُسن و قبحِ افعال سے تو کچھ بھی نہ ہوا۔

(۵۲) یہ مت کہو کہ ہمدردی اور احساسِ حُسن و قبحِ افعال سے تو کچھ بھی نہ ہوا۔ دُنیا میں جتنا کچھ اور جیسا کچھ اَمن بھی دیکھتے ہو اُس کا اکثر حصّہ ہمدردی اور احساسِ حُسن و قبحِ افعال کا طُفیل ہی۔ توضیحِ مطلب کے لیے ہم اپنی کتاب الحقوق و الفرائض کے حصۂ اول سے چند سطریں مناسب مقام نقل کرتے ہیں۔

"آدمی ایک خاص طرح کا مخلوق ہی۔ کثیر العلائق۔ اِس کی بناوٹ اِس طرح کی واقع ہوئی ہی کہ آرایش اور آسایش نہ بھی سہی زندگی کی سیدھی سادی ضرورتیں اپنے بہت سے ہمجنسوں کی مدد کے بدون ہم نہیں پُہنچا سکتا۔ ایک ظریف کا مقولہ ہی کہ جینا تو جینا مرنا بھی بے دوسروں کی مدد کے نہیں ہو سکتا۔ اور اسی لیے آدمی تھوڑے تھوڑے بہت بہت جمع ہو کر قصبوں اور شہروں میں بستے ہیں تاکہ ایک دوسرے کی مدد کریں اور کرتے ہیں۔ موچی جوتا بناتا۔ جولاہہ کپڑا بنتا۔ درزی سیتا اور اسی طرح مصرعہ ہر یکے را بہر کارے ساختند٭ جو جس کام میں لگا ہی ابنائے جنس کی کوئی نہ کوئی خدمت کر رہا ہی۔ اور اس اعتبار سے ہر فرد بشر خادم بھی ہی اور مخدوم بھی ہی مگر چونکہ سب کو جینا ہی مصرع شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن٭ اور جینا ہی تو جینے کے ساتھ ضرورتیں اور حاجتیں بھی سب ہی کے پیچھے لگی ہیں اور چونکہ سارے آدم زاد ایک ہی طرح کے مخلوق ہیں ضرورتیں اور حاجتیں بھی سب کی قریب قریب ایک ہی طرح کی ہیں تو اکثر ضرورتوں اور حاجتوں کی کشمکش میں آدمی آپس میں لڑنے جھگڑنے بھی لگتے ہیں۔ اور لڑائی جھگڑا بھی تو تو میں میں تک ہو تو خیر باتوں باتوں میں خون خرابے تک کی نوبت پُہنچ جاتی ہی۔ آخر بزرگوں نے دیکھا کہ یہی حالت رہی تو ایک دن یہ سب کٹ مریں گے۔ اور آدم کی نسل معدوم ہو جائے گی ناچار سلطنت کا دستور نکالا اور اپنے میں سے ایک کو سب کا سر دھرا یعنی بادشاہ بنا کر اُس کو خدمت سپرد کی۔ کہ اپنی رعایا میں سے کسی کو دوسرے کے حقوق میں دست اندازی نہ کرنے دے اور لوگ اَمن و اَمان کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ اور طوعاً کرہاً سب اُس کا حکم مانیں۔ کچھ شک نہیں کہ اس انتظام سے زور و ظلم کا بہت کچھ انسداد ہوا۔ مگر اس انتظام میں کئی نقص بھی تھے اور ہیں جو اَمن کو جیسا چاہیے قائم نہیں ہونے دیتے اوّل تو وقت کا بادشاہ جو اَمن کا قائم رکھنے والا ہو وہ بھی آدمیوں میں کا ایک آدمی ہی اور حرص اور طمع اور خود غرضی اور غصہ کہ اکثر ایسی ہی باتوں سے فساد پیدا ہوتا ہی یہ سب بلائیں اُس پر مسلط ہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہی

---

۵۱ شاید اُس ظریف کا مطلب یہ ہی کہ مرنے کا کفن دفن بے دوسری کی مدد کے نہیں ہوتا ۱۲٭

۵۲ اسی کا نام ہی تمدّن آدمی کو محتاجِ تمدّن دیکھ کر مجرموں کی سزاؤں میں سے ایک سزا نفی عن البلد (دیس نکالا) قرار پائی۔ مجرم جو سمندر پار کالے پانی بھیج دیئے جاتے ہیں یہ بھی نفی عن البلد کی ایک شان ہی۔ علی ہذا القیاس برادری سے خارج کر کے حقّہ پانی بند کر دینا جو ہندوؤں میں اور نیچ قوموں میں ابھی تک بکثرت شائع ہی۔ ابتدائے اسلام میں کفارِ قریش نے ایسی ہی سزا جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور اُن کے ارادتمندوں کو بھی دی تھی۔ کہ اُن کے ساتھ شادی بیاہ۔ کھانا۔ پینا۔ لین دین موقوف کر دیا تھا ۱۲

کہ خود اسی کی ذات سے اُمن میں بڑے بڑے رخنے پڑ جاتے ہیں۔ **دوسرے** وہ جو کہتے ہیں اکیلا سُور ما چنا بھاڑ کو تو نہیں پھوڑ سکتا۔ رعایا میں اَمن قائم رکھنے کے لیے بادشاہ کو چاہییں۔ اعوان و انصاد یعنی عملے فعلے۔ لاؤ لشکر۔ اور پھر وہ بھی آدمی ہوں گے اور اپنے اغراض کو دخل دے کرنئے نئے فساد کھڑے کریں گے اور ہی کچھ کچہریوں اور عدالتوں میں ہو رہا ہی۔ غرض اس ظاہری سلطنت کے انتظام سے تو لوگوں میں کامل اَمن و اَمان کے قائم رکھنے کی توقع کرنی فضول ہی۔ **مصرع** اوخویشتن گم است کرا رہبری کند ٭ با این ہمہ منصف مزاج اور خدا ترس بادشاہوں نے بہتیرا کچھ کیا ہی اور اَب بھی بہتیرا کچھ کر رہے ہیں۔ اور اس لیے وہ ہماری شکر گزاری کے مستحق ہیں۔"

"بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہی کہ دنیا کا انتظام حُکّامِ وقت کرتے ہیں۔ اور جُرموں کا انسداد جتنا کچھ بھی ہی اُن کے قوانین کی وجہ سے ہی کہ قانون کے ڈر سے کوئی کسی پر کسی طرح کی زیادتی نہیں کرتا اور کرتا ہی۔ تو اُس کو زیادتی کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہی۔ ہم کو بھی اس سے انکار نہیں۔ مگر ہمارا کہنا یہ ہی کہ ایک چھٹانک انتظام حُکّامِ وقت کا قانون کرتا ہی۔ تو اُس کے مقابلے میں مَن بھر بلکہ زیادہ قانونِ الٰہی کرتا ہی جس کا دوسرا نام ہی **شریعت** یا **دین** یا **مذہب**[۵] اس لیے کہ **اوّل** تو حاکمِ وقت کا قانون نقل ہی قانونِ الٰہی کی۔ اور نقل بھی ہی تو ناقص و ناتمام۔ کجا حاکمِ وقت اور کجا خدائے تعالیٰ۔ **مصرع** چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک ٭ حاکمِ وقت کیسا ہی بیدار مغز اور با اقتدار ہو پھر بھی بندہ بشر ہی۔ مُرکّبٌ مِّنَ الْخَطَاءِ وَالنِّسْيَانِ اور اُس کا اختیار بھی محدود ہی اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا[۵۱] آدمی کیا اُس کا قانون کیا پدّی کیا پدّی کا شوربا **دوسری** بات یہ ہی کہ جُرموں کا وقوع اس طرح پر ہوتا ہی کہ مجرم پہلے جرم کا ارادہ کرتا ہی۔ پھر جس فعل کا ارادہ کرتا ہی۔ اُس کو کر گزرتا ہی تو ارادے تک حاکمِ دنیا اُس کا کچھ نہیں کر سکتا اس لیے کہ اُس کو لوگوں کے دلی ارادے کا علم نہیں ہو سکتا۔ ہاں وقوعِ جُرم کے بعد وہ اختیار رکھتا ہی۔ کہ مجرم کو سزا دے۔ غرض جُرم کا ارادہ قانونِ دنیا کی رُو سے جرم نہیں لیکن قانونِ الٰہی میں جرم کا ارادہ کرنا بھی جُرم ہی۔

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ط (البقرہ ع ۴۰)

اور (لوگو!) جو تمہارے دلوں میں ہی اگر اُس کو ظاہر کرو یا اُس کو چھپاؤ اللہ تم سے اُس کا حساب لے گا۔

اور ظاہر ہی کہ ارادہ اصل ہی اور فعل اُس کی فرع تو نتیجہ کیا نکلا کہ قانونِ الٰہی جرموں کو جڑ سے اکھاڑتا ہی اور حاکمِ وقت کا قانون جرموں کی جڑ پر تو دسترس نہیں رکھتا۔ ٹہنیوں اور پتّوں کو کاٹتا چھانٹتا رہتا ہی۔ بدی کی جڑ بدستور قائم ہی۔ یا دوسرے لفظوں میں یُوں سمجھو کہ

---

۵۱ آدمی بھول چوک کا پُتلا ہی ۱۲ ۵۲ تو دنیا کی اسی زندگی پر حکم چلا سکتا ہی (فرعون دعوی خدائی کرتا تھا حضرت موسےٰ علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تو انھوں نے فرعون اور اُس کی قوم کو خدائے واحد کی طرف بلایا مگر فرعونیوں نے حضرت موسیٰ کو جادوگر بتلایا اور اُن کے مقابلے کے لیے دُور دُور کے مشہور جادوگر جمع کیے ایک وسیع اور ہموار میدان میں مقابلہ ہوا اور انجام کار جادوگر مغلوب ہو کر حضرت موسےٰ پر ایمان لائے یہ دیکھ کر فرعون نے جادوگروں کو سزا سے ڈرایا دھمکایا اس پر جادوگروں نے جو موسےٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے یہ کہا) ۱۲

۵ آج کل سودیشی وغیرہ قسم کی جو شورشیں ہو رہی ہیں یہ نتیجے ہیں اس کے کہ تعلیم میں مذہب داخل نہیں اور تعلیم یافتہ انگریزی خوانوں کے دل سے بوجہ ناواقفیت مذہب کی حکومت اُٹھ گئی ہی پس اُن کے دل خود سر ہیں خدا کی حکومت سے آزاد اسی واسطے وہ حکّامِ ظاہر کی حکومت سے آزادی چاہتے ہیں۔ اسلام کی رُو سے حکّامِ ظاہر کی حکومت کی اطاعت متفرع ہی آیۂ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اُولی الامر منکم پر مگر جس نے اس آیت کو سُنا تک نہ ہو وہ اُس پر عمل کرے کیا

کہ قانونِ الٰہی باطن اور ظاہر دونوں کی اصلاح کرتا ہی اور حاکمِ وقت کا قانون فقط ظاہر کی - محکّامِ وقت کے قانون میں اس کے سوا ایک نقص اور ہی کہ اس قانون میں ثبوتِ جُرم کا مدار شہادت پر ہی - اور شہادت نہ ہو یا ہو اور کافی نہ ہو تو مجرم سزا سے بچ جاتا ہی اور ایسی صورتیں ہر حاکم کے اجلاس میں روز پیش آتی رہتی ہیں - بخلاف اِس کے قانونِ الٰہی کا مجرم سزا سے بچ ہی نہیں سکتا - نفسِ لوّامہ کا مجسٹریٹ مجرم کے دل میں بیٹھا ہوا اُس کو ندامت اور ملامت اور حسرت اور افسوس کی سزا دے رہا ہی جس کی سزا قید اور جرمانے اور تازیانے سے بڑھ کر ہی"

(ش) بے شک اب سمجھ میں آیا کہ دنیا کا انتظام جہاں تک اِس کو آدمی سے تعلق ہی ہمدردی اور احساسِ حُسن و قبحِ افعال کو اس میں بہت بڑا دخل ہی -

(م) ابھی تک بھی تم نے ہمدردی اور احساسِ حُسن و قبحِ افعال کی عظمت کا واجبی اندازہ نہیں کیا - ہمدردی کہنے کو ایک مختصر سا لفظ ہی مگر اس میں دیوانی فوجداری وغیرہ یعنی فقہ کے تمام ضوابط اور قوانین اور احکام داخل ہیں - واضع قانون کیا کرتا ہی کہ مثلاً چوری کی نسبت اُس کو قانون بنانا ہی تو وہ خیال کرتا ہی کہ مثلاً زید میرے گھر میں چوری کرے تو اُس کے اِس فعل سے مجھے راحت پونہچے گی یا تکلیف - اُس کا دل اندر سے بولتا ہی کہ تکلیف - اب وہ ہمدردی کی بنا پر خیال کرتا ہی کہ جیسا بشر ہُں ویسے بشر اَنگ ڈھنگ فلاں وبہماں سب - جیسا احساسِ تکلیف مجکو ویسا اُن کو - پس وہ چوری کو قیاساً علیٰ نفسہٖ جرم قرار دیتا ہی - اب وہ سوچتا ہی کہ چوری سے امن میں خلل پڑتا ہی - اِس کا انسداد ہو تو کیونکر ہو - پس وہ چور کی سزا تجویز کرتا ہی تاکہ چور سزا کے ڈر سے پھر ایسی حرکت نہ کرے اور دوسروں کو بھی عبرت ہو - اور یہی حال ہی تمام مسائلِ فقہی کا - اوامر کا نواہی کا تمام افعال مستحقِ اجر اور مستوجبِ عقاب کا - ہمدردی اور احساسِ حُسن و قبحِ افعال کا خیال بقائے روح کے خیال کے ساتھ مل کر ایک بڑے ضروری خیالِ عاقبت کو ہماری فطرۃ کے حدود میں لے آتا ہی - کہ یہ نہ ہو تو دُنیا کیا ہی ایک جملہ ہی ناتمام جس میں مُبتدا کی خبر نہیں شرط کی جزا نہیں -

(ش) یہ تو کچھ اچھی طرح سمجھ میں نہیں آیا -

(م) کیا مضایقہ - بات ذرا ہی بھی پیچیدہ - مطلب ہی کہ آدمی نے دیکھا کہ علّت و معلول اور اسباب و نتائج کا جیسا قاعدہ موجودات میں ویسا آدمی کے افعال میں - موجودات میں تو ہم دیکھتے ہیں کہ نقضِ قاعدہ کبھی نہیں ہوتا - آدمی کے افعال میں قاعدے کا عملدرآمد یکسانی کے ساتھ کیوں نہیں - ہر بدکرداری ہر نافرمانی - ہر سرتابی پر سزائے عاجل اِسی زندگی میں کیوں مرتّب نہیں ہوتی - آدمی یہ سوچ ہی رہا تھا - کہ بقائے روح کے خیال نے اس کو متنبہ کیا - اور وہ سمجھا کہ علّت و معلول اور اسباب و نتائج کا قاعدہ تو صرف لزومِ علّت و معلول کو ظاہر کرتا ہی - کہ سبب پایا جائے گا - تو اُس کا نتیجہ لازمی ضرور ہو کر رہے گا - سو یہ ہو تو اور بدیہ ہو تو - اور چونکہ آدمی مرنے سے معدوم نہیں ہوتا - اور مرے پیچھے بھی اُس کی روح باقی رہتی ہی - اور بقائے روح بھی ایک طرح کی زندگی ہی تو گو دنیا کی زندگی میں مجرم کو نتیجۂ بد پیش نہ آیا - بقائے روح کی زندگی میں پیش آکر رہے گا مگر پیش آکر رہے گا ضرور - اور وہاں کا نتیجۂ بد یعنی سزا یا عذاب (خدا اُس سے محفوظ رکھے) دُنیا کے نتیجۂ بد سے زیادہ موذی ہوگا

وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا اور آخرت کا عذاب تو (دنیا کے عذاب سے) کہیں بڑھ کر ہی - ای کاش

یَعْلَمُوْنَ ○ (النحل ع ۱۰) (اس زمانے کے کافر سمجھتے ہوتے۔

دیکھو معمارِ فطرت حسبِ ترتیبِ ذیل مذہب کی عمارت کو کس طرح درجہ بدرجہ بناتا ہے۔

(۱) معرفتِ الٰہی (۲) عبادت (۳) رضا جوئی (۴) ہمدردی (۵) احساسِ حسن وقبحِ افعال (۶) جزا سزا (۷) عاقبت

انسان کو خدا کا بڑا ہی احسان ماننا چاہیئے کہ اُس نے آدمی کو جب کہ وہ جانوروں جتنی عقل بھی نہیں رکھتا تھا۔

قطعہ

مرغک از بیضہ بروں آید و روزی طلبد — آدمی زادہ ندارد خرد و عقل و تمیز

آں بناگاہ کسے گشت و بچیزے نہ رسید — ویں بہ تمکین و فضیلت بگزشت از ہمہ چیز

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ — اور (لوگو!) اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا

لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ — (اور اُس وقت) تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور تم کو کان دیئے

وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (النحل ع ۱۱) — اور آنکھیں (دیں) اور دل دیئے تاکہ تم (اس کا) شکر کرو ف

غرض خدا نے محض اپنی مہربانی سے آدمی کو جب کہ وہ جانوروں جتنی عقل بھی نہیں رکھتا تھا تعلیم کے لیے اُستادِ فطرت کے حوالے کیا فطرت نے اس کو ایسی مفید اور نافع تعلیم دی جس سے دنیا اور آخرت دونوں میں آدمی کا بیڑا پار ہو گیا۔ اور اُس کو کسی کی منت نہ اُٹھانی پڑی۔ اب ذرا تھوڑی دیر کے لیے پھر عمارت کے ضلع میں آؤ کہ معمارِ فطرت نے مذہب کی عمارت تو بنا کھڑی کی جس میں کسی طرح کی کور کسر نہیں۔ مگر اُس کی نگہداشت کا انتظام بھی ضرور ہے۔ کہتے ہیں کہ جس مکان میں چالیس دن جھاڑو نہ دی جائے رات کے وقت چراغ نہ جلے اُس کی لیپ پوت نہ ہوتی رہے بڑے بڑے کھنڈر ہو جاتا ہے۔ تو خدا جس کو ہر طرح پر انسان کی پرداخت منظور تھی اُس کے مذہب کی عمارت کو درست رکھنے کے لیے پیغمبر بھیجتا رہا۔

(ش) یہ کام بھی فطرت ہی سے لینا تھا۔

(م) پھر تم نے خدا کے کاموں میں دخل دیا۔ ع خدا کی باتیں خدا ہی جانے + اور میں تم کو اس بیہودگی پر کئی بار ملامت کر چکا ہوں تم اپنی ہستی کو کیوں بھولتے ہو۔ تو گدھی کمہار کی تجھے رام سے کو نسا کام۔ کہاں راجہ بھوج کہاں گنگا تیلی۔ مچھر کو کہتے ہیں کہ اُس کی میعادِ حیات تین دن ہے۔ اس کو کیا زیبا ہے کہ عالَم کے حدوث و قدم میں رائے زنی کرے ؎

کیا جانیں ہم زمانے کو حادث ہے یا قدیم — کچھ ہو بلا سے اپنی کہ ہیں فانیوں میں ہم

(۹) رسالت

(ش) (دونوں گلوں پر تھپیڑ مار کر) الٰہی توبہ۔ الٰہی توبہ۔

(م) میں نے تو تمہارے سمجھانے کو عمارت اور اُس کی نگہداشت کے ضلع میں بات کہی تھی۔ ورنہ جب سے انسان تبھی سے فطرت تبھی سے مذہب۔ تبھی سے پیغمبر۔ پیغمبر تو شروع ہی سے فطرت کی تائید میں لگے ہیں۔

(ش) چاہیئے تھا کہ پیغمبروں کے آنے سے مذہب کے قبول کرنے میں آسانی ہوتی۔ کیونکہ ایک فطرۃ کا تقاضا دوسرے

ف مطلب یہ ہے کہ جب پیدا ہوتے وقت تم بے شعور محض تھے تو اسی سے معلوم ہوا کہ تم اپنے ارادے سے نہیں پیدا ہوئے ۱۲

پیغمبروں کی تائید مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خلاف توقع آسانی کے عوض مشکلیں بڑھ گئیں۔ خدا خدا کرکے فطرت کے تقاضے سے خدا کو پہچانا تھا اُس کی مرضی معلوم کی تھی۔ اَب وہی دقتیں رسولوں کے بارے میں اُٹھانی پڑیں۔ اس لیے کہ خدا کے بارے میں اتنا اختلاف نہیں جتنا کہ رسولوں کے بارے میں آپ ہی نے فرمایا تھا کہ جب سے آدمی ہیں تبھی سے پیغمبر بھی ہیں ایک۔ اور دوسرے اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (کوئی اُمت ایسی نہیں رہی کہ اُس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔)

اور وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا ۝ (بنی اسرائیل ع ۲۔) اور جب تک ہم رسول بھیج کر اتمام حجت نہ کر لیں کسی کو اُس کے گناہ کی سزا نہیں دیا کرتے۔

اس رُو سے خدا جانے کہاں کہاں کتنے پیغمبر ہوئے۔ اِن کی کوئی کامل فہرست مرتب نہیں۔ اُمتوں کا حال یہ کہ تمام روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہیں۔ شروع شروع میں تو لوگ باہم آمد و رفت کم رکھتے تھے۔ اور ایک ملک کے رہنے والوں کو دوسرے ملک والوں سے کچھ بحث نہ تھی۔ جیسی جیسی دنیا ترقی کرتی گئی۔ لوگوں میں اختلاط بڑھتا گیا۔ نوبت باین جا رسید کہ اَب تمام روئے زمین کے باشندے گویا ایک ہی اُمت ہیں۔

(مُسلم) تمہارا قطع کلام کرکے کہتا ہوں کہ اسی واسطے تو ہم مُسلمان رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث الی کافۃ الناس مانتے ہیں وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (السبا ع ۳۔) اور (اے پیغمبر) ہم نے تو تم کو تمام (دنیا کے) لوگوں کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا ہے۔

(رش) خیر میں اس میں بعد کو کلام کروں گا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اَب تمام روئے زمین کے باشندے گویا ایک ہی اُمت ہیں ایسا کون سا ملک ہے جس کا جغرافیہ اور ایسی کون سی قوم ہے جس کی تاریخ نہیں۔ اسلام عرب کی پیداوار ہے۔ اس کے پیرو اپنے ساتھ یہود اور نصاریٰ دو مذہبی گروہوں کو اہلِ کتاب مانتے ہیں۔ اہلِ کتاب وہ لوگ جن کو خدا کے یہاں سے عمل کرنے کے لیے کتاب ملی ہو۔ تو قرآن میں جا بجا ضمناً اُن ہی پیغمبروں کا مذکور ہے۔ جن کے نام حضرت موسیٰ کی توراۃ اور حضرت عیسےٰ کی انجیل میں پائے جاتے ہیں وہ بھی سب کا نہیں۔ اور اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ عرب میں مُشرکوں اور بُت پرستوں کے علاوہ یہود اور نصاریٰ دو ہی مذہبی گروہ بستے تھے اور ان کے پیغمبروں کا مذکور بھی قرآن میں استشہاد کے طور پر ہے۔ کہ ان کی تعلیم بھی قرآن کی تعلیم سے متحد تھی۔ بعد کو یہود اور نصاریٰ نے اِس میں ردّ و بدل کر دیا ہے۔ غرض قرآن میں دوسرے ممالک دور دست کے پیغمبروں کا کہیں نام و نشان تک نہیں۔ حالانکہ کوئی ملک کبھی بے پیغمبر کے نہیں رہا جیسا کہ قرآن خود اس کا معترف ہے۔ پھر ایک مصیبت یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ اور مُسلمان بھی پیغمبروں کے بارے میں مختلف ہیں یہود ہیں کہ مسیح علیہ السلام کو نہیں مانتے یہود و نصاریٰ دونوں پیغمبر صاحب اسلام کو۔ غرض پیغمبروں کی تشریف آوری نے تو مذہب کو بیخ و بُن سے ہلا مارا۔ جو شخص مذہب کی تحقیق کرنا چاہے اُس کو بڑی ہی مشکل پیش آتی ہے۔ اور وہ نفسِ مذہب کی طرف سے مایوس ہو کر بیٹھ رہتا ہے۔ اور

ـــــ
[۱] اس کا پہلا ٹکڑا یوں ہے اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَّنَذِيرًا ۚ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ۔ یعنی (اے پیغمبر) فی الواقع ہم ہی نے تم کو (خوشنودیٔ خدا کی) خوش خبری سُنانے والا اور (عذابِ خدا سے) ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔ اور کوئی اُمت ایسی نہیں (رہی) کہ اُس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو ۱۲

"تقاضائے فطرت جو پہلے ہی سے ضعیف تھا مضمحل ہو کر بے اثر ہو جاتا ہے۔

(م) یہ دقتیں جو تم بیان کرتے ہو بالکل ٹھیک ہیں اور میں خود مدتوں اِن میں غلطاں پیچاں رہا ہوں۔ اور بارہا مجکو خیال آیا ہے کہ اس جھگڑے کو الگ کروں مگر خدا نے میری دست گیری کی اور میں مذہب کی بھول بھلیاں سے کو رانکل آیا۔ اور اب خدا کے فضل سے مجکو مذہب کی طرف سے پورا اطمینان ہے کہ لَوْ كُشِفَ الْغِطَاءُ لَمَا ازْدَدْتُ يَقِينًا مگر ہاں یہ ہے کہ میری مت کسی کی مت سے نہیں ملتی۔ اور اسی وجہ سے کسی کسی وقت مجکو خیال آتا ہے کہ اور لوگ بھی میری ہی طرح کی عقل رکھتے ہیں۔ اُن کی فطرت بھی میری ہی طرح کی ہے۔ نیکی بدی کا معیار بھی میرا اُن کا قریب قریب یکساں سا ہے۔ اُن پر بدگمانی کرنے کا مجکو کوئی حق نہیں کہ اُنھوں نے جان بوجھکر غلط رستہ اختیار کیا ہے تو کیوں میں اُن کو ہر سرِ ناحق اور جہنمی کے مقابلے میں اپنے تئیں بر سرِ حق سمجھوں۔

(س) یہ عقدۂ مشکل آپ نے کیوں کر حل کیا ہوگا؟

(م) جس طرح قرآن کے ذریعے سے اور عقدے حل کیے۔ اسی طرح اس عقدے کو بھی حل کیا۔ میں نے قرآن میں پڑھا کہ خدا جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرماتا ہے۔

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (الغاشیۃ ع ۱ -) — تو (اے پیغمبر تم لوگوں کو) سمجھاؤ (اور) تم تو (خالی) سمجھا دینے والے ہو اور بس تم اُن پر کچھ داروغہ کی طرح تو تعینات ہو) نہیں۔

اور آیات مَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ۝ (الانعام ع ۱۳ -) — اور (اے پیغمبر ان مشرکوں سے کہو کہ) میں تم لوگوں کا کچھ محافظ تو ہوں نہیں

اور وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۚ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۝ (الانعام ع ۱۳ -) — اور (اے پیغمبر) ہم نے تم کو ان (مشرکین) پر (کوئی) محافظ تو مقرر کیا نہیں اور نہ تم اُن پر تعینات ہو (کہ اُن کو بھٹکنے نہ دو)

اور لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ۔ (الکفرون ع ۱ -)[1] — تم کو تمھارا دین اور مجکو میرا دین

اور فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (الکھف ع ۴) — پس جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے۔

اسی کی تائید میں ہیں تو میں نے ؎

رندِ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو — تجکو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

---

[1] مزید توضیح کے لیے اوپر کی آیتیں مع ترجمے کے نقل کر دی جاتی ہیں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ یعنی (اے پیغمبر ان کافروں[2] سے) کہو کہ اے کافرو نہ (تو اس وقت) میں (تمھارے) اُن (معبودوں) کی پرستش کرتا ہوں جن کی تم پرستش کرتے ہو اور جس (خدا) کی میں پرستش کرتا ہوں تم بھی (اس وقت) اُس کی پرستش نہیں کرتے اور (آیندہ بھی) نہ (تو) میں (تمھارے) اُن (معبودوں) کی پرستش کرونگا جن کی تم پرستش کرتے ہو اور نہ تم ہی سے توقع ہے کہ) اُس (خدا) کی پرستش کروگے جس کی میں پرستش کرتا ہوں (تو میرا تمھارا میل کیا) تم کو تمھارا دین اور مجکو میرا دین ۱۲

[2] کافروں نے دیکھا کہ اسلام بڑھتا ہی چلا جاتا ہے تو عاجز آکر پیغمبر صاحب سے درخواست کی۔ کہ آؤ ہم تم باری باندھ لیں ایک سال ہم تمھارے خدا کی پرستش کر لیا کریں ایک سال تم ہمارے بتوں کی پرستش کر لیا کرنا اُس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی کہ ہم میں تم میں نہ تو ابھی موافقت ہے اور نہ آیندہ ہو سکتی ہے توحید اور شرک کیسے جمع ہو سکتے ہیں تو یہ تمھاری درخواست محض بیہودہ درخواست ہے ۱۲ ؎

کارِ خود کن کارِ بے گانہ مکن — در زمینِ دیگراں خانہ مکن

کو اپنا دستور العمل قرار دیا۔ پیغمبر صاحب تو تبلیغ اسلام ہی کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ ع ۱۰-)

اے پیغمبر جو (احکام) تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئے ہیں (ربلا کم و کاست لوگوں کو) پونہچا دو اور اگر تم نے (ایسا) نہ کیا تو (سمجھا جائے گا کہ) تم نے خدا کا (کوئی) پیغام بھی لوگوں کو نہیں پونہچایا اور اللہ تم کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا

اور آیاتِ مذکورۂ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ نا مسلموں کے مذہب سے تعرض کرنے کی ممانعت ہے تو اِن دونوں باتوں میں بظاہر ایک طرح کا تناقض پایا جاتا ہے۔ آیہ

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (النحل ع ۱۶-)

(اے پیغمبر لوگوں کو) عقل کی باتوں اور اچھی اچھی نصیحتوں سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ اور اُن کے ساتھ بحث (بھی) کرو (تو) ایسے طور پر کہ وہ (لوگوں کے نزدیک) بہت ہی پسندیدہ ہو

نے تناقضِ ظاہری کی توفیق کر دی اور تبلیغ رسالت کو بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ کے ساتھ مقیّد و محدود کر دیا۔ اِس پر بھی کہا جاتا ہے کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا گیا ہے

سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ (النور ع ۲) — حاشا و کلا یہ تو بڑا (بھاری) بہتان ہے۔

مَیں نے سوچا کہ مَیں تو پیغمبر بھی نہیں اور بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ کا عمل بھی بے تاثیر ہے۔ اور

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (آل عمران ع ۱۱)

اور (مسلمانو) تم میں ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہیے جو (لوگوں کو) نیک کاموں کی طرف بلائیں اور اچھے کام (کرنے) کو کہیں اور بُرے کاموں سے منع کریں۔

کے فرضِ کفایہ کا بیڑا مولوی اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اِن خیالات کی وجہ سے مَیں تو کسی کے مذہب سے کوئی بھی ہو کچھ سروکار ہی نہیں رکھتا اگر کسی کو اسلام میں آتا سنوں تو خوش نہیں ہوتا۔ "چند بشکل برائے اکل" جاتا سنوں تو افسوس نہیں کرتا "خس کم جہاں پاک"۔ لوگ جو پیشوایانِ مذہب اور بزرگانِ ادیان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں کہ ایک کو بڑھاتے "پیراں نے پرند مریداں مے پرانند"۔ "پیرِ من خس است اعتقادِ من بس است" ۔ ایک کو گھٹاتے قطعہ

چشمِ بد اندیش کہ برکندہ باد — عیب نماید ہنرش در نظر
ور ہنرے داری و ہفتاد عیب — دوست نہ بیند بجز آن یک ہنر

وَعَيْنُ الرِّضَى عَنْ كُلِّ عَيْبٍ كَلِيلَةٌ — وَلَكِنَّ عَيْنَ السُّخْطِ تُبْدِي الْمَسَاوِيَا

ہیں تو اِس لڑائی کو اِس سے زیادہ وقعت نہیں دیتا کہ "شیر شاہ کی ڈاڑھی بڑی تھی یا سلیم شاہ کی"۔ جتنے دین دنیا میں جاری ہیں

سلہ اور خوشنودی و رضامندی کی آنکھ ہر عیب سے اندھی ہوتی ہے لیکن دشمنی اور ناپسندیدگی کی آنکھ تمام برائیوں کو ظاہر کر دیتی ہے ۱۲

چاہے وہ دین خدائی دین ہو یا آدمی کا بنایا ہوا صداقت سب میں ہی۔ دین کسی آدمی نے بھی بنایا ہو۔ تو وقت اور موقع کے لحاظ سے آدمی کے فائدے کے لیے بنایا ہی نہ اُس کے نقصان کے لیے۔ آغاز میں سب دین بجائے خود معقول تھے۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا۔ اُس کے معتقدین کے تصرفات سے اُس میں نامعقولیت آتی گئی۔ سب سے جدید العہد مذہب اسلام ہی با اینہمہ اتنے ہی دنوں میں اُس کے معتقدات اُس کے اعمال میں اتنا ردّ و بدل ہو گیا ہی کہ اسلام خالص سے کچھ مناسبت نہیں۔ وائے بر حال دوسرے ادیان کے جو اسلام سے بہت زیادہ عمر کے ہیں۔ اگر تمام مذاہب کے پیرو اس بارے میں میرے ہم خیال ہو جائیں۔ تو دنیا کی کایا پلٹ جائے مگر کیوں ہونے لگے۔

وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (ھود ع ۱۰) اور لوگ ہمیشہ (آپس میں) اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر تمھارا پروردگار فضل کرے اور اسی لیے تو اُن کو پیدا کیا ہی۔

(س) اتنا رگفتگو میں میرے مونھ سے یہ بات نکل گئی تھی کہ خدا کو جو کام پیغمبروں سے لینا تھا وہ بھی فطرۃ ہی سے لینا تھا اس پر آپ نے مجکو بڑی سختی سے زجر کیا تھا اور آپ کا زجر بجا تھا مگر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ خدا کے کام میں اُس کی مصلحتیں اور حکمتیں دریافت کرنے کی نیت سے رائے کے دخل دینے اور غور کرنے میں بھی کچھ قباحت ہی؟

(هم) قباحت کیسی۔ غور و فکر سے تو ایمان اور قوی اور یقین حق الیقین ہوتا ہی۔

(س) بارے پوچھ کچھ کا رستہ تو کھلا بھلا یہ تو فرمائیے کہ پیغمبر بھی ہم ہی جیسے آدمی ہیں۔

(هم) آدمی ہیں مگر ہم جیسے نہیں۔

(س) کیا پیغمبروں کی فطرت کچھ دوسری طرح کی ہی۔ ہماری فطرت سے متغایر۔

(هم) جنسیت کے اعتبار سے تو ہماری اور پیغمبروں کی فطرت یکساں ہی

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (حٰم السجدہ ع ۱۔) (اے پیغمبر تم) ان لوگوں سے کہو کہ میں (بھی) تم ہی جیسا بشر ہوں مگر نوعیت کے اعتبار سے مختلف

يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ (حٰم السجدہ ع ۱) مجھ پر وحی آتی ہو کہ تمھارا معبود بس (وہی) ایک معبود ہی۔

قواعد فطری سب آدمیوں میں بلا استثنائے احدے یکساں ہیں۔ مگر افراط تفریط اور اعتدال قُوی کی رُو سے لوگوں کے مدارج متفاوت ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مبدأ فیاض نے حافظہ سب آدمیوں کے سروں میں رکھا ہی مگر کسی کا حافظہ قوی ہی۔ کسی کا ضعیف کسی کا درجۂ متوسط اور اسی پر دوسرے قُوی کو قیاس کرلو اس کو ایک مثال سے خوب سمجھو گے

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَّجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَىٰ بِمَاءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ

اور زمین میں پاس پاس کئی (کئی) قطعے (ہوتے) ہیں اور انگور کے باغ اور کھیتی اور کھجور کے درخت (جن میں بعض) دو شاخے (ہوتے ہیں اور بعض دو شاخے نہیں ہوتے) حالانکہ سب کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہی (اور پھر بھی) ہم بعض کو بعض پر پھلوں میں برتری دیتے ہیں۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ (الرعد ع ۱) — بے شک جو لوگ عقل کو کام میں لاتے ہیں اُن کے لیے ان باتوں میں (قدرتِ خدا کی) بہتیری ہی نشانیاں (موجود) ہیں۔

ایک درخت میں ایک قسم کے سیکڑوں ہزاروں پھل لگتے ہیں اُن میں سے معدودے چند ہر طرح سے عمدہ ہوتے ہیں۔ کہ کوئی پھل اُن کو نہیں پاتا۔ یہی حال پیغمبروں کا ہے۔ کہ اِن میں بھی سب بشری خواص موجود ہوتے ہیں۔ مگر درجۂ توسّط میں اور معتدل اور پیغمبروں کے معصوم ہونے کے بھی یہی معنے ہیں کہ اِن کے قُویٰ میں نہ افراط ہوتی ہے۔ کہ اُن کے زور کو دبایا جائے اور نہ تفریط کہ اُن کو زور دیا جائے یعنی۔

خَيْرُ الْأُمُورِ أَوْسَاطُهَا — بہترین اُمور بیچ کی راس کے کام ہیں

کی رُو سے وہ انسان کامل ہوتے ہیں اور اِسی اعتدالِ قُویٰ کی وجہ سے خدا اُن کو خدمتِ رسالت کے لیے منتخب فرماتا ہی کہ اپنا نمونہ دکھا کر دوسرے لوگوں کی فطری قوتوں کو اعتدال پر لانے کی کوشش کریں۔ تاکہ لوگوں میں قوائے فطری کے افراط و تفریط کی وجہ سے کسی طرح کی کشمکش واقع نہ ہو جس سے نقضِ امن لازم آئے۔ یہ ہی پیغمبروں کے بھیجنے کی اصلی غرض۔

(س) خدا نے انسان کی فطرت کو تو اپنی معرفت کا سبب قرار دیا اِس پر بھی آدم کی نسل میں چند ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ بعض نے انکار کیا بعض نے شرک کہ وہ انکار نہیں۔ تو مرادفِ انکار ہی اور بعض کے سر میں ایسا خنّاس سمایا کہ لگے أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ[1] کہنے پیغمبروں کی شناخت کا ذریعہ کیا ہی؟ پہچانیں گے نہیں تو مانیں گے کیا۔

(م) وہی فطرت۔

(س) فطرت کی چیخ پکار تو مکھی کی بھنبھناہٹ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ ہم میں سے ایک بدنام کنندۂ نکونامے چند خدا سے لڑنے کے لیے تو خم ٹھوک کر سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا هَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا — اور فرعون نے (اپنے وزیر ہامان سے) کہا کہ ای ہامان ہمارے لیے

---

[1] یہ فرعون کا مقولہ ہی جس کا قصہ قرآن مجید میں متعدد جگہ مختلف پیرایوں میں کہیں بالتفصیل کہیں بالاجمال مذکور ہوا اُس مقام پر جہاں کا یہ ٹکڑا ہی نہایت مختصر لفظوں میں یوں ارشاد ہوا ہی هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ۝ إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۝ فَقُلْ هَل لَّكَ إِلَىٰ أَن تَزَكَّىٰ ۝ وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ۝ فَأَرَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ ۝ فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَىٰ ۝ فَحَشَرَ فَنَادَىٰ ۝ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ۝ فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ ۝ یعنی (ای پیغمبر) موسیٰ کا قصہ بھی تم کو پہونچا ہی؟ جب اُن کو طُویٰ کے میدانِ پاک میں (جس میں کوہ طور واقع ہی) اُن کے پروردگار نے پکار کر فرمایا کہ (موسیٰ) فرعون کے پاس (چلے) جاؤ کہ اُس نے بہت سر اُٹھا رکھا ہی اور (اُس سے جا کر) کہو کہ بھلا تجکو اس کا بھی فکر ہی کہ تو (کفر کی گندگی سے) پاک صاف ہو جائے اور میں تجکو تیرے پروردگار کی طرف (کا) رستہ دکھادوں اور تو (اُس سے) ڈرے چنانچہ موسیٰ نے (جا کر) اُس کو (عصا کا) بڑا معجزہ دکھایا تو اُس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی (پھر اپنی جگہ کو) لوٹ گیا اور لگا (موسیٰ کے خلاف) تدبیریں کرنے یعنی (لوگوں کو) جمع کیا اور (اُن میں یوں) منادی کرادی اور (بآوازِ بلند) کہہ دیا کہ میں تمہارا (سب سے) بڑا پروردگار ہوں تو اُس کو خدا نے آخرت اور دنیا دونوں کے عذاب میں دھر پکڑا بے شک جو شخص (خدا سے) ڈرتا ہی اُس کے لیے اِس (واقعے) میں (بڑی) عبرت ہی ۱۲

لَعَلِّیْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۙ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓی اِلٰہِ مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّہٗ کَاذِبًا (المؤمن ع ۴-)

یک محل بنوا تاکہ جو آسمان (پر چڑھنے) کے رستے ہیں ہم (اُن رستوں) پر جا پُونچیں پھر ہم موسےٰ کے خدا تک (آسانی سے) پُونچ جائیں گے اور ہم تو موسےٰ کو (اس بیان میں) جُھوٹا ہی سمجھتے ہیں ف

مگر خدا اتنی دُور عرش پر جا بیٹھا کہ اُس تک ہمارا پہلوان پُونچ نہ سکا - اور اس سے خدا کی جان بچ گئی - پیغمبر بیچارے بھاگ کر کہاں جاتے اِن کے ساتھ

اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَھْوٰٓی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝ (البقرۃ ع ۱۱-)

تو (اے یہود) کیا (تم اِس قدر شوخ ہوگئے ہو کہ) جب جب تمھارے پاس کوئی رسول تمھاری اپنی خواہشوں کے خلاف کوئی حکم لے کر آیا تم اکڑ بیٹھے پھر بعض کو تم نے جُھٹلایا اور بعض کو لگے قتل کرنے ہوتا رہا -

(ہم) جن کے کانوں میں ایسے زبردست ٹینٹ ہیں کہ وہ فطرت کی چیخ پکار کو مکھی کی بِھنبِھناہٹ سمجھتے ہیں معلوم ہوا کہ وہ

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَھَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۫ لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا ۫ وَلَھُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِھَا ۫ وَلَھُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِھَا ۭ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ (الاعراف ع ۲۲-)

اور ہم نے بہتیرے جن اور انسان جہنّم ہی کے لیے پیدا کیے ہیں اُن کے دل تو ہیں (مگر) اُن سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے اور اُن کی آنکھیں بھی ہیں (مگر) اُن سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے اور اُن کے کان بھی ہیں (مگر) اُن سے سُننے کا کام نہیں لیتے (غرض) یہ لوگ چارپایوں کے مثل ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے ہوئے یہی وہ (لوگ) ہیں جو (دین سے بالکل) بے خبر ہیں -

ہیں ہیں اِن سے کہہ دو کہ نفخِ صور کے منتظر رہیں -

وَاسْتَمِعْ یَوْمَ یُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّکَانٍ قَرِیْبٍ ۙ یَّوْمَ یَسْمَعُوْنَ الصَّیْحَۃَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِکَ یَوْمُ الْخُرُوْجِ (ق ع ۳-)

اور (اے پیغمبر اِس بات کو گوشِ دل سے) سُن رکھو کہ جس دن (مُردوں کا) پکارنے والا (فرشتہ اسرافیل) پاس کے پاس سے (سب کو) آواز دے گا کہ (اُٹھو) جس دن (اس فرشتے کے) چیخنے کو (سب لوگ) بخوبی سُن لیں گے وہ دن (لوگوں کے قبروں سے) نکلنے کا ہوگا -

مطلب یہ ہے کہ فطرت ہی ایک ذریعہ خدا اور رسول پر ایمان لانے اور فوز و فلاحِ دنیا و آخرت کے حاصل کرنے کا ہے قوی ہے تو اور ضعیف ہے تو اسی سے کام لینا ہے خدا پر بھروسا کر کے ہاتھ پاؤں ہلاتے رہو - خدا تمھاری کوشش میں برکت دے گا - اُس کا وعدہ ہے -

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا

اور جن لوگوں نے ہمارے دین کے کام میں کوششیں کیں -

ف فرعون خود تو خدا کا قائل تھا ہی نہیں مگر اُس نے موسیٰ علیہ السلام سے سُنا تھا کہ خدا ہے اور وہ آسمان پر ہے - اور وہاں سے اُس کے فرشتے زمین پر آتے جاتے ہیں اس سے فرعون کو خیال ہوا کہ موسےٰ کے کہنے کے مطابق خدا آسمان پر ہے تو میں اُونچا محل بنوا کر آسمان تک پُہنچ سکتا ہوں ۱۲ +

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت ع ۷)

ہم (بھی) اُن کو ضرور اپنے رستے دکھائیں گے ف۱

مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيظُ (الحج ع ۲)

جو شخص (حالتِ مایوسی میں خدا کی نسبت ایسا گمان (بد) رکھتا ہو کہ خدا دنیا اور آخرت میں اُس کی مدد کرے ہی گا نہیں تو اُس کو چاہیے کہ اُوپر کی طرف کو ایک رسی تانے (اور اپنے گلے میں پھانسی لگائے اور) پھر (زمین سے اپنا) قطع (تعلق) کرے اور لٹک کر مرے) پھر دیکھے کہ آیا اُس کی (اس) تدبیر سے وہ شکایت جس کی وجہ سے ناخوش تھا رفع ہوئی یا نہیں ف۲

(س[۱۲]) یہ تو آپ کا بڑا دل شکن جواب ہے۔

(م[۱۲]) میرا جواب ہے یا خدا نے خود فرمایا ہے لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى اور یہ چاہو کہ تم ناک پر کی مکھی تک نہ اُڑاؤ تو جنت نانی جی کا گھر نہیں ہے کہ درانہ جا گھسے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتّٰى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيبٌ (البقرہ ع ۲۶)

(مسلمانو!) کیا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ (مفت سے) بہشت میں جا داخل ہو گے اور ابھی تک تم کو اُن لوگوں کی سی حالت پیش نہیں آئی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں (اُن کو سختیاں بھی پہنچیں اور تکلیفیں (بھی) پہنچیں) اور جھڑ جھڑائے (بھی) گئے یہاں تک کہ پیغمبر اور ایمان والے جو اُن کے ساتھ تھے چلا اُٹھے کہ (آخر) خدا کی مدد (کے آنے) کا کوئی وقت بھی ہے؟ سنبھلو سنبھلو اللہ کی مدد (کا وقت) قریب (آ لگا) ہے

جب آیہ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ نازل ہوئی تو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کُنبے کے مرد و زن سب کو جمع کرکے وعظ فرمایا اور وعظ کے ضمن میں اپنی صاحبزادی فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کو خطاب کرکے فرمایا فاطمہ! اس بھروسے مت رہنا کہ میں پیغمبر کی لختِ جگر ہوں خدا کے یہاں عمل پوچھے جائیں گے۔ عمل کرو عمل۔

ف۱ یہ پوری آیت مع فائدے کے اُوپر گزر چکی وہاں دیکھو ۱۲

ف۲ پہلے سے بت پرستوں پر یہ اعتراض چلا آرہا ہے کہ یہ لوگ اپنی حاجت روائی کے لیے بتوں کو پکارتے ہیں اور وہ اُن کو نفع نقصان کچھ بھی نہیں پہنچا سکتے لیکن کوئی کٹ حجت آدمی ایسی بدگمانی خدا کی شان میں بھی کر سکتا ہے۔ کیونکہ دنیا کے سارے کام آدمی کے مرضی کے مطابق نہیں چلتے اس کا جواب خدا یوں دیتا ہے کہ اس بدگمان آدمی کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے ارادے کو اپنے ارادے کا محکوم بنانا چاہتا ہے کہ جو وہ کہا کرے ہم کر دیا کریں لیکن یہ ہم کرنے والے نہیں اگرچہ معترض اپنے تئیں ہلاک ہی کیوں نہ کر ڈالے اگر ہم اپنے ارادے کو لوگوں کے ارادے کا ماتحت کر دیں تو اس کے یہ معنے ہیں کہ لوگوں کو شریکِ خدائی بنا دیں یہ درخواست محال ہے باقی رہے بت وہ تو برا بھلا کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ ہم سب کچھ کر سکتے ہیں لیکن مصلحت سے اور اپنی مرضی سے لوگوں کی خواہش کے مطابق بعض کام نہیں کرتے بت نہیں کرتے اس واسطے کہ کر نہیں سکتے ہم نہیں کرتے اس واسطے کہ کرنا نہیں چاہتے۔ اور کیوں نہیں کرنا چاہتے یہ ہماری خوشی تمہارا ہم پر کچھ زور نہیں ۱۲ ف۵ آدمی کو وتنا ہی ملے گا جتنی اُس نے کوشش کی ۱۲

یَا فَاطِمَۃُ اَنْقِذِیْ نَفْسَکِ مِنَ النَّارِ سَلِیْنِیْ مَا شِئْتِ لَآ اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا (رواہ البخاری)

اے فاطمہ اپنی جان کو آتش (دوزخ) سے بچالو دنیا میں جو چاہو مجھ سے مانگ لو مگر آخرۃ میں میں تمھارے کچھ بھی کام نہ آؤں گا۔

اور اسی طرح اپنی پھوپی حضرت صفیہؓ سے کہا۔ جب ان لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ ہی تو ہم نہ الّٰی الّذی نہ اُوتی الّذی۔ کس گنتی میں ہیں ایک ہندی کے دوہے کا بھی یہی مطلب ہی ؎

ذات پانت پوچھے نہیں کوئی   ہر کو بھجے سو ہر کا ہوئی

ع بندگی باید پیمبرزادگی درکار نیست ؎

پسر نوح[۱] بابداں بنشست   خاندانِ نبوتش گم شد

پیمبرزادگی کی پوچھ نہیں تو بزرگ زادگی کی کیا قدر ہو۔

(س) یہ آپ کا فرمانا سب سچ ہی اور مطابق فطرت ہی ع مزد آن گرفت جانِ برادر کہ کار کرد + اور میں جو کچھ بھی آپ سے پوچھتا ہوں۔ اسی غرض سے پوچھتا ہوں کہ عمل کی تحریک ہو۔ تو یہ فرمائیے کہ پیغمبر کی صداقت کی نشانی کیا ہی؟ اور پیغمبروں کے بارے میں ہم کو فطرت سے کیا مدد مل سکتی ہی؟

(ج) میں نے تم سے پہلے بھی کہا ہی اور اب پھر کہتا ہوں کہ نور فطرت خداداد ہی۔ اور اس میں دونوں طرح کی قابلیت ہی تعلیم و تربیت اور مشق و مہارت سے اس میں زیادہ چمک آسکتی ہی اور اگر اس کی طرف سے غفلت کی جائے اور اس کی خبر نہ لی جائے تو ماند پڑجاتا ہی مگر پھر بھی ٹمٹماتا رہتا ہی۔ وعظ و نصیحت کی ہوا لگی اور بھڑک اٹھا۔ باوجودیکہ اس زمانۂ فساد میں صداقۃ کا تھرمامیٹر گرا ہوا ہی۔ اور جھوٹ بہت چل پڑا ہی۔ بااینہمہ عدالتوں میں گواہوں کے حلفی بیان اسی بنا پر مقبول ہوتے ہیں۔ کہ راستی۔ اور حق گوئی انسان کی فطرت ہی۔ اور وہ گواہ کو سچ کے کہنے پر مجبور کرتی ہی۔ یوں شاید ایک گواہ قسم کھاکر جھوٹ بول بھی دے لیکن اگر وہ مسلمان ہی اور اس سے کہا جائے کہ قرآن ہاتھ میں لے کر یا اولاد کے سر پر ہاتھ رکھ کر اور ہندو ہی تو گنگا جلی لے کر گواہی دے تو غالب ہی کہ وہ جھوٹ نہیں بولے گا۔ پیغمبروں کی صداقت کی شناخت میں ہم کو انسان کی اسی فطرت سے مدد لینی چاہیئے خدا نے چاہا تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی صاف کھل پڑے گا۔ میں نے تو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی طرف سے اسی طرح اطمینان حاصل کیا۔

---

[۱] حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان کا قصہ جو اُن سے باغی ہوگیا تھا قرآن کی سورۂ ہود کے رکوع ۴ میں اس طرح پر آیا ہی وَھِیَ تَجْرِیْ بِھِمْ فِیْ مَوْجٍ کَالْجِبَالِ وَنَادٰی نُوْحُ ابْنَہٗ وَکَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا وَلَا تَکُنْ مَّعَ الْکٰفِرِیْنَ قَالَ سَاٰوِیْٓ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ وَحَالَ بَیْنَھُمَا الْمَوْجُ فَکَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ یعنی اور کشتی ہی کہ پہاڑ جیسی بلند لہروں میں (نوح اور) اُن کے ہمراہیوں کو لیئے چلی جارہی ہی اور نوح کا بیٹا اُن سے الگ تھا تو نوح نے اُسکو پکارا کہ بیٹا ہمارے ساتھ کشتی میں بیٹھ لے اور کافروں کے ساتھ نہ رہ وہ بولا میں ابھی تمھارے دیکھتے دیکھتے (تیرکر) کسی پہاڑ کے سہارے جا لگتا ہوں کہ وہ مجکو (طوفان کے) پانی سے بچالے گا نوح نے کہا کہ آج کے دن اللہ کے غضب سے کوئی بچانے والا نہیں مگر خدا ہی جس پر اپنا رحم کرے وہی بچ سکتا ہی اور باپ بیٹے (یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ) دونوں کے درمیان میں ایک موج آ حائل ہوئی تو دوسروں کے ساتھ نوح کا بیٹا بھی ڈبو دیا گیا ۱۲+

(س) اِس اجمال سے تو میری تسلی نہیں ہوتی اِس کو واضح طور پر بیان کیجئے۔

(م) مَیں جو مذہبِ حق کی تحقیق کرنے بیٹھا تو چھوٹتے کے ساتھ مَیں نے فیصلہ کرلیا کہ مذاہبِ مُروّجہ کو ایک دوسرے سے مقابلہ کرکے طوفانِ اختلاف میں حق کے دریافت کرنے کے لیے عمرِ نوح[1] اور صبرِ ایوبؑ[2] کہاں سے لاؤں گا یہ تو میرے بس کی بات نہیں نہ مجھ میں اتنی لیاقت نہ مجکو اتنی فرصت پس میں نے اپنی تحقیقات کو صرف اسلام میں محدود رکھا اور کسی دوسرے مذہب کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی تو نہ دیکھا۔ تحقیقات کو اسلام میں محدود رکھنے کے دو سبب ہوئے ایک یہ کہ میں حُسنِ اتفاق سے مُسلمان گھر میں پیدا ہوا۔ مسلمانوں میں پلا اور بڑا ہوا۔ اسلام کے قریب قریب کُل حالات مجکو معلوم تھے۔ دوسرے مذاہبِ مُرّوجہ کے مقابلے میں اسلام ہی جدید العہد تھا۔ اور یہ بات میرے ذہن میں بیٹھی ہوئی تھی کہ پُرانی باتوں میں کچھ نقص ہوتا ہی تو اُس نقص کے رفع کرنے کو نئی بات ایجاد کی جاتی ہی تو مَیں نے خیال کیا کہ تحقیقات کرنے سے اگر میرا دل اسلام کی طرف سے مطمئن ہو جائے تو بس میں نے حق پالیا۔ مجکو کسی دوسرے سے پُوچھنے کی کچھ ضرورت نہیں مَیں اپنے حق سے ادا ہوا۔ اِس تحقیقات میں بڑی خوبی تھی کہ کسی دوسرے کو اس میں دخل نہ تھا۔ اور مَیں نے دیکھا ہی اور مجھ پر خود گزری ہی کہ ایک فریقِ مقدمہ یا اُس کا وکیل اپنی چرب زبانی سے جج کو جادۂ حق سے منحرف کر دیتا ہی۔ مَیں ہی اس تحقیقات میں مدّعا علیہ تھا میرا دل گواہ اور میں ہی جج اور اس طرح پر جو فیصلہ مَیں نے کیا میرے نزدیک وہ فیصلہ ناطق ہی جس کا اپیل نہیں۔ اور اپیل کروں تو مَیں اور مجکو تو وہ فیصلہ تسلیم ہی۔ اور مَیں تو ہر جویائے حق کو یہی رائے دوں گا کہ اگر وہ دل سے جویائے حق ہی تو تحقیقات کا یہی طریقہ اختیار کرے جو میں نے کیا اِن شاء اللہ خاطر خواہ نتیجہ نکلے گا۔ مگر تحقیقات کنندہ جس مذہب کے لوگوں میں پیدا ہوا جن میں پلا اور بڑا ہوا اور اُسی مذہب میں وہ تحقیقات کو محدود رکھنا چاہتا ہی۔ اُس مذہب کے استحسان سے ذہن کو خالی کرنا ہی ذرا ٹیڑھی کھیر مگر چاہیے مولوی مجھ پر کفر کا فتویٰ ہی کیوں نہ لگادیں۔ میں تم سے سچ کہوں مَیں نے تو دورانِ تحقیقات میں ایسا ہی کیا تھا

(۱۰) پیغمبرِ اسلام کی صداقت

(س) سب صحیح مگر آپنے ابھی تک بھی یہ نہ بتایا کہ آپ نے پیغمبر صاحبِ اسلام کی صداقت کو فطرت کی کسوٹی پر کیوں کر آزمایا

(م) مَیں نے اس طرح آزمایا کہ پیغمبر صاحب کا زمانہ کچھ ایسا دُور نہیں جیسے اہلِ کتاب کے اَور پیغمبروں کا۔ اِن کے وقت کے آثار ابھی تک موجود ہیں۔ اگرچہ تاریخیں افراط و تفریط سے محفوظ نہیں۔ اور محفوظ ہو بھی نہیں سکتیں تاہم ایسی باتیں بھی ڈھونڈنے

[1] حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس [illegible] عمر رکھتے تھے جیساکہ قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہی وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَلَبِثَ فِیْہِمْ اَلْفَ سَنَۃٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا فَاَخَذَہُمُ الطُّوْفَانُ وَہُمْ ظَالِمُوْنَ یعنی اور ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تو وہ پچاس برس کم ہزار برس اُن (لوگوں) میں رہے پھر آخرکار اُن (کی قوم) کو طوفان نے آلیا اور وہ (بدستور) نافرمانیاں کر رہے تھے ۱۲

[2] ایوب علیہ السلام بڑے خوش حال پیغمبر تھے سب ہی طرح کی برکتیں مال معہ اولاد اور تندرستی وغیرہ خدا نے اُن کو دے رکھی تھیں اور وہ حالتِ خوش حالی میں خدا کے شکرگزار بندے تھے پھر خدا نے اُن کو مصیبت سے آزمانا چاہا۔ مال اور اولاد سب فنا ہوگئے اپنے تئیں کوڑھ کا مرض لگ گیا اور مشہور یہ ہی کہ بدن میں کیڑے بھی پڑ گئے تھے مگر اس حال میں بھی وہ خدا کا شکر کرتے رہے اور امتحان میں پورے اُترے تو خدا نے اپنے فضل سے اُن کی پھر ہی خوش حالی کی حالت کر دی بلکہ اُس سے [illegible]

سے مل جاتی ہیں جو مجمع علیہ ہیں۔ پھر ہیں نے سوچا کہ جیسا تناسب آدمی کے اعضا میں ویسا ہی تناسب اُس کے افعال میں یعنے انسان کے اعضا میں ایک طرح کی نسبت پائی جاتی ہی کہ سر اتنا بڑا ہاتھ پانوں اس قدر لمبے قد اتنا اونچا علے ہذا القیاس ناک گردن۔ انگلیاں۔ سینہ۔ کوئی عضو بے جوڑ نہیں۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ ۝ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ ۝ (التین ۱۶)

ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر ساخت کا پیدا کیا پھر ہم اُس کو (بوڑھا کرکے) کمتر سے کمتر مخلوق کے درجے میں لوٹا لائے مگر جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل بھی کیے (اُن کو تنزّلِ پیری سے تنگ دل نہ ہونا چاہیئے کیونکہ) اُن کے لیے (آخرت میں) اجر ہی بے انتہا تو (ای پیغمبر اب) کون ہی جو (ان سب باتوں کے معلوم کیے) پیچھے (روزِ) جزا کے بارے میں تم کو جھوٹا سمجھے کیا خدا سب حاکموں سے بڑا حاکم اور قدرت والا نہیں ہی؟ تو منکرینِ قیامت اُس سے کیوں نہیں ڈرتے۔

(ش ا) ہم نے تو کبھی اس کا خیال کیا نہیں۔

(م ا) مگر تناسُب تو ہی تم خیال کرو یا نہ کرو۔ مثلاً آدمی کا قد تا چنبر گردن اُس کی اپنی بالشت سے آٹھ بالشت اور تا کاسۂ سر دس بالشت اور اگر آدمی دونوں ہاتھ پھیلائے تو ایک ہاتھ کی بیچ کی انگلی سے دوسرے ہاتھ کی بیچ کی انگلی تک کا فاصلہ بھی اُس کی دس بالشت۔ اِسی طرح کا تناسُب کُل اعضا میں ہی۔ کوتہ گردن تنگ پیشانی۔ حرامزادے (شریر، مفسد) کی ہی نشانی

كُلُّ طَوِیْلٍ اَحْمَقُ اِلَّا عُمَرُ ؓ وَكُلُّ قَصِیْرٍ فِتْنَةٌ اِلَّا عَلِیٌّ ؓ

عمرؓ کے سوائے جو لمبے قد کا ہوگا بے وقوف ہوگا اور علیؓ کے سوائے جو پست قد ہوگا شریر ہوگا۔

خصائصِ فطری کے اعتبار سے انگریزوں کی ولایت کے عجائب خانوں میں ظالموں اور خدا پرستوں اور بخیلوں وغیرہ کی بہت سی کھوپریاں جمع ہیں اور کھوپریوں کی ساخت سے نتیجے مستنبط کیے گئے ہیں۔ خیر یہ تو ایک بات ہی جو انگریزی اخباروں میں نظر پڑی ہی۔ اِسی قبیل سے ایک **حکایت** یہ ہی کہ کابل کی پہلی مُہم میں جس میں امیر دوست محمد خاں کو انگریز پکڑ لائے تھے اور اس کے جواب میں امیر دوست محمد خاں کے فرزند محمد اکبر خاں نے انگریزی فوج کے افسروں اور اُن کی میموں کو قید کر لیا تھا اِس مہم میں آگرے کے لالہ جوتی پرشاد محکمۂ رسد رسانی کے داروغہ تھے۔ مہم کے ہو چکنے پر مصارفِ جنگ کا حساب کتاب ہونے لگا تو لالہ جوتی پرشاد نے کئی کروڑ روپے کا مُطالبہ سرکار کے ذمّے نکالا۔ محاسبِ سرکار نے اپنی رائے کے مطابق رقموں میں بہت کاٹ چھانٹ کی جوتی پرشاد کو دعوے دائر کرنا پڑا۔ تحقیقات کے لیے کمیشن بیٹھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سرکار کو رقم دینی آئی۔ مقدمے میں جوتی پرشاد کی طرف سے اخبارِ مفصلائٹ کا اڈیٹر جو بارسٹر بھی تھا وکالت کرتا تھا۔ اُس کو خدا نے اِس بلا کا حافظہ دیا تھا کہ ہزار ہا رقمیں بقید آنہ پائی اہلِ کمیشن کے روبرو برجستہ بلا تامل بیان کرتا چلا جاتا تھا جیسے کوئی لکھے ہوئے حساب کو پڑھتا چلا جاتا ہی اور مزہ یہ ہی کہ اُس نے حساب کو صرف ایک مرتبہ دیکھ لیا تھا اور ایک مرتبہ کے دیکھنے میں اُس کو اِس قدر محفوظ

ہو گیا تھا کہ کہیں غلطی نہیں کرتا تھا۔ تمام اہلِ کیمبرج اس کی قوتِ حافظہ پر متعجب تھے۔ اخباروں میں اس پر بڑے بڑے مضمون لکھے جانے لگے۔ آخر کار ڈاکٹروں نے اس کا سر اس شرط سے مول لیا۔ کہ اس کے مرے پیچھے اس کی کھوپری کی تشریح کریں گے کہ خلافِ معمول قوتِ حافظہ کا سبب دریافت کریں اور یہی ہوا کہ اس کا دماغ معمول سے کوئی چھٹانک سوا چھٹانک زیادہ نکلا اور کاسۂ سر کی ساخت میں بھی کچھ فرق تھا ایسی ہی خبر سید احمد خاں کی نسبت بھی مشہور ہوئی کہ انھوں نے اپنا سر بیچ دیا ہے مگر وہ خبر غلط تھی لیکن اگر واقع میں انھوں نے اپنا سر بیچ دیا ہوتا اور اس کی تشریح کی جاتی تو کچھ نہ کچھ فرق تو ضرور نکلتا
لوگ درازیِ ریش کو بھی حمق کی دلیل بتاتے ہیں۔ اور کسی کتاب میں ایک ہنسی کی بات بھی نظر سے گزری ہے کہ کوئی طویل اللحیہ شب کے وقت چراغ کے آگے بیٹھا ہوا کتاب دیکھ رہا تھا اتفاق سے اس میں لکھا تھا ؎

ریش باید دو سہ موئے و زنخداں پوشے — نہ کہ انبوہ دراں بچہ دہد خرگوشے

اور یک مشت ریش فقیہ وَمَا زَادَ عَلٰی ذٰلِكَ فَلِلسَّفِيْهِ (اور ایک مٹھی سے زیادہ بیوقوف کے لئے ہوتی ہے) اس شخص کو اپنی ریش کی درازی معلوم تھی۔ اسی وقت چاہا کہ ڈاڑھی کو ایک مٹھی کی حد میں لے آئے۔ مقراض موجود نہ تھی اس نے ڈاڑھی کو مٹھی میں پکڑ ما زاد کو چراغ کی لو پر رکھ دیا۔ ہاتھ کو پہنچی گرمی اضطراراً مٹھی ہٹالی۔ ڈاڑھی بھک سے اڑ گئی۔ اس نے کتاب کے حاشیے پر لکھ دیا۔ اِنِّیْ عَلٰی ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ
ہمارے ہندوستان میں کبودیِ چشم کو دلیل بیوفائی اور تنگیِ چشم کو دلیل بخل سمجھا جاتا ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ سر بڑا سردار کا پیر بڑا گنوار کا۔ یہ سب باتیں علم قیافہ کی ہیں۔ ہندو ہاتھ کی لکیروں سے عمر اور اولاد اور بیماریاں بہت سی باتیں بتایا کرتے ہیں علمِ قیافہ آدمی ہی تک محدود نہیں رہا آدمی نے بعض جانوروں کا قیافہ بھی معلوم کیا ہے۔ مثلاً گھوڑے کی بال بھونری۔ کنوتی گامچی۔ رنگت دیکھتے ہیں۔ غرض آدمی کے اعضا اور افعال میں باہمی تناسب اور تعلق ہے۔ میں نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو قیافہ اور تناسبِ افعال دونوں پہلوؤں سے جانچا اور تحقیقات کے بعد مجکو کامل اطمینان ہو گیا۔ کہ اس قیافے اور ان اخلاق و عادات کا آدمی محالِ عقل ہے کہ نبوت کا غلط دعوے کرے۔ اور خدا پر جھوٹ بولے جس کی عظمت اور جس کا جلال ہمہ وقت اس کے پیش نظر ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ (الحاقۃ)

اور اگر (پیغمبر زبردستی) کوئی بات ہمارے سر چپکیتا تو ہم نے (خونیوں کی طرح) اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی گردن اڑا دی ہوتی ف۱ اور تم میں سے کوئی بھی ہم کو اس سے روک نہ سکتا

اور وہ کسی حالت میں یادِ خدا سے غافل نہ ہو یہاں تک کہ ساری عمر کھلکھلا کر نہ ہنسے۔

اَلضِّحْكُ يُمِيْتُ الْقَلْبَ — ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔

اکثر اوقات خائفانہ آسمان کی طرف دیکھا کرے۔ سندا نزع جان کنی میں اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى (الہی مجکو بلند مرتبہ ساتھیوں یعنی انبیا اور علما میں پہنچا) کے سوائے کوئی بات اس کے منہ سے نہ نکلے۔ اس پر خدا کا خوف اس قدر غالب ہو کہ راتوں کو نماز میں کھڑے کھڑے اس کے پانوں سوج سوج جائیں

ف۱ وتین ایک رگ ہے جو گردن میں ہو کر گزرتی ہے اور وہ سر اور دل کے درمیان ایک رابطہ ہے۔ اگر اس کو کاٹ دیا جائے تو جان نکل جاتی ہے ہم نے آیت کے لفظی معنی تو۔ یہ ہیں کہ ہم نے "اس کی رگ دل کاٹ دی ہوتی" ہم نے محاورے کے لحاظ سے لازم معنے اختیار کر لیے ہیں ۱۲

یہاں تک کہ خدا اُس کی حالت پر ترس کھا کر خود

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی (طٰہٰ ع۱) (اے پیغمبر، ہم نے تم پر قرآن اس لیے تو نازل کیا نہیں کہ تم (اس کی وجہ سے اس قدر) مشقت اُٹھاؤ ف۱

اور لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ فرمائے اور وہ اَفَلَآ اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا (کیا میں بندۂ شکر گزار نہ ہوں ۱۲) کہہ کر عبادت سے باز نہ آئے

ف۱ پیغمبر صاحب پیغمبر ہوئے پیچھے اپنے نفس پر بڑی مشقت اُٹھاتے تھے راتوں کو نماز میں کھڑے رہتے یہاں تک کہ آپ کے پانوں سوج سوج جاتے تھے پھر سارا سارا دن لوگوں کے سمجھانے اور وعظ کہنے میں گزر جاتا تھا اور نومسلموں کو کافروں کی ایذاؤں سے بچانا بجائے خود بڑا کام تھا غرض منصبِ نبوّت کی شرائط کا ادا کرنا کچھ آسان کام نہ تھا اور پیغمبر صاحب خدمتِ رسالت کے بجا لانے میں اس قدر زحمت اُٹھاتے تھے جس سے خوف ہوتا تھا کہ اُن کی تندرستی میں خلل واقع ہو گا اس لیے خدا نے بنظرِ مزید عنایت اُن کو زحمتِ شاقّہ سے روک دیا ۱۲

سلہ لام کا تعلق ظاہر کرنے کے لیے اس کے ماقبل جملے کو ملاؤ تو مطلب بآسانی سمجھ میں آئے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَیَهْدِیَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا وَّیَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا (اے پیغمبر یہ حدیبیہ کی صلح کیا ہوئی) حقیقت میں ہم نے کھلم کھلا تمہاری فتح کرادی تاکہ (تم اس فتح کے شکریے میں دینِ حق کی ترقی کے لیے اور زیادہ کوشش کرو اور) خدا (اس کے صلے میں) تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کرے اور تم پر اپنے احسانات پورے کرے اور تم کو (دین کے) سیدھے رستے لے چلے (اور کوئی تمہارا مانع و مزاحم نہ ہو) اور خدا تمہاری زبردست مدد کرے ف۲

ف۲ ان آیتوں میں صلح حدیبیہ کے واقعے کی طرف اشارہ ہے جو پیغمبر صاحب کی زندگی کا ایک بڑا عظیم الشان واقعہ ہے مختصر یہ ہے کہ ہجرت کے چھٹے برس پیغمبر صاحب نے خواب میں دیکھا کہ مسلمان مسجدِ حرام میں گئے اور وہاں احرام اُتارنے کے لیے کوئی بیٹھا سر منڈوا رہا ہے اور کوئی بال کتروا رہا ہے ازبسکہ پیغمبر کا خواب غلط نہیں ہوا کرتا آپ نے عمرہ کرنے کا ارادہ کیا مکّے کے قریب پہنچے تو کفارِ قریش مسلمانوں کی آمد سن کر لڑنے کے ارادے سے باہر نکل آئے آنحضرت نے قریش کی آمادگی دیکھ کر حدیبیہ میں مقام کیا اور اب فریقین میں گفت و شنود ہونے لگی آخر بڑی مشکل سے یہ صلح ٹھہری کہ دس برس تک مسلمانوں میں اور قریش میں لڑائی موقوف اور پیغمبر صاحب اس وقت بے عمرہ کیے لوٹ جائیں اگلے سال عمرہ کر جائیں مگر کوئی مسلمان تلوار میان سے باہر نہ نکالے اور تین دن سے زیادہ مکّے میں نہ رہیں۔ اور دورانِ صلح میں اگر کوئی مسلمان کفارِ قریش سے جا ملے تو قریش اُس کو واپس نہ دیں اور اُن کا کوئی آدمی مسلمانوں کی طرف چلا آئے تو وہ اُن کو واپس دیا جائے یہ صلح پیغمبر صاحب نے دب کر کی اور مسلمانوں کی بڑی دل شکنی کا باعث ہوئی۔ اُس وقت بعض مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ پیغمبر صاحب نے یہ کیسا خواب دیکھا تھا اور بعض منافقین یہ شبہہ کرتے تھے کہ اگر خدا اسلام کا حامی ہوتا تو یوں دب کر صلح نہ کی جاتی اور کچھ لوگ شروع ہی سے پیچھے رہ گئے تھے اُن کو یقین تھا کہ اہلِ مکّہ ان مسلمانوں کو گھسنے نہیں دیں گے اور ایسا ہی ہوا لیکن ع فکرِ ہر کس بقدرِ ہمّت اوست ٭ صلح حدیبیہ بظاہر دب کر ہوئی تھی مگر حقیقت میں اس میں مسلمانوں کی بڑی بہبود تھی کہ ابتدائی حالت میں آئے دن کی لڑائی اُن کو پنپنے نہیں دیتی تھی۔ دوسرے معلوم تھا کہ قریش کی طرف سے ضرور بدعہدی ہو گی اور ہوئی بھی کہ بنی خزاعہ اور بنی بکر دو قبیلے تھے بنی خزاعہ مسلمانوں کے طرفدار تھے اور بنی بکر قریش کے تو صلح کی رُو سے ان دونوں قبیلوں کو بھی شرائطِ صلح کی پابندی لازم تھی مگر یہ دونوں لڑے اور قریش نے درپردہ بنی بکر کی مدد کی حدیبیہ کی صلح ٹوٹ گئی مسلمانوں کو حجت ہاتھ آئی اور مکّے پر چڑھ دوڑے خدا کا کرنا کہ مکّہ بے لڑائی فتح ہوا۔ حدیبیہ سے لوٹے تو پیغمبر صاحب سیدھے (بقیہ نوٹ صفحہ ۶۸)

جن نے ساری عمر جھوٹ نہ بولا ہو اور لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو) - اُس کا تکیہ کلام ہو اور وہ اپنی رسالت پر سخت سے سخت قسمیں کھائے اور قسموں کو

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۚ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۚ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۚ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ (الانعام ع ۱۱)

اور اُس سے بڑھ کر ظالم (اور) کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا دعویٰ کرے کہ میری طرف وحی آئی ہو حالانکہ اُس کی طرف کچھ بھی وحی نہ آئی ہو اور (نیز اُس سے بڑھ کر بھی ظالم اور کون ہوگا) جو دعوے کرے کہ (قرآن) جس (کی نسبت تم کہتے ہو کہ اُس کو اللہ نے اُتارا ہی دکھو تو) ایسا ہی میں بھی اُتاردوں اور (اے پیغمبر کاش (ان) ظالموں کو اُس وقت دیکھو کہ موت کی بے ہوشیوں میں (پڑے) ہیں اور فرشتے (اُن کی جان نکالنے کے لیے اُن پر طرح طرح کی) دست درازیاں کر رہے ہیں (اور کہتے جاتے ہیں) کہ اپنی جانیں نکالو اَب تم کو ذلّت کے عذاب کی سزا دی جائے گی اس لیے کہ تم خدا پر ناحق (ناروا) جھوٹ بولتے اور اُس کی آیتوں (کو سن کر اُن) سے اکڑا کرتے تھے اور (قیامت کے دن ہم ان سے خطاب کر کے ارشاد کریں گے کہ) پہلی بار جیسا ہم نے تم کو پیدا کیا تھا ویسے ہی اکیلے تم ہمارے حضور میں (آخر) آئے پر آئے اور جو کچھ (سازوسامان) ہم نے تم کو (دنیا میں) دیا تھا (وہ سب) اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے اور تمہاری سفارش کرنے والوں کو ہم تمہارے ساتھ (کہیں) نہیں دیکھتے جن کو تم سمجھتے تھے کہ وہ تم میں (یعنی تمہارے پیدا کرنے اور تم کو روزی وغیرہ دینے میں خدا کے شریک ہیں اب تمہارے آپس کے رابطے (سب) ٹوٹ ٹاٹ گئے اور جو دعوے تم کیا کرتے تھے (سب) تم سے گئے گزرے ہو گئے۔

اور اسی طرح کی دوسری باتوں سے مؤکد کرے کسی کی عقل جائز رکھ سکتی ہو کہ ایسا راست باز بھول کر بھی جھوٹ رسالت کے دعوے پر اصرار کر سکتا ہو ایک یہ وَمَنْ اَظْلَمُ اِلٰی اٰخِرِہٖ ایسی بات ہو کہ شقی سے شقی آوارہ سے آوارہ بدوضع سے بدوضع بے باک سے بے باک آدمی کو اس طرح پر قسم دی جائے تو تھرا اُٹھے اور سوائے سچ کے کچھ کہتے نہ بن پڑے۔

فَمَا ظَنُّكَ بِالصَّدُوْقِ الْمَصْدُوْقِ الْاَمِيْنِ عَلَيْهِ صَلَوٰاتُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

تو (اے مخاطب) اُس سچے اور تصدیق کیے گئے امانت دار کے بارے میں تیرا کیا خیال ہو اُس پر خدا اور فرشتوں اور تمام لوگوں کا درود ہو

(۹) (س) یہ تو مناسب افعال سے پیغمبر صاحب کی صداقت پر استدلال ہوا مگر آپ نے قیافے کا بھی نام لیا تھا۔ کیا آپ قیافے کے بھی قائل ہیں۔

(م) ہیں تو قیافے اور نجوم اور رمل اور جفر سبھی کا قائل ہوں۔
(س) یہ تو شاید عقائدِ اسلام کے خلاف ہے۔
(م) میں تو ایسا نہیں سمجھتا۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ط (الانعام ۶۰) — اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

تو بے شک اسلامی عقیدہ ہے اور جو شخص اپنی نسبت عالم الغیب ہونے کا دعوے کرے وہ جھوٹا اور جھوٹا ہونے کے علاوہ مشرک بھی ہے مگر غیب کے مفہوم کے سمجھنے میں لوگ غلطی کرتے ہیں۔ غیب کے معنے ہیں وہ چیز جو آدمی سے پوشیدہ ہو مگر پوشیدہ چیزیں دو قسم کی ہیں ایک وہ جن کو آدمی معلوم نہیں کر سکتا جیسے قیامت کا وقت

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ط (السجدہ ۲۶) بے شک اللہ ہی ہے جس کو قیامت کے آنے کا علم ہے۔

اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ٥ (طٰہٰ ۱۶) — (قیامت ضرور آنے والی ہے اور) ہم اُس کے وقت کو لوگوں سے پوشیدہ رکھنے کو ہیں تاکہ ہر شخص (قیامت کے ڈر سے نیک کام کرنے کی کوشش کرے اور قیامت میں اُس) کو اُس کی کوشش کا بدلہ ملے

روح کی حقیقت يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ خدا کی ذات و صفات کو مرئیات کی طرح کا جاننا لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۔ حالاتِ بعد مرگ جن کے معلوم کرنے کا وحی کے سوائے کوئی ذریعہ نہیں ہے

حالِ عدم نہ کچھ کھلا گرچہ ہے ہر زنگاں پہ کیا
کوئی حقیقت آن کر کہتا نہیں ہے بھلی

مَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۔ (الاحقاف ۱۶) — (اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ) میں نہیں جانتا کہ (آیندہ) میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ (یہ جانتا ہوں کہ) تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا) ف میری طرف جو وحی نازل ہوتی ہے میں تو صرف اُسی پر چلتا ہوں۔

وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۔ (السجدہ ۳۴) — اور خدا ہی (ایک وقت مقرر پر) جس کو اُس کے سوائے کوئی نہیں جانتا مینھ برساتا اور (نر و مادہ) جو کچھ (ماؤں کے) پیٹ میں ہے (وہی) اُس کو بھی جانتا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ (خود) کل کیا کرے گا ۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کس زمین میں مرے گا

سے اس کا ترجمہ اوپر گزر چکا وہاں دیکھو ۱۲ ۵۲ اس کا ترجمہ بھی پہلے گزر چکا ۱۲

ف یا تو مراد یہ ہے کہ میں غیب نہیں جانتا کہ دنیا میں کسی کو کیا پیش آئے گا یا خوفِ الٰہی کے لحاظ سے کہا کہ میں کسی کا انجام کار نہیں جانتا نہ اپنا نہ تمہارا

ے خدا کو کام تو سونپے ہیں میں نے سب لیکن + رہے ہے خوف مجھے اُس کی بے نیازی کا ۱۲ +

روایت کرتے ہیں کہ میں اُس وقت تک اسلام نہیں لایا تھا - اور مدینے کے باہر اپنے باغ میں درختوں کی دیکھ بھال کر رہا تھا - وہیں میں نے پیغمبر صاحب کا آنا سُنا - میں بھی دیکھنے دوڑا تو پیغمبر صاحب اونٹنی سے اُتر کر ابو ایوب انصاری کے گھر میں بیٹھ چکے تھے - میں نے پیغمبر صاحب کو دیر تک بغور دیکھا اور میں اُن کا دعوے نبوت تو سُن ہی چکا تھا بے قصد میری زبان سے نکلا واللہ ماھذا بوجہ کذاب (بخدا یہ جھوٹے کا منہ نہیں ہو ۱۲) یہ بھی قیافہ شناسی ہو ؎

در دلِ ہر قوم کش از حق مزہ است 		روئے آوازِ پیمبر معجزہ است

باتیں تو اور بہت ہیں مگر مجکو قیافے کے متعلق اس وقت اتنا ہی کہنا تھا -

(س ۱۱۲) تو آپ نے عبد اللہ بن سلام کی طرح پیغمبر صاحب کو دیکھا تو نہیں -

(ھ ۱۱۲) دیکھا نہیں تو اُن کا حلیہ اُن کا سراپا اُن کتابوں میں دیکھا جو شمائل پر لکھی گئی ہیں اور ہندوؤں سے سُنا سُنایا کچھ مجکو معلوم بھی تھا - مزید احتیاط کے لیے میں نے پیغمبر صاحب کے سراپا کو قیافے کی کتابوں سے ملایا تو سارا سراپا محاسن اخلاق پر دلالت کرتا تھا - ای کاش میں نے پیغمبر صاحب کو دیکھا ہوتا - مگر ایسے نصیب کہاں تھے - یا اب خواب میں ایک نظر دیکھ لوں کیونکہ حدیث میں آیا ہی -

مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ (رَوَاہُ الْبُخَارِیْ)	پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ جس نے مجکو (یعنی میرے حلیے اور سراپا) کو خواب میں دیکھا درحقیقت اُس نے مجھ ہی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت بن کر خواب میں نہیں آتا -

؎ ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم 		کرشمہ دامنِ دل مے کشد کہ جا اینجاست

تاہم قیافے کی بات تو کچھ ایسی مہتم بالشان بات نہ تھی کہ میں نے اُس کو پیغمبر صاحب کی صداقت کا ثبوت سمجھا ہو بلکہ من جملہ مؤیدات کے ایک مؤید - بڑی بات تو تناسبِ افعال ہی کہ فطرت افعال میں بے مناسبتی ہونے نہیں دیتی - اَلْعَادَۃُ کَالطَّبِیْعَۃِ الثَّانِیَۃِ تو میں نے پیغمبر صاحب کے خصائل اور عادات اور اخلاق اُن کی زندگی کے واقعاتِ روزمرہ سے اخذ کیے جیسے بھی کتابوں میں مرقوم ہیں بے شک اِن میں ایسی باتیں بھی ہیں - جن پر ایک غیر مذہب الا جو پہلے سے پیغمبر صاحب کی طرف سے بدظن ہی - نکتہ چینی کر سکتا ہو مگر پھر بھی مجموعی حالات ایک خالی الذہن آدمی کو مطمئن کرنے کے لیے کافی ہیں - کہ پیغمبر صاحب معتدل اور سلیم فطرۃ کے فردِ اکمل تھے -

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ (ن ۱۶)	(اے پیغمبر) بے شک تمھارے اخلاق البتہ بڑے اعلیٰ درجے کے ہیں

اور اُن میں فطرۃ سلیم کا ملکہ ایسا راسخ تھا کہ وہ اِس کے خلاف کر نہیں سکتے تھے اور اسی کو ہم پیغمبر کہتے ہیں - خیر اور اخلاق کو تو رہنے دو صرف صدق کو لو جس کی اس وقت بحث ہو تو کلیہ قاعدہ ہی کہ آدمی کے تمام افعال معلل بالاغراض ہوتے ہیں - یعنی آدمی کے ہر ایک فعل کا محرک اور سبب کوئی نہ کوئی مطلب ہوتا ہی اور وہ مطلب دو قسم سے خالی نہیں لالچ یا خوف - سو لالچ اور خوف دونوں کی

(بقیہ صفحہ ۷۱) یعنی میں نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی زندہ زمین پر چلنے والے کے حق میں یہ فرماتے نہیں سُنا کہ وہ جنتی ہی مگر عبد اللہ بن سلام کے حق میں یہ فرماتے سُنا اور اُن ہی کے حق میں آیۂ وشہد شاھد الخ اُتری ہی ۱۲ سلہ آدمی کی عادت بھی دوسری طبیعت ہوتی ہی ۱۲

کئی طرح کے ہیں۔ لالچ ہو دولت کا۔ لالچ ہو سلطنت اور لوازمِ سلطنت یعنی حکومت اور برتری اور ترفّع اور تفضّل کا۔

قَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ (المؤمنون ع ۲)

(نوح کے جواب میں) اُن کی قوم کے سردار جو منکر تھے (آپس میں) لگے کہنے کہ یہ (بھی) بس تم ہی جیسا آدمی ہے (وہ) تم سے برتر بننا چاہتا ہے اور اگر خدا کو (پیغمبر ہی بھیجنا منظور ہوتا تو) فرشتوں کو اُتارتا ہم نے تو یہی بات اپنے اگلے باپ دادوں میں (ہوتی) سُنی نہیں۔

لالچ ہو انتقام کا۔ علیٰ ہذا القیاس خوف بھی طرح طرح کے ہو سکتے ہیں۔ منفعتِ حاصلہ کے فوت ہو جانے کا خوف۔ بدنامی کا خوف۔ یا مجمل طور پر کہنا چاہو تو لالچ ہے فائدے کا اور خوف ہے نقصان کا۔ چونکہ ہر ایک آدمی کے خاص اغراض ہوتے ہیں ہم فائدے اور نقصان کی صورتوں اور قسموں کو محصور نہیں کر سکتے۔ لیکن جہاں تک پیغمبر صاحب کی اغراض پر ہماری نظر احاطہ کر سکتی ہے اُن کا لالچ اور خوف اگر ہوتا تو ان ہی صورتوں میں سے کسی صورت میں ہوتا جو میں نے گنوائیں۔ لیکن اُن کے حالات پکارے کہہ رہے ہیں کہ اگر بالفرض اُنھوں نے جھوٹ موٹ نبوت کا دعویٰ کیا تو کوئی محرّک اُن کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا پس اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ۔ کی رُو سے جھوٹ دعوے نبوّت کرنا غلط یعنی صداقت ثابت (جب شرط ہی نہیں رہی تو مشروط کہاں)

ایک تاریخی واقعہ جس سے کسی نے انکار نہیں کیا اور نہ اِس میں انکار کی گنجایش ہے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تخویف و تطمیع دونوں پیغمبر صاحب کے حق میں بے اثرِ محض تھیں۔ جب پیغمبر صاحب مبعوث ہوئے اور قرآن مجید اُترنا شروع ہوا تو آپ نے سب سے پہلے اپنے خاندان کے لوگوں کو تبلیغ کی اور جب دیکھا کہ آپ کے وعظ و نصیحت کا اِن پر کچھ اثر نہیں پڑتا تو حرمِ کعبہ میں تشریف لا کر اُس پتھر پر کھڑے ہوئے جو آپ کے جدِّ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نصب کیا تھا اور بآوازِ بلند فرمایا اے گروہ قریش میں تم کو خدا کی توحید اور اپنی رسالت کی طرف بُلاتا ہوں میری بات مانو اور شرک و بُت پرستی ترک کرو۔ ایسا کرو گے تو دین و دنیا کی بادشاہت تمھیں نصیب ہوگی۔ جس کو سُن کر کفّار نے ایک بڑا قہقہہ لگایا اور آپس میں لگے کہنے کہ محمد کو جنون ہو گیا ہے۔ پیغمبر صاحب موقع بموقع وعظ فرماتے اور رات دن توحید خداوندی کی مُنادی کرتے تھے مگر کفار ہر موقع پر آپ سے استہزا کرتے اور توہین و تذلیل میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھتے۔ کچھ دنوں تک آپ نے صرف توحید کے وعظ پر بس کی مگر جب دیکھا کہ منکرین بُت پرستی سے باز نہیں آتے۔ اور پتھر مٹی کی بے جان اور عاجز مُورتوں کو خدائے تعالیٰ جلّ و علا کی ذات و صفات میں شریک کیے جاتے ہیں تو آپ نے اُن کو مشرک کے ذلیل لقب سے خطاب کرنا اور اُن کے دین کو سرتاسر گمراہی و ضلالت بتانا شروع کیا۔ اِس پر جُہلاء قریش کو سخت طیش آیا اور اُنھوں نے آپ کے چچا ابو طالب

کو کہلا بھیجا کہ اپنے بھتیجے کو روکو کہ وہ ہمارے دین کی سخت ہجو کرتا اور ہمارے آبا و اجداد کو بُرائی سے یاد کرتا ہے۔ لیکن جب ابو طالب پر اُن کے اِس پیام کا کچھ اثر نہ ہوا تو چند رؤساءِ قوم جمع ہو کر خود ابو طالب کے پاس گئے اور کہا اب تک تو ہم آپ کی بزرگی اور جلالتِ شان کی وجہ سے نہایت خاموشی کے ساتھ صبر و تحمّل کرتے رہے مگر اس کے آگے ہم سے تحمّل نہیں ہو سکتا پس یا تو محمد کو ان باتوں سے باز رکھیے یا اُسے اور ہمیں دونوں کو چھوڑ کر آپ کنارہ کش ہو جائیے تاکہ ہم ہی غارت ہو جائیں یا وہی۔ ابو طالب نے پیغمبر صاحب کو بُلا کر قریش کی اس گفتگو سے مطلع کیا اور کہا فرزندِ من! اپنی جان کو اور اپنی جان کے ساتھ مجھ بُوڑھے کی جان کو ہلاکت سے بچالو۔ اور اس قدر بوجھ مجھ پر نہ ڈالو جس کی مجھکو برداشت نہ ہو۔ پیغمبر صاحب نے ابو طالب کی یہ گفتگو سُن کر خیال کیا۔ کہ شاید چچا میری حمایت سے دست بردار ہوا چاہتے ہیں۔ آپ نے نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ جواب میں فرمایا کہ چچا! اگر یہ لوگ اِس اُمید پر کہ مَیں اس عظیم الشّان امر کی بجاآوری سے پہلو تہی کروں گا۔ میرے دائیں ہاتھ میں سُورج اور بائیں میں چاند بھی لا رکھیں تو بھی میں اس کو ہرگز ترک نہ کروں گا۔ مَیں اِس بات کا بیڑا اُٹھا چکا ہوں کہ تاوقتیکہ خدا اپنے دین کو تمام اَدیان پر غالب نہ کرے گا مَیں اس کوشش سے ہاتھ نہ اُٹھاؤں گا۔ ابو طالب پر پیغمبر صاحب کے اس حملے نے وہ اثر کیا کہ بے اختیارانہ اُن کی زبان سے نکلا اِذْهَبْ یَا ابْنَ اَخِیْ فَقُلْ مَا اَحْبَبْتَ فَوَاللّٰهِ لَا اُسْلِمُكَ لِشَیْءٍ اَبَدًا یعنی میرے بھتیجے تم جاؤ اور جو بات تم کو پسند ہو بے دھڑک کہہ گزرو خدا کی قسم میں دشمنوں کے ہاتھوں میں تمھیں ہرگز نہ سونپوں گا اور ساتھ ہی ذیل کے اشعار فی البدیہہ پڑھے[1]

وَاللّٰهِ لَنْ یَّصِلُوْا اِلَیْكَ بِجَمْعِهِمْ	حَتّٰی اُوَسَّدَ فِی التُّرَابِ دَفِیْنًا
فَاصْدَعْ بِاَمْرِكَ مَا عَلَیْكَ غَضَاضَةٌ	وَاَبْشِرْ وَقَرَّ بِذَاكَ مِنْكَ عُیُوْنًا
وَدَعَوْتَنِیْ وَزَعَمْتَ اَنَّكَ نَاصِحِیْ	وَلَقَدْ صَدَقْتَ وَكُنْتَ ثَمَّ اَمِیْنًا
وَعَرَضْتَ دِیْنًا لَا مَحَالَةَ اَنَّهٗ	مِنْ خَیْرِ اَدْیَانِ الْبَرِیَّةِ دِیْنًا
لَوْلَا الْمَلَامَةُ اَوْ حِذَارُ مَسَبَّةٍ	لَوَجَدْتَنِیْ سَمْحًا بِذَاكَ مُبِیْنًا

قریش کو جب معلوم ہوا کہ ابو طالب پیغمبر صاحب کی حمایت سے پہلو تہی کرنا نہیں چاہتے تو اپنی قوم کے ایک رئیس زادے مغیرہ کے پوتے ولید کے بیٹے عمارہ کو جو نہایت خوبصورت اور خوبصورت ہونے کے علاوہ شاعر بھی تھا ابو طالب کے پاس لے کر حاضر ہوئے اور کہا آپ اِسے اپنا متبنّٰی کر لیجیے۔ یہ آپ کے بڑھاپے میں کام آئے گا۔ اور اس کے عوض اپنے بھتیجے کو جس نے آپ کی قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے اور آپ کے آبا و اجداد کو احمق و بیوقوف بتاتا ہے۔ ہمارے سپرد کر دیجیے تاکہ ہم دنیا سے اُس کا جھگڑا ہی پاک کر دیں۔ ابو طالب نے اِس نامعقول درخواست کا نہایت دل شکن جواب دے کر اُنھیں رخصت کر دیا اور یہ معلوم کر کے کہ کفار

---

[1] خدا کی قسم اگر یہ سب لوگ مل کر بھی تمہیں ضرر پہنچانا چاہیں تو جب تک میں زمین میں دفن نہ ہو جاؤں تمھیں ضرر نہیں پہنچا سکتے تمھیں جو حکم ہوا ہے اُسے کھول کر سنا دو اس میں تمھاری کچھ ذلت نہیں اور خوش ہو اور اس سے آنکھیں ٹھنڈی کرو تم نے مجھے اسلام کی طرف بلایا اور میں جانتا ہوں کہ تم میرے خیر خواہ ہو اور اس سے پہلے ہی تم صادق اور امین کے لقب سے پکارے جاتے ہو تم نے ایسا دین پیش کیا جو مخلوق کے تمام دینوں سے یقیناً بہتر ہے اگر مجھے ملامت اور دشنام دہی کا خوف نہ ہوتا تو تم مجھے اپنا کھلا ہوا مددگار پاتے ۱۲+

پیغمبر صاحب کے قتل پر اُتارو ہیں اپنے قبیلے اور خاندان کے لوگوں کو پیغمبر صاحب کی حمایت و نصرت پر آمادہ کیا۔ ابولہب کے سوا تمام
بنی ہاشم پیغمبر صاحب کی حمایت کے لیے کھڑے ہو گئے مگر یہ لوگ تھے ہی کتنے ایک قبیلہ یا ایک خاندان ایک شہر کا تو مقابلہ نہیں
کر سکتا ہاں اتنا ضرور ہوا کہ پیغمبر صاحب بنی ہاشم کی حمایتہ کی وجہ سے چند روز تک کفار کی ایذاؤں سے محفوظ ہے مگر غریب نومسلم تو
جب تک سکتے ہیں رہے۔ مخالفوں کی ایذاؤں کے شکار ہی رہے۔ خلاصہ یہ کہ کفار نومسلموں کو اور خود پیغمبر صاحب کو تکلیفیں
پونہچانے میں حتے الامکان کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے۔ اور جب دیکھتے کہ درشتی اور سختی سے مدّعا حاصل نہیں ہوتا
تو نرمی و ملایمت سے کام نکالنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایک دن کا ذکر ہی کہ مغیرہ بن شعبہ جو اپنی قوم میں بڑا رئیس اور ذی وجاہت
اور مالدار تھا اپنی قوم کے اشارے سے پیغمبر صاحب کے پاس آیا۔ اور خلافِ معمول نہایت نرمی اور ملایمت اور تسلّی اور دلجوئی
کے ساتھ کہا میرے بھتیجے تم صاحب اوصافِ جمیلہ اور عالی خاندان ہو پھر کیا سبب ہے کہ ہمارے معبودوں کو سبّ و شتم کے ساتھ یاد
کرتے ہو اور اُن کی عبادت و بندگی کی وجہ سے ہمیں بے وقوف اور پاگل بتاتے اور ہماری قوم میں تفرقہ ڈالتے ہو کیا اس سے
تمہارا یہ مقصود ہی کہ کسی مالدار حسین و جمیل اور عالی خاندان عورت سے تمہاری شادی ہو جائے؟ اگر یہی غرض ہی تو مکّے بھر
میں جس عورت کو تم پسند کرو ہم ابھی اُس سے تمہاری شادی کرا دیں اور اگر مال و زر مطلوب ہے تو ہم ابھی تمہارے پاس اس
قدر دولت جمع کر دیتے ہیں کہ تم سب سے زیادہ دولتمند ہو جاؤ اور اگر حکومت و سرداری کی تمنّا ہی تو ہم سب لوگ تم کو اپنا سردار بلکہ بادشاہ
بنا لیتے ہیں اور عہد کرتے ہیں کہ ہم تمہاری اطاعت کے آگے اسی طرح سرِ تسلیم خم کیے رہیں گے اور تمہاری فرماں برداری
بالکل اُسی طرح کریں گے جس طرح ایک بڑے جلیل القدر جبّار بادشاہ کی کی جاتی ہی۔ اور اگر کسی بھوت پریت کا سایہ ہو گیا ہی یا
جن و پری کا اثر معلوم ہوتا ہی اور تم اُس کے دفعیہ سے عاجز ہو تو ہم سے صاف صاف کہہ دو ہم کسی ایسے حاذق و ماہر معالج کو تمہارے
واسطے تلاش کر کے لائیں گے جو تم کو تندرست کر دے گا۔ جب مغیرہ بن شعبہ یہ کہہ کر خاموش ہوا۔ تو پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ بس
کہہ چکا یا کچھ اور کہنا باقی ہی مغیرہ بولا کہ اتنا ہی کہنا تھا پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ اچھا بیٹھ جا اور سن اور آپ نے سورۂ فصلت کی یہ
چند آیتیں پڑھنی شروع کیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا
عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ وَ
فِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
فَاسْتَقِيْمُوْۤا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ۗ
ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۗ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝
ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۗ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ
سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۗ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ۗ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝
فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝ (ترجمہ) (شروع) اللہ کے نام سے (جو) نہایت رحم
والا مہربان (ہی) حٰم (یہ فرمان۔ خدائے) رحمٰن (و) رحیم (کے حضور) سے صادر ہوتا ہی یہ قرآن کتاب ہی جس کی باتیں زبانِ عربی میں سمجھدار لوگوں

کے بیتے تفصیل کے ساتھ بیان کردی گئی ہیں رماننے والوں کو خوشنودیِ خدا کی) خوش خبری سُناتا اور رمنکروں کو عذابِ خدا سے) ڈراتا ہی اس پر رھبی) اِن میں سے اکثروں نے مُونہ موڑ لیا اور وہ (اس کو) سنتے ہی نہیں اور (اے پیغمبر یہ لوگ بھی) کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف تم ہم کو بُلاتے ہو ہمارے دل تو اُس سے پردوں میں ہیں (کہ تمھاری بات دل کو نہیں لگتی) اور ہمارے کانوں میں (ایک طرح کی) گرانی ہی (کہ تم جو کہتے ہو سُنائی نہیں دیتا) اور ہم میں اور تم میں (ایک طرح کا) پردہ (حائل) ہی (کہ تم ہم پر کسی طرح کا اثر نہیں ڈال سکتے) تو (اس سے بہتر ہی کہ) تم (اپنے طور پر) عمل کیے جاؤ ہم (اپنے طور پر) عمل کر رہے ہیں (اے پیغمبر تم اِن لوگوں سے) کہو کہ میں (بھی) (تم ہی جیسا بشر ہوں (مگر) مجھ پر وحی آتی ہی کہ تمھارا معبود بس (وہی) ایک معبود ہی پس سیدھے اُسی کی طرف (مُونہ کیے) چلے جاؤ اور اُس سے (اپنے گناہوں کی) معافی مانگو اور شرک کرنے والوں پر افسوس جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں البتہ جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل (بھی) کیے اُن کے لیے (آخرت میں) بڑا اجر ہی جو (کبھی) موقوف ہونے والا نہیں ف (اے پیغمبر تم اِن لوگوں سے) کہو کیا تم اُس (قادرِ مطلق کی خدائی سے) انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین کو پیدا کیا اور تم (دوسروں کو) اُس کا ہمسر بناتے ہو یہی (خدا تو) سارے جہان کا پروردگار ہی اور اُسی نے زمین میں اُس کے اُوپر سے (بھاری بوجھل) پہاڑ گاڑ دیے اور اُس میں ہر طرح کی برکت دی اور اُسی میں اُس کی پیداوار کا اندازہ بھی ٹھیرا دیا اور (یہ سب کچھ) چار دن میں (سب) مانگنے والوں کے لیے برابر ف پھر آسمان کی طرف متوجّہ ہوا اور وہ (اُس وقت تک) گھُر (کی طرح کا) تھا تو اُس (گھُر) کو اور زمین کو حکم دیا کہ تم دونوں آؤ خوشی سے آؤ تو اور زبردستی آؤ تو (اور جو حکم ہم دیتے ہیں اُس پر کاربند رہو) دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے (حکم بجالانے کو) حاضر ہیں اِس کے بعد دو دن میں اُس (گھُر کے طبقات) کے سات آسمان بنائے اور ہر ایک آسمان میں (جو انتظام خدا کو کرنا منظور تھا وہ) (انتظام (کارکنانِ قضا و قدر کو) بتا دیا ف اور وَرے آسمان کو ہم نے (ستاروں کی قندیلوں سے) سجایا اور (سجانے کے علاوہ) حفاظت کے لیے بھی ف یہ (اندازے) اُس (خدا) کے باندھے ہوئے ہیں جو زبردست (اور) دانا ہی پس اگر (اتنے سمجھانے پر بھی کُفّارِ مکّہ) سرتابی کریں تو (اے پیغمبر تم اِن سے) کہدو کہ جیسی کڑک عاد اور ثمود پر ہوئی تھی اُسی طرح کی کڑک سے میں تم کو بھی ڈراتا ہوں ✥

ف غیر ممنون کے ایک معنے تو وہ ہیں جو ہم نے ترجمے میں اختیار کیے اور ایک معنے بے منّت کے بھی ہیں کہ منّت رکھنے سے لینے والے کو تھوڑی بہت ایذا ہوتی ہی چنانچہ صدقات کے بارے میں فرمایا ہی لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی تو مطلب یہ ہوا کہ جنّتیوں کو جو اجر دیا جائے گا اُس کا احسان نہیں رکھا جائے گا تاکہ جھینپیں نہیں شرمائیں نہیں ۱۲ ف سعدی علیہ الرحمۃ نے شاید اسی مضمون کو ادا کیا ہی ؎ ادیمِ زمیں سفرہ عامِ اوست ✥ بریں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست ✥ مانگنے والے سے مراد ہی حاجتمند جس کو اُردو کے محاورے میں صورتِ سوال کہتے ہیں اور ایک جگہ اسی طرح کی قدرتیں بیان کرکے فرمایا ہی وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ کہ جو کچھ تم نے مانگا یعنی جو کچھ تم کو درکار تھا سو دیا مُونہ سے نہ بھی مانگیں تو بھی رُواں رُواں پڑا مانگ رہا ہی ۱۲ ف ابتدائے آفرینش کی نسبت انسانی معلومات تو درجۂ تحقیق کو پہنچی نہیں آسمانی کتابوں میں اجمالاً کچھ مذکور ہی اصلی مقصود تو انسان کو خدا کی قدرت کی طرف متوجّہ کرنا منظور ہی اور وہ جیسا اجمال سے حاصل ہوتا ہی ویسا ہی تفصیل سے اب اِس زمانے میں علمِ ہیئت نے دوربین کے ذریعے سے بہت ترقّی کی ہی اور قدیم حالات بھی بڑی کاوش کے ساتھ دریافت کیے جاتے ہیں مگر انسان وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا کی حد سے باہر نہیں جا سکتا اب لوگوں کا یہ خیال ہی اور توراتِ موجودہ سے بھی اِس کا پتہ چلتا ہی کہ شروع میں پانی ہی پانی تھا اُس میں خدا نے اپنی قدرت سے حرارت پیدا کی اور پانی پر جھاگ آگئے اور کچھ بخارات اُڑے بخارات سے بنے آسمان اور جھاگ سخت ہوکر بنی زمین۔ علیٰ ہذا القیاس اب لوگ خیال کرتے ہیں کہ اجرام

(س) وہ کیا حالات ہیں جن کی وجہ سے پیغمبر صاحب پر دعوی ٔ نبوت کے بارے میں لالچ اور خوف کا شبہہ نہیں کیا جا سکتا۔

(م) وہ حالات واقعات نفس الامری ہیں جن کو دوست دشمن سب نے مانا ہی کہ پیغمبر صاحب اصل میں جزیرہ عرب کے شہر مکہ کے رہنے والے تھے۔ مکے کی عظمت جو کچھ ہی خانۂ کعبہ کی وجہ سے ہی کہ یہ معبد ابتدا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا اس کو بنے ہوئے اب تقریباً اٹھائیس سو برس ہوئے۔ کیونکہ جس قاعدے پر زمانۂ حال کے مورخ قدیم زمانے کا حساب لگاتے ہیں اُس سے معلوم ہوتا ہی کہ دنیوی سنہ کے بیالیسویں صدی میں یعنی حضرت مسیح سے انیسویں صدی ماقبل میں ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنایا تھا۔ بیچ میں کئی بار اس کی تجدید بھی ہوئی ہی۔ چونکہ تمام عرب اِن ہی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور یوں بھی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۷۶) فلکی یعنی چھوٹے سے چھوٹا ستارہ بھی بجائے خود ایک جہان ہی ستاروں میں پہاڑ اور سمندر اور ہوا اور بادل اور ہر قسم کی چیزیں دُوربین سے دیکھی گئی ہیں اور قیاس کیا جا سکتا ہی کہ عجب نہیں وہاں بھی کسی قسم کی مخلوق آباد ہو ہم کو اُن کے حالات بتائے نہیں گئے اور نہ ہم معلوم کر سکتے ہیں وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا هُوَ بہر کیف جس قدر بتایا گیا ہی اور جس قدر معلوم ہی خدا کی قدرت پر استدلال کرنے کے لیے کافی ہی جو ان بیانات کا مقصود اصلی ہی ۱۲ **ف** حفاظت کا اشارہ شاید اُس مضمون کی طرف ہی کہ شیاطین عالم بالا کو وہاں کی باتیں سننے جاتے ہیں تو اُن کو شہاب پھینک کر کھدیڑ دیا جاتا ہی اور یہ معاملہ داخل اسرار الٰہی ہی جس کو خدا نے کسی مصلحت سے ہم پر ظاہر نہیں فرمایا ۱۲

نوٹ صفحہ ہذا ۱ف جس طرح حضرت ابراہیم کا ...... پیغمبر ہونا تمام اہلِ کتاب کے نزدیک متواترات سے ہی اسی طرح اُن کا خانۂ کعبہ تعمیر کرنا اور بنانا بھی متواترات سے ہی۔ یہی وجہ ہی کہ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہوتا ہی ساتھ ہی اُن کی اس تعمیر کا بھی ذکر ہوتا ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کعبہ کی کیفیت قرآن مجید کی کئی آیتوں میں بطریق اجمال اس طرح بیان کی گئی ہی کہ ابراہیم نے خدائے تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق شہر مکہ کے ایک پہاڑ کی گھاٹی میں خانۂ کعبہ یعنی مسجد بنائی۔ حضرت اسمٰعیل خانۂ کعبہ کی تعمیر میں باپ کے ساتھ شریک تھے۔ اسمٰعیل گارا اور پتھر دیتے جاتے اور ابراہیم علیہ السلام دیواریں اونچی کرتے جاتے تھے۔ باپ بیٹوں نے بامید قبول اس عبادت گاہ کو بنایا تھا بناتے جاتے اور خدا سے دعائیں مانگتے جاتے تھے کہ خدا اُن کی اس خدمت کو قبول کرے۔ ازرقی کی کتاب اخبار مکہ میں لکھا ہی کہ حضرت ابراہیم کعبے کی دیواریں زمین سے نو ہاتھ اونچی لے گئے اور ایک طرف سے بیس اور ایک طرف سے بائیس ہاتھ کا عرض رکھا اور طول ایک جانب سے اکتیس اور دوسری جانب سے بتیس ہاتھ کا۔ کتب تواریخ سے ثابت ہوتا ہی کہ اُس زمانے میں خانۂ کعبہ کی صرف چہار دیواری ہی تھی چھت نہیں تھی اور دروازہ زمین سے بالکل ملا ہوا تھا اُس میں نہ کواڑ چڑھے تھے نہ کنڈی لگی تھی۔ اس عمارت کے ایک بیرونی گوشے پر طواف کے شمار کرنے کو جس سے اُس کی ابتدا اور انتہا معلوم ہو سکے ایک لمبا پتھر لگا دیا تھا جو حجر اسود کے نام سے مشہور ہے۔ ازرقی نے اخبار مکہ میں لکھا ہی کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ خدا کا گھر تعمیر کریں اور وہ تعمیر کرتے کرتے وہاں تک پہنچے جہاں اب حجر اسود رکھا ہوا ہی تو انھوں نے اسمٰعیل سے کہا کہ ایک لمبا سا پتھر لاؤ تاکہ وہ لوگوں کے لیے کعبے کا طواف شروع ہونے اور ختم ہونے کی نشانی ہو یعنی تاکہ لوگ اُس سے طواف شروع کیا کریں اور اسی پر ختم کریں اسمٰعیل علیہ السلام ایک بڑا سا پتھر اُٹھا لائے مگر ابراہیم علیہ السلام نے اُس کو پسند نہیں کیا اور خود اُن کو اُن کی پسند کے موافق ایک پتھر یعنی حجر اسود مل گیا اور اُنھوں نے اِس کو اُس جگہ لگا دیا جہاں اب تک لگا ہوا ہی۔ کعبے کی چار دیواری کے اندر حضرت ابراہیم نے ایک کنواں کھودا تھا جس کو لوگ خزانۂ کعبہ کہتے تھے اور جو کچھ نذر و نیاز کعبے میں آتی تھی وہ اُس میں رکھ دیتے تھے تاکہ چوری سے محفوظ رہے۔ جب حضرت ابراہیم کعبے کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اسمٰعیل علیہ السلام کو اس کا محافظ مقرر کر کے شام کو چلے گئے (بقیہ بر صفحہ آیندہ)

ابراہیم علیہ السلام ابو الانبیا رہیں اور ان کو یہودی اور عیسائی اور مسلمان سب اہلِ کتاب یکساں مانتے ہیں کعبہ قدیم الایام سے تمام اہل عرب کا مقدس پرستش گاہ رہا ہی۔ جب سے بنا ہر برس اس کے حج ہوتے رہے ہیں۔ پیغمبر صاحب کے وقت میں بھی جزیرۂ عرب قبائل میں منقسم تھا اب بھی ہی۔ قبائل میں بزرگ ترین قبیلہ قریش کا تھا۔ اس لیے کہ یہی لوگ خانۂ کعبہ کے متولی اور خدام اور مجاور تھے۔ یہاں تک اِن لوگوں کا ادب کیا جاتا تھا کہ عرب میں ذیقعدہ۔ ذی الحجہ۔ محرم۔ رجب کے چار مہینے چھوڑ کر باقی آٹھ اسمٰعیل علیہ السلام ایک عرصے تک کعبے کے محافظ رہے جب اُن کا انتقال ہوا تو بنی جُرہم اُس میں دخیل ہو گئے اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اسمٰعیل علیہ السلام نے مضاض بن عمرو کی بیٹی رعلہ نام سے شادی کر لی تھی اور مضاض قبیلۂ جُرہم کا ایک بڑا معزز سردار تھا حضرت اسمٰعیل کے انتقال کے بعد مضاض کی بیٹی رعلہ کی کئی اولادیں باقی رہیں اور مضاض نے اِس حیثیت سے کہ وہ اسمٰعیل کے بچوں کا نانا تھا اُن کی سرپرستی اور کفالت کا بیڑا اُٹھایا اور اسی کے ضمن میں تولیتِ خانۂ کعبہ اور حکومتِ شہرِ مکّہ اور تمام اختیارات اُس نے اپنے ہاتھ میں لے لیے اور رفتہ رفتہ بنی جرہم پُورے طور پر دخیل ہو گئے حتےٰ کہ بنی جرہم ہی والیِ بیت تھے۔ بنی جرہم ہی حُجّاب تھے بنی جرہم ہی مکّے کے حاکم تھے ایک عرصے کے بعد ان ہی بنی جرہم کے اختیار کے زمانے میں پہاڑی نالہ آیا اور کعبے میں پانی چڑھ گیا اور کعبہ ڈھے گیا بنی جرہم نے اُن ہی بُنیادوں پر جو ابراہیم علیہ السلام نے بنائی تھیں کعبہ کھڑا کیا اور اسی صورت پر ازسرِ نو بنا لیا اس وقت بھی کعبے کی بلندی زمین سے نو ہاتھ تھی۔ بنی جرہم کے بعد قبیلۂ عمالیق نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی۔ عرب میں ایک مشہور قبیلہ حمیر بھی آباد تھا اور بنی حمیر کی شاخ ایک اور قبیلے سے ملتی تھی جسے قبیلۂ عمالیق کہتے تھے اور جو مکّے میں بستا تھا۔ بنی جرہم اور بنی عمالیق میں اکثر کُشت وخُون ہوتے رہتے تھے آخرِ کار عمالیق نے بنی جرہم پر غلبہ پا لیا۔ اور کعبے کی مختار ہو گئے۔ اِن کے زمانۂ حکومت میں ایک بڑا عظیم الشان سیلاب مکّے میں آیا جس سے خانۂ کعبہ جگہ جگہ سے ٹُوٹ پُھوٹ گیا۔ اِس تعمیر کا زمانہ اگرچہ ٹھیک طور پر معلوم نہیں ہوا مگر مورخوں نے عمالیق کی حکومتِ مکّہ کا زمانہ سنہ عیسوی سے ایک صدی پیشتر بتایا ہی۔ اِس سے قیاس کیا جاتا ہی کہ غالباً عمالیق کے خانہ کعبہ کی تعمیر کا زمانہ حضرت مسیح سے سو برس پیشتر ہی اس کے بعد خانہ کعبہ کی تعمیر قُصَیّ بن کِلاب کے ہاتھوں ہوئی جو جنابِ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا جدِّ اعلیٰ ہی زُبیر بن بکّار قاضیِ مکّہ کتاب النسب میں لکھتے ہیں کہ جب قبیلۂ خزاعہ نے جو مکّے میں آباد تھا اور سارے شہر پر اپنا تسلّط رکھتا تھا خانہ کعبہ کی تولیت قُصَیّ بن کلاب کے سُپرد کی اور شہرِ مکہ کی حکومت کی باگ اُس کے ہاتھ میں دے دی تو اُس نے سب سے پہلے اپنی قوم کے چندے سے بہت سا روپیہ جمع کیا اور خانہ کعبہ کو جو متواتر سیلابوں کے صدمے سے جا بجا سے پھٹ گیا تھا ڈھا کر ازسرِ نو تعمیر کرایا۔ اور ایسے استحکام اور مضبوطی کے ساتھ تعمیر کرایا کہ اِس سے پیشتر کبھی کسی نے ایسی مضبوطی کے ساتھ تعمیر نہ کرایا تھا قُصَیّ نے بناءِ ابراہیمی میں کچھ اور تغیر تو نہیں کیا۔ صرف چھتوں کو گوگل کی لکڑی سے پاٹ دیا۔ اور حطیم کی طرف سے کچھ عرض کم کر دیا کیونکہ یہاں تک پہنچ کر اُس کے پاس کا سرمایہ ٹھُہر گیا تھا یہ تعمیر غالباً جناب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے دو سو برس پہلے ہوئی ہی کیونکہ قُصَیّ بن کلاب آپ کی ولادت سے دو سو سال پیشتر گزرا ہی۔ ایک عرصے کے بعد قبیلۂ خُزاعہ قُصَیّ سے بگڑ بیٹھا اور اُسے تولیۂ کعبہ اور حکومتِ شہر سے بے دخل کرنا چاہا مگر قُصَیّ نے نہایت دلیری اور بے باکی کے ساتھ اُن کا مقابلہ کیا اور سخت خونریزی کے بعد آخرِ کار بنو خزاعہ کو مکّے سے نکال چھوڑا اور خود شہرِ مکّہ کا مستقل اور با اختیار حاکم ہو گیا۔ قصی کی قوم نے اُس کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا اور سب نے اُس کے حکم پر گردنِ تسلیم جُھکا دی۔ اِن لوگوں کے دلوں میں کعبے کی اس درجہ وقعت و بزرگی تھی کہ کعبے کے اردگرد سکونت کے لیے مکانات بنانے کو گناہ سمجھتے تھے اور انھوں نے یہ قاعدہ مقرر کر رکھا تھا کہ دن کو تو کعبے کے اردگرد رہتے اور شام کو مکّے سے نکل کر جنگل میں چلے جاتے جب ایک مدت اسی طرح گزر گئی تو قُصَیّ نے اپنی قوم کو جمع کر کے کہا کہ تم مکّے میں رہایشی مکانات بناؤ (بقیہ برصفحۂ آیندہ)

مہینے عرب کے قبائلِ خود سر آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ لڑائی کے مہینوں میں قریش کے سوائے کسی کی مجال نہ تھی کہ کسی دوسرے قبیلے کی سرحد میں ہو کر گزر جائے مارڈالتے تھے لوٹ لیتے تھے اور امن کے چار مہینے بھی خانۂ کعبہ کے ادب سے قرار دے رکھے تھے کہ لوگ بے روک ٹوک کعبے کا حج اور عمرہ کریں۔ اور ان مہینوں میں دم لے کر لڑائی کے لیے بھی سانوٹے ہو جائیں۔ لڑائی کے مہینوں میں بھی قریش سے کوئی متعرض نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ ملوکِ حوالی تک اِن کی تعظیم و توقیر کرتے تھے

۵ حج اور عمرے میں فرق ہے۔ حج تو یہ ہے کہ احرام باندھا۔ عرفے کے دن عرفات جا حاضر ہوئے۔ وہاں سے فارغ ہو کر لوٹے تو رات رہے مزدلفے میں جس کو مشعر الحرام بھی کہتے ہیں اگلے دن عید کی صبح منا میں جا کر کنکریاں پھینکیں بال ترواکر احرام اُتار دیا۔ پھر آکر طوافِ کعبہ کیا۔ صفا مروہ کے درمیان دوڑے۔ پھر دوبارہ منا میں جا کر تین دن یا دو دن رہے اور ہر روز کنکریاں پھینکا کیے پھر لوٹ کر خانۂ کعبہ کا طواف کیا اور رخصت ہوئے اور عمرہ یہ ہے کہ جب چاہا احرام باندھا۔ کعبے کا طواف کیا۔ اور صفا اور مروہ کے درمیان دوڑے اور بال اُترواکر احرام اُتار دیا ۱۲

(بقیہ نوٹ صفحہ ۷۸) اور انھیں آباد کرو اس سے عرب پر تمھارا رعب پڑے گا اور کسی کو تم سے لڑنے اور حرم سے نکال باہر کرنے کی مجال نہ ہوگی اس پر قوم نے خانۂ کعبہ کے اِرد گرد مکانات بنانے شروع کر دیئے۔ سب سے پہلے قصیّ نے ابتدا کی اور ایک بڑا عظیم الشان مکان بنایا جس کا نام دار الندوہ رکھا یہ مکان ٹھیک اسی جگہ تعمیر ہوا تھا جہاں اب حنفی مصلّے ہے۔ دار الندوہ بن کر تیار ہوا تو قوم کے تمام لوگ اپنے کاموں میں مشورہ کرنے اور دانشمندانِ قوم سے رائے لینے کی غرض سے یہاں جمع ہونے لگے اور رفتہ رفتہ اس کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ قریش میں کے کسی مرد یا عورت کا دار الندوہ کے علاوہ اور کسی جگہ نکاح ہی نہیں ہوتا تھا۔ پھر ایک زمانے کے بعد قریش نے تعمیر کعبہ کا بیڑہ اُٹھایا اِس وقت جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا سنّ شریف قریباً تیرہ چودہ سال کا تھا۔ قریش کو تعمیر کعبہ کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ معرکۂ فجار کے بعد جو تاریخ عرب میں ایک بڑا مشہور واقعہ ہے کعبے میں آگ لگ گئی تھی اور آتشزدگی کی وجہ سے اُس کی دیواریں بودی پڑ گئی تھیں اسی اثنا میں پہاڑی نالوں کی کثرت ہوئی اور ایک عظیم الشان نالہ بڑے زور شور سے آیا اور خانۂ کعبہ پانی سے بھر گیا جس کی وجہ سے دیواریں پھٹ گئیں اور گرنے کو ہوئیں اتفاقاً اُسی موقع پر کعبے کا خزانہ چند اوباشِ قریش چُرا لے گئے جو جوفِ کعبہ میں ہمیشہ محفوظ رہتا تھا۔ اُدھر رومیوں کا ایک بڑا جہاز بندرگاہِ مکہ کے قریب آکر جو اب جدّہ کے نام سے مشہور ہے پھٹ گیا قریش کو چونکہ لکڑی کی ضرورت تھی اور مکے میں لکڑی کا دستیاب ہونا مشکل تھا انھوں نے سُنا تو وہاں دوڑے گئے اور سب لکڑی خرید لی۔ جہاز میں ایک معمار بھی تھا جو تعمیر اور بڑھئی کا عمدہ کام جانتا تھا اور جسکو باقوم کہتے تھے قریش بمنت اُسے ہمراہ لوالائے اور قوم سے چندہ جمع کر کے تعمیر شروع کر دی۔ لوگ پہاڑوں پر سے بڑے چھوٹے پتھر ڈھو ڈھو کر جمع کرنے لگے اور اس وقت ہمارے پیغمبر صاحب اگرچہ تھوڑی عمر رکھتے تھے مگر پتھر ڈھونے میں اپنی قوم کے ساتھ شریک تھے چنانچہ بخاری میں آیا ہے کہ پیغمبر صاحب اپنے چچا عباس کے ساتھ پتھر ڈھوتے تھے۔ عباس آپ کے کندھے پر پتھر رکھ دیتے اور آپ اُٹھا کر اُس جگہ ڈال آتے جہاں مسالۂ تعمیر جمع ہو رہا تھا۔ پتھر لکڑی جمع ہو گئی تو قریش نے کعبے کے ڈھانے کا ارادہ کیا لیکن ساتھ ہی انھیں یہ خوف دامنگیر ہوا کہ خانۂ خدا ڈھانے کی وجہ سے ہم پر کوئی آسمانی آفت نہ آجائے اس لیے اُنھوں نے مشورہ کیا کہ اس کی ابتدا کس شخص کو کرنی چاہیئے ولید بن مغیرہ نے جو پہلے ہی سے نہایت بے باک اور دلیر تھا جی کڑا کر کے کہا کہ میں ڈھانا شروع کرتا ہوں۔ میں اپنی عمر طبعی کو تو پہنچ ہی چکا ہوں کوئی آفت آئے گی تو بس یہی ہوگا نا کہ میں مر رہوں گا سو اس کا مجھے کچھ افسوس نہیں چنانچہ وہ کعبے کی ایک دیوار پر چڑھا اور کُدال سے ڈھانا شروع کیا۔ پھر تو سب لوگ دیواروں پر پل پڑے اور چند ہی دنوں میں اُن بنیادوں تک ڈھا کر زمین کو ہموار اور برابر کر دیا جن پر

اسلام سے پہلے سارا عرب مشرک و بُت پرست تھا خود قریش نے خانۂ کعبہ میں بُت بھر رکھے تھے اور ہندوستان کے پانڈوں کی طرح اِن کی پُوجا کراتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ہم اپنے جدِّ امجد ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں حالانکہ توحید کا چرچا اور زور شور حضرت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۷۹) حضرت ابراہیم نے پھیلائی تھی۔ جب سب ڈھا چکے تو معلوم ہوا کہ جس قدر چندہ جمع ہوا ہے وہ تعمیرِ عمارت کے لیے کافی نہیں ہے اس لیے باہمی مشورے سے یہ بات قرار پائی کہ اِس چندے سے جس قدر عمارت بن سکے بنائی جائے اور باقی کو چھوڑ دیا جائے چنانچہ اوّل چہار دیواری بنانی شروع کی اور کعبے کا ارتفاع اٹھارہ ہاتھ تک لے گئے چار ہاتھ ایک بالشت کے مقدار کرسی دی اور اسی قدر کرسی پر آمد و رفت کا دروازہ رکھا تاکہ پہاڑیوں کا پانی پھر کعبے میں نہ گھُس سکے اور کوئی شخص بے سیڑھی کے اور بغیر ہماری اجازت کے اندر نہ جا سکے الغرض جب قریش کعبے کو بناتے ہوئے اُس مقام تک پَونہچے جہاں حجرِ اسود لگا نا تھا تو باہم نزاع پیدا ہوئی ایک قبیلہ کہتا تھا حجرِ اسود کو ہم کھڑا کریں گے دُوسرا کہتا تھا ہم نصب کریں گے قریب تھا کہ فریقین کی نزاع مُنجر بقتال ہو جائے مگر خیریت ہوئی کہ ابو اُمیہ مخزومی بیچ میں پڑ گیا اور دونوں قبیلوں میں اس بات پر مصالحت کرا دی کہ ایک شخص کو اپنا حَکَم مقرر کر لو اور پھر جو وہ فیصلہ دے اُسے بدل منظور کرو میرے خیال میں اِس نزاع کے رفع کی اِس سے بہتر اور کوئی تجویز نہیں ہے کہ دونوں قبیلوں کے سردار بابِ مسجد پر کھڑے ہو جائیں اور جو سب سے پہلے اِس رستے سے نُمودار ہو وہی فیصلے کے لیے حَکَم مقرر کیا جائے۔ شرفاء قریش نے متفق الفاظ میں ابو اُمیہ کی اس رائے کے ساتھ اتفاق ظاہر کیا اور اُس کی لیاقت کی بہت کچھ تعریف کی۔ تمام سردارانِ قوم کعبے کے دروازے پر جمع ہو گئے۔ اتفاقًا سب سے پہلے جو شخص اُس رستے سے آیا۔ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ سلم تھے قریش نے آپ کو دیکھ کر نہایت جوشِ مسرت سے کہا هٰذَا الْاَمِیْنُ قَدْ رَضِیْنَا بِهٖ یعنی یہ شخص اَمین ہے اور ہم اِس کے حَکَم بننے سے خوش اور اس کے فیصلے کو رغبت کے کانوں سے سننے کو تیار ہیں۔ جناب پیغمبر صاحب نے اِس بارے میں وہ دانشمندانہ اور عاقلانہ فیصلہ دیا کہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ خوش ہو گئے آپ نے اپنی چادرِ مُبارک زمین پر بچھا دی اور حجرِ اسود کو اُٹھا کر چادر میں رکھ دیا پھر سردارانِ قوم سے فرمایا کہ ہر قبیلے کے سردار اس چادر کا ایک ایک کُونہ پکڑ لیں اور زمین سے اُٹھا کر وہاں تک لے چلیں۔ جہاں حجرِ اسود کو لگانا ہے سردارانِ قریش نے ایسا ہی کیا اور جب اُس جگہ تک پَونہچے تو پیغمبر صاحب نے خود اپنے دستِ مبارک سے اُس کو وہاں رکھ دیا۔ اَب پھر تعمیر شروع ہوئی۔ دیواریں بن بنا کر تیار ہوئیں تو باقُوم معمار نے سردارانِ قریش سے دریافت کیا کہ چھت کیسی چاہتے ہو۔ چورس یا بنگلہ نما اُنھوں نے کہا ہمارے پروردگار کی چھت چورس ہی بنانی چاہیے۔ چنانچہ باقُوم نے چھے ستون کھڑے کر کے اُن پر چورس چھت بنا دی۔ ستونوں کی دو صفیں اس طرح کھڑی کیں کہ ہر صف میں تین تین ستون آگے پیچھے رکھے اس تعمیر میں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر میں اِس قدر تغیر ہو گیا کہ کعبے کی بلندی باہر کی طرف سے اُٹھارہ گز ہو گئی اور پہلے نَو ہی گز تھی۔ آمد و رفت کا دروازہ چار گز ایک بالشت اُونچا کر دیا گیا اور بنارِ ابراہیمی میں زمین سے مِلا ہوا تھا۔ کعبے کے اندر چھے ستون دو صفوں میں قائم کر کے اُن پر چھت کھڑی کر دی حالانکہ پہلے نہ ستون تھے نہ چھت حطیم کی جانب کو چھے ہاتھ اور ایک بالشت زمین چھوڑ دی اور اُس طرف عرض میں ایک جدید بُنیاد کھود کر دیوار کھڑی کر دی۔ حطیم کی طرف جو زمین چھوڑ دی گئی تھی اُسی میں کعبے کی چھت کا پرنالہ ڈالا۔ رکنِ شامی میں اندر کی جانب کاٹ کا ایک زینہ چڑھایا جس کے ذریعے سے لوگ خانۂ کعبہ کی چھت پر چڑھ سکیں۔

جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ سلم کی وفات کے بعد ۶۴ھ ہجری میں حضرت عبد اللہ بن زبیر نے پھر خانۂ کعبہ کی تعمیر کی اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ معاویہ بن ابی سفیان کے انتقال کے بعد جب یزید اپنے باپ کا جانشین ہوا تو عبد اللہ بن زبیر نے اُس کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا

ابراہیم ہی سے ہوا ہو۔ اِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ ع۵

اِنَّ اِبْرٰهِيمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ (النحل ع ۱۶)

بے شک ابراہیم (لوگوں کے) پیشوا ہو گزرے ہیں خدا کے فرمانبردار (بندے) جو ایک (خدا) کے ہو رہے تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے خدا کی نعمتوں کے شکرگزار خدا نے اُن کو انتخاب کر لیا تھا اور اُن کو (دین) کا سیدھا رستہ (بھی) دکھا دیا تھا۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (النحل ع ۱۶)

پھر (اے پیغمبر) ہم نے تمھاری طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم کے طریقے کی پیروی کرو جو ایک (خدا) کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے

ع۵ اس آیت سے پہلے کی چار آیتیں اس کے ساتھ پڑھو تو حضرت ابراہیم کی توحید کا زور شور معلوم ہوا اور وہ آیتیں یہ ہیں وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرٰهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ۝ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّي فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِينَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّي فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَاَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّينَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّي هٰذَا اَكْبَرُ فَلَمَّا اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّي بَرِيٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ اِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ یعنی اور (جس طرح ابراہیم کے دل میں ہم نے یہ خیال پیدا کیا کہ وہ اپنے باپ پر حجت قائم کریں) اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمان و زمین کا انتظام دکھانے لگے تاکہ وہ (کامل) یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں تو جب اُن پر رات چھا گئی اُن کو ایک ستارہ نظر آیا اور (اُس کو دیکھ کر) لگے کہنے کہ یہی میرا پروردگار ہے پھر جب وہ غروب ہو گیا تو بولے کہ غروب ہونے والی چیزوں کو تو میں پسند نہیں کرتا (کہ خدا مان لوں) پھر جب چاند کو دیکھا کہ بڑا جگمگا رہا ہے تو لگے کہنے یہی میرا پروردگار ہے پھر جب (وہ بھی) غروب ہو گیا تو بولے اگر مجکو میرا پروردگار راہ راست نہیں دکھائے گا تو بے شک میں (بھی) گمراہ لوگوں میں ہو جاؤں گا پھر جب سورج کو دیکھا کہ بڑا جگمگا رہا ہے تو لگے کہنے یہی میرا پروردگار ہے کہ یہ (سب سے) بڑا (بھی) ہے پھر جب (وہ بھی) غروب ہو گیا تو (اپنی قوم سے مخاطب ہو کر) بولے کہ بھائیو جن چیزوں کو تم شریک (خدا) مانتے ہو میں تو اُن سے بے تعلق (رہتا) ہوں میں نے تو ایک ہی کا ہو کر اپنا رُخ اُسی (ذات پاک) کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمان و زمین کو بنایا اور میں تو مشرکوں میں سے نہیں ہوں ف

ف ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں اور چاند اور سورج کو غروب ہوتے دیکھ کر یہ کہنا کہ اِن کا غروب ہونا شانِ خدائی کے خلاف ہے اس کا مطلب تھا کہ ستارے اور چاند اور سورج مجبور معلوم ہوتے ہیں اور کسی دوسرے کے ارادے کے محکوم اور جب مجبور اور محکوم ہیں تو خدا نہیں ہو سکتے ۱۲

(بقیہ نوٹ صفحہ ۸۰) اور بیعتِ خلافت سے صاف انکار کر دیا اس پر یزید نے مکے پر فوج کشی کا حکم دیا اور حصین بن نمیر لشکرِ جرار لے کر مکے پر چڑھ دوڑا کئی روز تک دونوں فریق لڑتے رہے عبداللہ بن زبیر کے ساتھی کعبے کے اردگرد خیموں میں پڑے ہوئے تھے اور حصین بن نمیر کوہ ابوقبیس پر کھڑا ہوا گوپن کے ذریعے سے پتھر چلا رہا تھا۔ عبداللہ بن زبیر کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص کے خیمے میں آگ لگ گئی اور چونکہ ہوا تیز تھی خدا کا کرنا کعبے میں بھی جا لگی اور سارا کعبہ جل کر کوئلہ ہو گیا دیواروں کے پتھر راکھ جیسے ہو گئے اور بہت جگہ سے پھٹ کر گر پڑے اس واقعے کے دس گیارہ روز بعد یزید مر گیا اور حصین بن نمیر اپنے لشکر سمیت پانچویں ربیع الاول ۶۴ھ کو بے نیل مرام ملک شام کو واپس چلا گیا حصین بن نمیر کے چلے جانے کے بعد عبداللہ بن زبیر نے اشرافِ مکہ اور معززان قوم کو جمع کر کے کعبے کے ڈھانے اور از سرِ نو بنانے میں مشورہ کیا رائے قرار پائی کہ بے شک خانہ کعبہ کی تعمیر کی جائے اور نہایت خوش اسلوبی اور استحکام کے ساتھ کی جائے عبداللہ بن زبیر نے (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

قریش کی اور بھی بکی شاخیں تھیں سب میں شریف تر بنی ہاشم - اُن میں شریف تر بنی عبدالمطلب جن میں جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے کیونکہ وہ عبداللہ کے بیٹے اور عبدالمطلب کے پوتے تھے - اگر پیغمبر صاحب مذہب کی چھیڑ چھاڑ نہ نکالیں تو شرافتِ ذاتی کے اعتبار سے تمام قریش کے سرگروہ ہوتے - خیر دین کی چھیڑ چھاڑ تو آگے چل کر شروع ہوگی - خدا کو یوں منظور ہوا کہ پیغمبر صاحب ابھی بطنِ مادر ہی میں تھے کہ اِن کے والد نے قضا کی دادا عبدالمطلب متکفل پرورش ہوئے مگر وہ خود کثیر العیال

(بقیہ نوٹ صفحہ ۸۱) کعبے کے ڈھانے کا حکم دیا تو کسی کو اتنی جرأت نہیں ہوئی کہ کعبے کی کسی دیوار پر کدال لگائے آخر کار خود عبداللہ بن زبیر کدال ہاتھ میں لیے ہوئے اوپر چڑھے اور دیواروں کو ڈھانا اور پتھروں کو نیچے پھینکنا شروع کیا - لوگوں کی دہشت رفع ہوئی - تو سب اوپر چڑھ گئے اور بے اندیشہ جلد جلد ڈھانے لگے - سنہ ۶۴ھ جمادی الاخری کا مہینا پندرھویں تاریخ ہفتے کا دن تھا کہ سارا کعبہ ڈھا کر برابر کر دیا گیا - جس وقت تک کعبہ ڈھے نہیں چکا ابن عباس مکے میں نہیں گئے بعد کو انھوں نے عبداللہ بن زبیر سے کہلا بھیجا کہ لوگوں کو کسی وقت بھی بے قبلہ نہ چھوڑنا چاہیے یعنی کوئی وقت ایسا نہ ہو کہ لوگ طواف کرنے اور نماز پڑھنے سے رک جائیں خانۂ کعبہ کے گرداگرد تختے کھڑے کر کے اُن پر پردے لٹکا دو اور تختوں کے باہر کی زمین بالکل صاف کرا دو تاکہ لوگ تختوں کی دیواروں کے گرد طواف کرتے اور نمازیں پڑھتے رہیں - عبداللہ بن زبیر نے ایسا ہی کیا اندر اندر کام ہوتا رہا اور لوگ تختے کی دیوار کے گرد طواف کرتے اور نمازیں پڑھتے رہے - عبداللہ بن زبیر نے جب کعبے کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا تو حضرت ابراہیم کی بنیادیں ظاہر ہوگئیں معلوم ہوا کہ چھ گز اور ایک بالشت زمین حطیم کی طرف نکال دی گئی ہے - انھوں نے اُس زمین کو خانۂ کعبہ میں داخل کر لیا اور تمام عمارت ابراہیمی بنیادوں پر بنانی شروع کی - کعبے میں آمد و رفت کے لیے دو دروازے رکھے ایک شرق کی جانب دوسرا غرب کی طرف تاکہ شرقی دروازے سے لوگ داخلِ کعبہ ہوں اور غربی دروازے سے آسانی کے ساتھ نکل جائیں - کعبے کے آمنے سامنے کے دونوں دروازے زمین کی برابر لگائے تاکہ آنے جانے والوں کو چڑھنے اُترنے کی تکلیف نہ کرنی پڑے مگر کعبے کی بلندی نو گز اور اونچی کر دی (یعنی) قریش اٹھارہ گز اونچا لے گئے تھے عبداللہ بن زبیر نے قریش کی بلندی سے بھی نو گز بلندی بڑھا دی اور اب خانۂ کعبہ ستائیس گز زمین سے اونچا ہوگیا - قریش نے کعبے کے اندر دو صفوں میں آگے پیچھے چھ ستون کھڑے کیے تھے عبداللہ بن زبیر نے صرف تین رکھے اور دیواروں کا آثار قریب دو ہاتھ کے بڑھا دیا - عبداللہ بن زبیر کی حکومت کا زمانہ بہت جلد ختم ہوگیا اور اُن کی زوالِ حکومت کے ساتھ ساتھ اُن کی تعمیر کعبہ بھی تغیر پذیر ہوگئی یعنی سنہ ۷۳ ہجری میں جب عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوا تو اُس نے اِسی سال میں حجاج بن یوسف ثقفی کو ایک عظیم الشان فوج کے ساتھ عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کے لیے بھیجا - دونوں میں خوب مقاتلہ ہوا اور عبداللہ بن زبیر مارڈالے گئے - حجاج مکے میں داخل ہوا اور سب طرف کا انتظام کر کے عبدالملک کو لکھا کہ عبداللہ بن زبیر نے خانۂ کعبہ میں ایسی بہت چیزیں ایجاد کی ہیں جو پہلے نہ تھیں اُس نے قدیم دروازے کے مقابلے میں ایک جدید دروازہ بھی بنا دیا ہے اور دروازوں کو زمین سے ملا کر کھڑا کیا ہے - حطیم کی طرف کی زمین جو خارجِ کعبہ تھی اُس نے کعبے میں داخل کر کے قریش کی بنائی ہوئی دیوار توڑ دی ہے - عبدالملک نے جواب میں لکھا کہ غربی دروازے کو بند کر دو اور حطیم کی طرف کی زمین خارج کر کے قریش کی بنیادوں پر دیوار کھڑی کر دو جیسے کہ پہلے تھی اور شرقی دروازے کو پہلے جیسا اونچا کر دو اور باقی سب چیزیں بدستور رہنے دو چنانچہ حجاج نے حطیم کے پاس سے کعبے کو توڑ کر چھ گز اور ایک بالشت زمین خارج کر دی اور قریش کی بنیاد پر وہاں دیوار بنا دی غربی دروازے کو تیغہ کر دیا اور داخلی دروازے کی اُتنی ہی بلندی کر دی جتنی قریش نے رکھی تھی باقی سب چیز بدستور رہنے دی پس آج جس قدر بھی کعبے کی عمارت ہے سب عبداللہ بن زبیر کی بنائی ہوئی ہے مگر صرف وہ دیوار جو حطیم کی طرف ہے اور غربی دروازے کا تیغہ اور شرقی دروازے کی چار گز ایک بالشت اونچان اور کعبے کے اندر کی سیڑھی اور ۲

تھے بیوہ بہو اور یتیم پوتے کا خرچ اور اُٹھانا پڑا۔ پیغمبر صاحب ساٹھ برس کے تھے کہ دادا کا بھی انتقال ہوگیا تو چچا ابو طالب حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کے والد نے دستگیری کی۔ اِس رُوداد سے پیغمبر صاحب کی مالی مقدرت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جس کی دُنیاوی وجاہت کے لیے بڑی سخت ضرورت ہے۔ اُس پر طُرّہ یہ کہ پیغمبر صاحب کی طبیعت خاص طرح کی واقع ہوئی تھی۔ شروع سے اِن کو از خود شرک اور بُت پرستی کی چڑھ تھی۔ اور جن لوگوں میں اِن کو چار و ناچار رہنا تھا اُن کی عادات اُن کی اوضاع۔ اُن کے اطوار یعنی خود اُنکو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ نہ اُن کے میلوں تماشوں میں شامل ہوتے نہ ناچ رنگ اور شراب خواری اور قماربازی کی صحبتوں میں شامل ہوتے۔ یہاں تک کہ زمانۂ طفولیت میں ہمجولیوں کے ساتھ کھیلتے بھی نہ تھے لوگوں کو کیا غرض پڑی تھی کہ یہ تو اُن کی صورت سے بھاگیں اور وہ زبردستی اِن کے سر ہوں مانع ماں میں تیرا مہمان کیا نئیں تاں ان مُنْ عمر کے ساتھ اجنبیت بڑھتی گئی پچیس برس کی عمر میں اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اِن کا بیاہ بھی ہوگیا۔ مگر دل برداشتگی بدستور رہی۔ مکے سے تین میل کے فاصلے پر کوہِ ابو قبیس میں حرا نامی ایک غار ہے۔ گھر سے کئی کئی دن کا کھانا پانی لے جاتے اور غار میں اکیلے بیٹھے خدائے واحد کی عبادت کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسی غار میں اِن کو پیغمبری ملی اور دینِ حق کی مُنادی یعنی دعوتِ اسلام کا حکم ہوا۔ اِس حکم کی تعمیل نے تو ایک دم سے سارے مُلک میں اِس سرے سے اُس سرے تک آگ سی لگادی اور اپنے بیگانے سب پیغمبر صاحب کے دشمن ہوگئے۔ اِس لیے کہ دعوتِ اسلام سے بُتوں کی توہین بزرگوں کی تحمیق ہوتی تھی۔ مکے کی مرجعیت اور خاص کر قریش کی روزی میں خلل پڑتا تھا۔ لوگوں نے بھی کوئی بے حرمتی نہ تھی جو پیغمبر صاحب کے ساتھ نہ کی ہو۔ آخر دعوتِ اسلام کے چودھویں برس پیغمبر صاحب کو جان لے کر مدینے بھاگ جانا پڑا۔ ہم نے اس بیان میں بہت سی ضروری باتیں چھوڑ دی ہیں تاکہ اصل مطلب سے دور نہ ہو جاؤں۔ پیغمبر صاحب کے حالات جو میں نے بیان کیے اُن کی بینی۔ اُن کی خاص طرح کی طبیعت۔ لوگوں سے اُنکی وحشت اور اجنبیت۔ اُن کی خلوت پسندی یہ سب تاریخی واقعات ہیں زمانے کے پتھر کی تختی پر ایسے گہرے کندہ کیے ہوئے ہیں کہ کسی کے مٹائے مٹ نہیں سکتے اور ایسے صاف پڑھے جاتے ہیں کہ جیسے آج کندہ کیے گئے ہیں اب تم اِن حالاتِ صحیحہ کو حاضر فی الذہن رکھ کر ٹھنڈے دل سے انصاف سے تجویز کرو کہ پیغمبر صاحب جھوٹا دعویٰ رسالت کرکے کس مفاد کی توقع کرسکتے تھے اِسی دعوے نے تو اِن کی یہ گت بنوائی تھی کہ قطعہ

جھڑکی تو مدتوں سے مساوات ہوگئی　　گالی کبھو نہ دی تھی سو اَب بات ہوگئی

باقی ہی مار کھانی تو سن لوگے ایک دن　　اُس کی گلی میں اپنی یہ اوقات ہوگئی

اسی دعوے نے اِن کو شہر بدر کرایا۔ سالہا سال پے در پے اِس کا تجربہ ہوتے پیچھے کوئی احمق سے احمق بھی برعکس مدعا ایسے دعوے سے کسی فائدے کی توقع کرسکتا تھا نہ کہ پیغمبر صاحب جیسا زیرک آدمی[1] جس نے حقانیت کے بل پر صرف باتوں سے

[1] جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی پر مُنصفانہ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو کہ اُنھوں نے کسی حالت میں کسی موقع پر کسی طرح کے مفاد دُنیا کو کبھی مدِ نظر ہی نہیں رکھا اور جب تک دُنیا میں رہے فقر و فاقے کے ساتھ رہے اور اسی میں خوش رہے اور اسی کی اپنے ہمراہیوں کو رغبت دلاتے رہے کتبِ احادیث و تواریخ میں بہت سے ایسے واقعات مذکور ہیں جن سے ہمارے اِس بیان کی پوری طرح تائید ہوتی ہے ازانجملہ ایک وہ حدیث ہے جس شیخین نے حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ مِّنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی محمد کے گھر والے دو دن متواتر جو کی روٹی سے سیر نہیں ہوئے

عہ جیسا اُن سے گادیا گھر سے گا

ایک عالم کو اپنا ہم خیال بنالیا - اور خالی ہاتھ پاؤں سے ایسی زبردست سلطنت قائم کردی جس کی نظیر اقوامِ روزگار میں سے کسی قوم کی تاریخ میں پائی نہیں جاتی - جھوٹ میں یہ قوت نہ کبھی ہوئی ہے - اور نہ ہوسکتی ہے -

(ش[۱۱۴]) اس سے تو دوسرے مذہب والے مثلاً ہنود اور نصاریٰ بھی استدلال کرسکتے ہیں بلکہ بدرجۂ اَولیٰ اس واسطے کہ وہ شمار میں مسلمانوں سے بہت زیادہ ہیں -

(م[۱۱۴]) یار تم بھی غضب کی چٹکی لیتے ہو - بے شک کرسکتے ہیں اس واسطے کہ ہر ایک مذہب میں صداقت ہے کسی میں کم کسی میں زیادہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۸۳) (یعنی کبھی کوئی ایسا موقع نہیں ہوا کہ دو روز برابر جَو کی روٹی سیر ہوکر کھائی ہو) یہاں تک کہ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے - از انجملہ ایک وہ حدیث ہے جسے شیخین نے حضرت عمر فاروق رضہ سے نقل کیا ہے - وہ کہتے ہیں ایک دن کا ذکر ہے کہ میں جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کھجور کے ایک بوریئے پر کروٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے - بوریئے پر کسی چیز کا فرش نہ تھا اور اسی وجہ سے جس پہلو پر آپ لیٹے ہوئے تھے اُس میں بوریئے کے نقش اُبھر آئے تھے - چمڑے کا ایک تکیہ جو کھجور کے پوست سے بھر دیا گیا تھا آپ کی گردنِ مبارک کے تلے رکھا ہوا تھا جس پر آپ تکیہ کیے ہوئے تھے - یہ حالت دیکھ کر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا سے دُعا کیجیے کہ وہ آپ کی اُمت پر توسیعِ رزق فرمائے - فارس اور روم باوجودیکہ خدا کی بندگی نہیں کرتے کیسے ناز و نعمت میں پلتے اور زندگی بسر کرتے ہیں - جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ای خطاب کے بیٹے کیا تو اسی دنیا میں توسیعِ رزق اور ترفہ اور تنعم طلب کرتا ہے - فارس اور روم جو خوش حالی میں زندگی بسر کرتے ہیں تو اُن کے حصے اور اُن کی خوبیاں اُنکو اِسی دنیا کی زندگی میں دے دی گئی ہیں اِن کو آخرت میں بجز عذاب عتاب کے اَور کچھ نہیں ملے گا[۵] - عمر! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ یہ نعمتیں انھیں دنیا میں اور ہمیں آخرت میں نصیب ہوں از انجملہ ایک وہ حدیث ہے جو ترمذی نے ابوطلحہ رضہ سے روایت کی ہے کہ شَكَوْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُوْعَ وَرَفَعْنَا عَنْ بُطُوْنِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِهٖ عَنْ حَجَرَيْنِ یعنی ہم نے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹوں سے ایک ایک پتھر کھول کر دکھایا جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے شکمِ مبارک سے کپڑا اٹھایا اور دو پتھر کھول کر دکھائے - از انجملہ ایک وہ حدیث ہے جسے مُسلم نے حضرت جابر رضہ سے نقل کیا ہے جابر کہتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بدستور جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کے لیے طالبِ اجازت ہوئے مگر دیکھا کہ چند آدمی پیغمبر صاحب کے دروازے پر بیٹھے ہیں جنھیں اندر آنے کی اجازت نہیں ملی - پیغمبر صاحب کو ابوبکر کے آنے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اجازت دی - اجازت ملنے پر ابوبکر اندر گئے اتنے میں عمر رضہ آئے اور اُنھوں نے اندر آنے کی اجازت مانگی - اجازت ملی تو اندر گئے دیکھتے ہیں کہ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے گرداگرد آپ کی بیبیاں بیٹھی ہیں اور آپ خاموش اور غمگین ہیں - عمر کہتے ہیں میں نے اپنے دل میں کہا اس وقت کوئی ایسا چٹکلا چھوڑنا چاہیئے جس سے پیغمبر صاحب ہنس پڑیں چنانچہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر خارجہ کی بیٹی (میری بی بی) میری حیثیت سے زیادہ مجھ سے نفقہ مانگے تو میں اُس کی گردن مروڑ ڈالوں یہ سُن کر جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا جن عورتوں کو تم میرے اِردگرد بیٹھا دیکھتے ہو یہ مجھ سے میری وسعت سے بڑھ کر نفقہ مانگ رہی ہیں یہ سُن کر حضرت ابوبکر اُمّ المؤمنین عائشہ رضہ کی طرف اور عمر اُمّ المؤمنین حفصہ کی طرف

[۵] پیغمبر صاحب کا یہ جملہ گویا ترجمہ ہے قرآن کی آیۂ ویوم یعرض الذین کفروا علی النار اذھبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا فاستمتعتم بھا فالیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تستکبرون فی الارض بغیر الحق وبما کنتم تفسقون ۱۲

(ش ۱۱۴) اگر آپ ناخوش نہ ہوں تو ایک بات عرض کروں کہ احتمال اِس کا بھی تو ہی کہ پیغمبر صاحب نے کسی عاجل مفاد کی توقع پر پیغمبری کا غلط دعوے نہ کیا ہو بلکہ آدمی زیرک تو تھے ہی ان کو کسی طرح پر معلوم ہو گیا ہو کہ آخر کار مجکو کامیابی ہونی ہی گو بدیر ہو اور اِس دُور دراز توقع پر پیغمبری کا غلط دعوٰی کر بیٹھے ہوں۔

(ق ۱۱۵) یہی بات تو صاف کرنے کی ہی کہ پیغمبر صاحب کو اگر اپنی ایسی بے سروسامانی اور سارے جزیرۂ عرب اور خاص کر اہلِ مکّہ اور

(بقیہ نوٹ صفحہ ۸۴) اُٹھے اور لگھاُن کی گردنوں پر تکے ملنے اور کہنے ہیں ؟ تم جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے وہ چیز مانگتی ہو۔ جو اُن کے پاس نہیں ہی۔ بیبیوں نے کہا کہ اَب ہم پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے کبھی وہ چیز نہیں مانگنے کے جو آپ کے پاس موجود نہ ہوگی۔ راوی کا بیان ہی کہ اس کے بعد جناب پیغمبر صاحب پُورے تیس دن یا اُنتیس دن تک بی بیون سے علٰحدہ کوٹھے پر رہے اور آیۂ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا نازل ہوئی یعنی اے پیغمبر اپنی بی بیوں سے کہدو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اُس کے ساز و سامان کی طلبگار ہو تو آؤ میں تمھیں (کچھ) دے دلا کر خوش اسلوبی سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اُس کے رسول اور عاقبت کے گھر کی خواہاں ہو تو تم میں سے جو نیکوکار ہیں اُن کے لیے خدا نے بڑے (بڑے) اجر تیار کر رکھے ہیں۔

الغرض واقعاتِ مذکورہ سے ہمارے اِس بیان کی نہایت زور کے ساتھ تائید ہوتی ہی کہ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو کسی دنیاوی مفاد و لالچ نے دعوٰیِ پیغمبری پر آمادہ نہیں کیا اور نہ کسی طرح کا دنیاوی مفاد کبھی آپ کو مدِّ نظر ہوا۔ بلکہ دنیاوی مفاد حاصل کرنے کی جتنی بھی صورتیں تھیں اور ہو سکتی تھیں پیغمبر صاحب نے سب کی اچھی طرح رخنہ بندی کر دی تھی مثلاً ایک صدقات کی جائز مد تھی کہ مال دار لوگ اپنے مال کا کچھ حصّہ پیغمبر صاحب کی خدمت میں بھیجتے تھے یا کھانے کی کوئی چیز بطریق تحفہ تحائف لاتے تھے تو پیغمبر صاحب نے صدقات کو پہلے ہی سے اپنے نفس پر اور نہ صرف اپنے نفس پر بلکہ اپنے تمام خاندان یعنی کُل بنی ہاشم پر حرام ٹھیرا دیا تھا جیسا کہ شیخین کی ایک روایت میں آیا ہی عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ تَمْرَةً مِّنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِیْ فِیْهِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كِخْ كِخْ لِیَطْرَحَهَا ثُمَّ قَالَ اَمَا شَعَرْتَ اَنَّا لَا نَاْكُلُ الصَّدَقَةَ یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ علی کے فرزند حسن نے ایک دفعہ صدقے کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اُٹھا کر مُونہ میں رکھ لی جناب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے پھینک دینے کے لیے فرمایا کخ کخ (چھی چھی) پھر فرمایا کیا تمھیں معلوم نہیں کہ ہم بنی ہاشم خیرات کی کوئی چیز نہیں کھایا کرتے (افسوس ہی کہ پیغمبر صاحب تو خیرات و صدقات سے اس طرح احتراز کریں اور انھیں لوگوں کا میل کچیل فرمائیں اور ہمارے زمانے کے مولوی صاحبان اِسی کو ذریعۂ معاش قرار دیں) مُسلم کی ایک روایت میں یُوں آیا ہی اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِیَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَ اِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّ لَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ یعنی یہ خیرات و صدقات لوگوں کے میل کچیل ہیں اور وہ نہ تو محمد (یعنی مجکو) حلال ہیں اور نہ محمد کی اہلِ بیت (خاندان) کو حلال ہیں۔ ہدایا اور تحائف جو لوگ بھیجتے تھے پیغمبر صاحب انھیں سے تو لیتے تھے تاکہ بھیجنے والوں کی دل شکنی نہ ہو مگر ضرورت کی کوئی چیز ہوئی تو بقدرِ ضرورت لے لی ورنہ لوگوں کو تقسیم کر دی۔ صدقات و تحائف کے علاوہ ایک واجب مد غنیمت و فئے کی بھی تھی جو خدا نے تعالیٰ نے پیغمبر صاحب کے خانگی مصارف اور ذاتی ضرورتوں کے رفع کرنے کی غرض سے آپ کے لیے مقرر کر دی تھی مالِ غنیمت یعنی لڑائی میں جو لوٹ کا مال ہاتھ لگتا تھا وہ سب کا سب پیغمبر صاحب کا حق نہ تھا بڑا حق تھا مجاہدوں کا جو خدا کی راہ میں ہر وقت اپنی عزیز جانیں فدا کرنے کو تیار رہتے تھے بلکہ اُس میں سے صرف پانچواں حصّہ یعنی پیسے میں دمڑی بھی نہیں اور یہ پانچواں حصّہ بھی پورا آپ کا

متولیانِ خانۂ کعبہ کی ایسی سخت مخالفت کے ہوتے برسوں پہلے اپنی کامیابی کا علم ہوا تو کیونکر ہوا - اپنی عقل کے زور سے ہوا تو یہ خلافِ فطرۃ ہے - اور خود پیغمبر صاحب علمِ غیب کا نام سُن کر کانوں پر ہاتھ دھرتے تھے -

لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (الاعراف ۲۳۶)

(اے پیغمبر اِن لوگوں سے کہو کہ) اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجھ کو (کسی طرح کا) گزند ہی نہیں پہنچتا میں تو اُن لوگوں کو جو ایمان لانا چاہتے ہیں (دوزخ کا) ڈر اور (بہشت کی) خوش خبری سنانے والا ہوں اور بس

(بقیہ نوٹ صفحہ ۸۵) حق نہ تھا اُس میں شریک تھے آپ کے وہ تمام قرابت دار جن پر آپ نے زکوٰۃ و صدقات کو حرام ٹھیرا دیا تھا اُس میں شریک تھے مساکین اُس میں شریک تھے یتامیٰ اُس میں شریک تھے مسافر اُس میں شریک تھے تمام مصارفِ خیر - تو مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ جو برائے نام پیغمبر صاحب کے نام زد ہو گیا تھا در اصل دیگر مصارفِ خیر میں صرف ہوتا تھا نہ پیغمبر صاحب کے خانگی خرچ میں جیسا کہ صحاح کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى بَعِيْرٍ مِّنَ الْمَغْنَمِ فَلَمَّا سَلَّمَ اَخَذَ وَبَرَةً مِّنْ جَنْبِ الْبَعِيْرِ ثُمَّ قَالَ لَا يَحِلُّ لِيْ مِنْ غَنَائِمِكُمْ مِّثْلُ هٰذَا اِلَّا الْخُمُسُ وَالْخُمُسُ مَرْدُوْدٌ فِيْكُمْ - یعنی عمرو بن عبسہ کہتے ہیں کہ جناب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے غنیمت کے ایک اُونٹ کا سُترہ بنا کر ہمارے ساتھ نماز پڑھی سلام پھیرا تو اُونٹ کے پہلو سے ایک رُواں لے کر فرمایا کہ مجھے تمہارے غنیمت کے مال میں سے اتنا لینا بھی تو حلال نہیں ہاں خُمس حلال ہے اور خُمس بھی تمھیں پر صرف کیا جاتا ہے - تقسیمِ غنائم کا دستور کوئی نیا دستور نہ تھا بلکہ جناب پیغمبر صاحب سے پیشتر عرب میں مدتوں سے چلا آتا تھا کیونکہ عرب ہمیشہ سے لڑائی بھڑائی کے لوگ تھے کھیتی باڑی ان کے یہاں نہیں ہوتی تھی - صنعت و حرفت کی طرف اِن کا میلان نہ تھا - تجارت پر یہ زور نہیں دیتے تھے دے کر تمام چیزوں کا نچوڑ - قتل و غارتگری اور جنگ و جدل پر تھا تمام جزیرۂ عرب میں رات دن آتشِ جنگ مشتعل تھی - اور لُوٹ مار کا بازار ہر وقت گرم تھا - قبیلے قبیلے کا شیخ یعنی چودھری جدا تھا جس کے ہاتھ میں صلح و جنگ کی باگ رہتی تھی جب وہ چاہتا دو قبیلوں کو لڑوا دیتا اور جب چاہتا صلح کرا دیتا تھا لڑائی میں جو مال لوٹا جاتا اُس میں رُبع یعنی چوتھائی حصہ چودھری کا ہوتا - چودھری اپنا چوتھائی حصہ نکال کر باقی مالِ غنیمت کو فوج پر علےٰ قدرِ مراتب تقسیم کر دیا کرتا - پیغمبر صاحب نے مالِ غنیمت میں سے صرف پانچواں حصہ اپنے لیے مقرر کیا اور اُس میں بھی مذکورۂ بالا چار گروہوں کو شامل کر لیا - گویا مالِ غنیمت میں زیادہ سے زیادہ آپ کا حصہ خُمس الخمس تھا یعنے ہمارے حساب سے پیسے میں کچھ اوپر دو کوڑیاں پیغمبر صاحب کا زیادہ سے زیادہ حق تھا بس غنیمت کے مال سے جو منفاد آپ کو پہنچتا تھا صرف یہ تھا - رہا مالِ فئے یعنی وہ مال جو بے لڑے مُفت ہاتھ لگ جائے وہ بے شک پیغمبر صاحب کا اور پیغمبر صاحب کے خاندان کا اور دوسرے فقرا و مساکین اور یتامےٰ اور مسافرین کا حق تھا مگر پیغمبر صاحب اِس مال میں سے بھی بقدرِ کفاف لے کر باقی کو اَور لوگوں پر تقسیم کر دیا کرتے یا دیگر مصارفِ خیر میں خرچ کیا کرتے تھے باوجودیکہ ہجرت کے دوسرے سال سے آپ کی وفات کے زمانے تک فتوحات و غنائم کا سلسلہ برابر جاری رہا - اور اِس زمانے میں بہت سے مقاماتِ عرب مفتوح ہوئے مگر پیغمبر صاحب کی مالی حالت جیسے پہلے تھی اب بھی ویسے ہی ہے آپ بسترِ مرگ پر پڑے ہیں اور گھر میں اندھیرا ہے چراغ تک جلانے کی وسعت نہیں - بی بیوں کی قُوت کے لیے کوئی چیز موجود نہیں پیغمبر صاحب کی زرہ مدینے کے ایک یہودی کے پاس رہن رکھ کر جَو کا آٹا لیا گیا ہے کوئی مہمان آ گیا ہے تو اُس کے لیے گھر بھر میں روٹی کا ٹکڑا تک نہیں نکل سکا - پس اِن واقعات کے ہوتے کوئی ہٹ دھرم سے ہٹ دھرم بھی کہہ سکتا ہے کہ پیغمبر صاحب کو دنیاوی مفاد نے دعویِٔ پیغمبری پر آمادہ کیا ؟ ہرگز نہیں ! ہرگز نہیں !! +

اور اگر خدا کے بتانے سے ہوا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (النور ع ۷)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل (بھی) کرتے ہیں اُن سے خدا کا وعدہ ہو کہ (ایک نہ ایک دن) اُن کو ملک کی خلافت (یعنی سلطنت) ضرور عنایت کرے گا جیسے اُن لوگوں کو خلافت عنایت کی تھی جو اِن سے پہلے ہو گزرے ہیں اور جس دین کو اُس نے اِن کے لیے پسند کیا ہو (یعنی اسلام) اُس کو اِن کے لیے جما کر رہے گا اور خوف (و خطر) جو ان کو (لاحق) ہو اس کے بعد عوض (بھی) اِن کو (اس کے) بدلے میں امن دے گا کہ (باطمینان) ہماری عبادت کیا کریں گے (اور) کسی چیز کو ہمارا شریک نہ گردانیں گے ف۱ اور جو شخص اِن تمام (احسانات) کے بعد ناشکری کرے تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں۔

اور وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ ۔ تو دعوے نبوۃ جھوٹا نہ ٹھیرا۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۝ (الجن ع ۲)

اُسی کو غیب کی خبر ہی تو وہ اپنی غیب کی باتیں کسی پر ظاہر نہیں کیا کرتا مگر (ہاں اپنے) برگزیدہ پیغمبروں پر (مصلحتًا کوئی بات ظاہر کرنی چاہتا ہی) تو وہ (بھی اِس احتیاط سے کہ) اُن کے آگے اور اُن کے پیچھے (فرشتوں کا) پہرہ (اُن کے ساتھ) رکھتا ہی تاکہ دیکھ لے کہ پیغمبروں نے اپنے پروردگار کے پیغام لوگوں کو ٹھیک ٹھیک پونہچا دیئے اور اُن کے سارے معاملات اُسی کے احاطۂ (علم) میں ہیں اور اُس نے تمام چیزوں کی گنتی (تک اپنی نظر میں) کر رکھی ہی۔

اَب دوسری بات یہ رہی کہ خوف نبوۃ کے غلط دعوے کا محرک ہوا ہو تو یہ لالچ سے زیادہ بے تُک ہی خوف کے معنے کیا ہیں اُمورِ ناملائم جو آیندہ پیش آسنے والے ہوں اُن سے تحرز اور تحفظ کا نام ہی خوف۔ سو یہاں آیندہ کا کیا مذکور ہی جتنے اُمورِ ناملائم کسی ظالم کے خیال میں آسکتے ہیں عین دعوے پیغمبری کے وقت سبھی تو پیغمبر صاحب کے ساتھ عمل میں لائے جارہے تھے۔ مخالف اِس سے زیادہ کر ہی کیا سکتے تھے جس کا پیغمبر صاحب کو خوف ہوتا ؏

طبل و علم ہی پاس نہ اپنے نہ ملک و جاہ ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا

(پس) خوب صاحب خوب۔ آپ نے پیغمبر صاحب کی رسالت کو نطرت کے دلائل سے تو خوب ثابت کیا۔

(مم) ثابت کیا کیا۔ اپنی اپنی مَن سمجھوتی ہی۔ لوگ اثباتِ رسالت کے لیے اور اور دلائل پیش کرتے ہیں۔ مگر اُن سے میرا اطمینان

عہ چنانچہ ایسا ہی ہوا [illegible] ۱۲

ف۱ ایسی صاف اور ایسی مستحکم پیشین گوئی پیغمبر صاحب کی نبوت کی کیسی پکی قوی دلیل ہی سے ہی اور لاکھ کو پورا ہوتے ہوئے بھی ساری دنیا نے دیکھ لیا ۱۲ +

پُورا پُورا نہیں ہوتا۔

(س ۱۱۷) مُسلمانوں کے جمِ غفیر کا اطمینان ہوتا ہے اور آپ کا نہیں ہوتا ۔کیوں؟

(م ۱۱۷) بھائی جان ایسے کتنے مُسلمان ہیں جو حقیقت میں دین دار ہیں۔ ہندوستان کے چھے کروڑ مُسلمانوں میں مَرد وزن مِلا کر بمشکل چھے لاکھ۔ اور چھے لاکھ بھی میں اِس خیال سے کہتا ہوں کہ دوسری قومیں ہم مُسلمانوں کو ایسا گیا گزرا نہ سمجھیں۔ خدا کے عفو و درگزر سے کام چل رہا ہے ورنہ ہمارے اعمال تو اِس قابل ہیں کہ تختے کا تختہ غرق کر دیا جائے۔ "مُسلمانان در گور مسلمانی در کتاب" پھر چھے لاکھ جن کو مَیں نے دین دار فرض کر لیا ہے۔ تقلیدی دین دار ہیں اور مذہبی شرائط کو صرف رسم کے طور پر بجا لاتے ہیں

اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝ (الزخرف ع ۲) — ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا اور اُن ہی کے قدم بہ قدم ہم (بھی اُن کی) پیروی کر رہے ہیں

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ (البقرہ ع ۲۱) — بھلا اگر اِن کے بڑے کچھ بھی نہ سمجھتے اور نہ راہِ راست پر چلتے رہے ہوں تو بھی (وہ اُن ہی کی پیروی کیے چلے جائیں گے) ف۱

کا بھول کر بھی خیال نہیں آتا اور اگر کوئی شامت کا مارا ایسا خیال ظاہر کرے تو وہ شاید اُس کا مُونہہ نوچ لیں۔ ہاں بعض خدا کے بندے ایسے بھی ہیں وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ "اور وہ بہت تھوڑے ہیں" جن کی طبیعت حق جُو واقع ہوئی ہے۔ مگر وہ اُن خیالات کو جو بچپن سے اُن کے ذہن نشین ہو گئے ہیں دل سے دُور نہیں کر سکتے۔ غرض تقلید کا جال ایسا زبردست جال ہے کہ اُس سے نکلنا بہت ہی مُشکل ہے اور تقلید اور تحقیق میں ہمیرا پھیرا اِس سے تمام مذہب والوں میں اور از انجملہ مسلمانوں میں بھی تحقیق کا دروازہ ایسا بند ہوا ہے کہ کُھلنے کا نام نہیں لیتا۔ مگر آپس کی تُو تُو مَیں مَیں جس کا نام لوگوں نے کلام اور مناظرہ رکھ چھوڑا ہے۔ ہر جگہ ہمیشہ ہوتی رہتی ہے تو اُس کو اِحقاقِ حق سے کچھ واسطا اور سروکار نہیں ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است

(۱۱) معجزات اور پیش گوئیاں

(س ۱۱۸) آخر یہ لوگ پیغمبر صاحب کی رسالت کی تائید میں کیا دلائل پیش کرتے ہیں۔

(م ۱۱۸) معجزات اور پچھلے پیغمبروں کی پیشین گوئیاں۔

(س ۱۱۹) معجزے تو بہتیرے ہی سننے میں آتے ہیں اور پیشین گوئیاں بھی کتنے ہی پیغمبروں نے کی ہوں گی تو ہر ایک معجزہ ایک دلیل ہے اور ہر ایک پیشین گوئی ایک دلیل ہے یعنی سب معجزے اور سب پیشین گوئیاں ملا کر بہت سے دلائل ہیں اِس پر بھی آپ کو اطمینان نہیں ہوتا۔

(م ۱۱۹) مَیں تو تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں فطرۃً فطرۃ پرست ہوں۔ فطرۃ ہی کی وجہ سے تو مَیں مُسلمان ہوا ہوں۔

ف۱ مشرکینِ عرب سانڈ وغیرہ کو حرام سمجھتے تھے تو خدا نے فرمایا کہ یہ شیطانی اِغوا ہے اور یہ لوگ اندھوں کی طرح اپنے بڑوں کے ڈھرے پر چلے جاتے ہیں ورنہ خدا نے تو مرے ہوئے جانور اور خون وغیرہ کے سوا جن کی صراحت آگے آ رہی ہے اور کچھ حرام نہیں کیا اور بلا چاری میں مُردار بھی حلال ہے ۱۲+

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (الروم ع ۳)

تو (اے پیغمبر) تم تو ایک (خدا) کے ہو رہو اُس کے دین کی طرف رُخ کیے رہو (یہ) خدا کی (بنائی ہوئی) سرشت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی (بنائی ہوئی) بناوٹ میں ردوبدل نہیں ہوسکتا یہی دین کا سیدھا (رستہ) ہے مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے ف۱

فطرت میرے ساتھ آئی اور فطرۃ ہی میرے ساتھ قبر میں جائے گی۔ نہ فطرت مجھکو چھوڑ سکتی ہے۔ اور نہ میں فطرت کو چھوڑ سکتا ہوں ع یہ ناطہ خدا کا لگایا ہوا ہے۔ یہ کیسے چھوٹ سکتا ہے۔ مذہب کی کوئی سی بات بھی ہو۔ چھوٹی یا بڑی میں تو فطرت ہی کی کسوٹی پر کس کر اُس کا کھوٹا کھرا پرکھا کرتا ہوں۔ معجزے کے معنی ہی خلاف فطرت کے ہیں اور اسلام ٹھیرا عین فطرت۔ میں دو مخالفوں کو جمع کرنا نہیں چاہتا لوگ خلاف فطرت سے خدا کی قدرت کے قائل ہوتے ہیں اور میں خود فطرت سے۔ خلاف فطرت شاذ ہے اور فطرت اکثر۔ اکثر کو چھوڑ کر میں شاذ کا سہارا کیوں ڈھونڈوں۔ دو باتیں مجھکو معجزے کا انکار نہیں کرنے دیتیں۔ ایک خدا کی قدرت کہ وہ چاہے پانی سے جلانے کا کام لے اور آگ سے بجھانے کا۔ دوسرے خدا کے کاموں میں دخل دینا چھوٹا مونہ بڑی بات ہے۔

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ۝ (الانبیاء)۔

جو کچھ وہ کرتا ہے اُس کی بازپرس اُس سے نہیں کی جاسکتی اور (اُن) لوگوں سے (اُن کے کیے کی) بازپرس ہونی ہے

ممکن ہے کہ خدا کسی مصلحت سے قانون فطرت کسی خاص صورت کے لیے ملتوی کردے۔ پس میں منکر معجزہ نہیں ہوں بلکہ فطرۃ کے ہوتے اپنے اطمینان کے لیے معجزے کی ضرورت نہیں دیکھتا۔ معجزے کے ثبوت میں ایک کمزوری بھی ہے۔ کہ واقعہ ہمارا چشم دید تو ہے نہیں بلکہ جو معجزہ ہے اُس کا وقوع سیکڑوں برس پہلے کا ہے۔ اور اُس کے ثبوت کا مدار شہادت اور شہادت بھی اُن ہی وقتوں کی شہادت اور اُن لوگوں کی شہادت جن کا نام ہی نام ہم نے سنا ہے۔ بھلا ایسی شہادت کو فطرت کی شہادت سے کیا مناسبت حدیثوں میں تو معجزات کا کچھ شمار نہیں مگر قرآن میں کہیں صاف لفظوں میں پیغمبر صاحب کے معجزوں کا مذکور نہیں بلکہ بعض مقامات میں تو معجزے سے صریح انکار کیا گیا ہے جیسے

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۝ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ (بنی اسرائیل ع ۵)

اور ہم کو (فرمائشی) معجزوں کے بھیجنے سے (کوئی اور وجہ) مانع نہیں ہوئی مگر یہی کہ اگلے لوگوں نے اُن کو جھٹلایا ف۲ چنانچہ ہم نے (قوم) ثمود کو اونٹنی کا (کھلا ہوا) معجزہ دیا تھا پھر بھی لوگوں نے (نہ مان کر) اُس کو ستایا (یہاں تک کے اُس کو ہلاک کردیا) اور (یہ جو ہم معجزے بھیجا کرتے ہیں تو) صرف ڈرانے کی غرض سے بھیجا کرتے ہیں ف۳

ف۱ مطلب یہ ہے کہ خدا نے آدمی کا دل ہی ایسا بنایا ہے کہ وہ ذرا متوجہ ہو تو اُس کو چار و ناچار خدا کا اقرار کرنا پڑے مگر غفلت آدمی کو سوچنے سمجھنے نہیں دیتی ۱۲ ف۲ پیغمبر صاحب سے معجزوں کی فرمائشیں ہوتی تھیں اور وہ ہر اپنی جتائی باتیں تھیں ایسی درخواستیں منظور نہیں ہوئیں اور وہ منظور ہونے کے قابل بھی نہ تھیں اسی ہی معجزوں کی نسبت فرمایا ہے کہ ہم نے اگلے لوگوں کی تکذیب کے خیال سے ایسے معجزوں کا بھیجنا بند کر دیا ہے اور مثال بھی فرمائشی معجزے ہی کی دی ہے کہ قوم ثمود نے حضرت صالح سے یہ درخواست کی تھی کہ پہاڑ سے اونٹنی پیدا ہو اُس کو لوگوں نے نہ مانا اور ہمارے پیغمبر صاحب کے زمانے کے لوگ بھی اسی قسم کے تھے کہ فرمائشی معجزے دیکھتے اور نہ مانتے ۱۲

وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا ۝ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ۝ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ۝ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ ۚ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ ۗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا (بنی اسرائیل ع ۱۰)

اور (اے پیغمبر کفارِ مکہ تم سے) کہتے ہیں کہ ہم تو اُس وقت تک تم پر ایمان لانے والے ہیں نہیں کہ (یا تو) ہمارے لیئے زمین سے کوئی چشمہ بہا نکالو یا کھجوروں اور انگوروں کا تمھارا کوئی باغ ہو اور اُس کے بیچ بیچ میں تم بہت سی نہریں جاری کر دکھاؤ یا جیسا تم کہا کرتے تھے آسمان کے ٹکڑے ہم پر لا گراؤ یا خدا اور فرشتوں کو (ہمارے) سامنے لا کھڑا کر دیا (رہنے کے لیئے) کوئی تمھارا طلائی گھر ہو یا آسمان میں چڑھ جاؤ اور جب تک تم ہم پر (خدا کے ہاں سے ایک کتاب) اُتار کر نہ لاؤ کہ ہم آپ اُس کو پڑھ (بھی) لیں تب تک ہم تمھارے (آسمان پر) چڑھنے کو (بھی) باور کرنے والے نہیں (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ سُبحان اللہ میں کیا چیز ہوں بس ایک بندہ بشر خدا کا بھیجا ہوا اور بس ف۱

معراج اور شقِ صدر دو معجزوں کا حوالہ قرآن میں دیا جاتا ہی تو بعض مفسروں نے اِن کے الفاظ کی ایسی توجیہ کی ہی کہ معجزہ گیا گزرا ہو ہو اور پھر میں کہتا ہوں کہ معجزہ رسول کے اختیار کا تو نہیں۔

وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ (الرعد ع ۶)

اور کسی رسول کی طاقت نہ تھی کہ بے حکمِ خدا کوئی معجزہ لا دکھائے ہر ایک وقتِ (موعود) کے لیے (ہمارے ہاں ایک قسم کی) تحریر (ہوتی) ہی ف۲

(بقیہ نوٹ صفحہ ۸۹) عظیم الشان جیتا جاگتا معجزہ موجود ہی ۱۲ ف۳ یعنی معجزوں سے اِس کے سوا کوئی اور غرض متعلق نہیں۔ قرآن کی تعلیم کا تو خلاصہ یہ ہو کہ لوگ دنیا کے معمولی واقعات آسمان اور زمین اور دن اور رات اور ہوا اور بادل اور مینہ اور بجلی اور موت اور حیات اور چیونٹی اور مچھر وغیرہ سے خدا اور اُس کی قدرتوں کے قائل ہوں پیغمبر صاحب نے بھی معجزے دکھائے مگر اُنھوں نے معجزات پر کبھی زور نہیں دیا اور چونکہ معجزے کا وقوع ایک وقت خاص میں خاص شخصوں کے روبرو ہو سکتا ہی اور اس میں بھی مخالفین چند در چند شکوک اور احتمال پیدا کرتے رہتے تھے تو معجزہ کوئی ایسی مستحکم دلیل نہیں ہو سکتا جس پر زور دیا جائے۔ معمولی واقعات ایسے معجزات ہیں جو ہمہ وقت واقع ہوتے رہتے ہیں۔ اور کسی کو اُن میں گنجائشِ انکار نہیں ہو سکتی۔ وہ خاص طبیعتیں ہیں جو معجزے کی محتاج ہیں اور جن کی ایسی طبیعتیں ہوتی ہیں وہ معجزے پر بھی بمشکل سے ایمان لاتے ہیں وہ ایک واقعۂ غیر معمولی دیکھ کر فی الفور ڈر جاتے مگر اُدھر خوف زائل ہوا اُدھر پھر اصلی طبیعت کے شکوک نے عود کیا اور سحر وغیرہ پر محمول کرنے لگے ۱۲

(فوائد صفحہ ہذا) ف۱ قرآن میں سبحان ربی ہی اور ہم نے اپنے محاورے کے مطابق سبحان اللہ ترجمہ کر دیا ہی کیونکہ تعجب کے مقام پر ہمارے ہاں سبحان اللہ بولا جاتا ہی اور اِن دونوں کے معنے قریب قریب ہیں سبحان اللہ کے معنے اللہ پاک ہی اور سبحان ربی کے معنے میرا پروردگار پاک ہی ۱۲

ف۲ مطلب یہ ہی کہ جیسے واقعات ہیں اور از انجملہ معجزہ بھی ہو سب کا ایک وقت مقرر ہی جلدی کرنے سے کوئی کام وقت سے پہلے نہیں ہو سکتا واقعات کے لیے ایک طرح کا ٹھہراؤ تو ایسا ہی کہ اُس میں خدا کی مرضی سے رد و بدل بھی ہوتا رہتا ہی اور ایک حکم قطعی ہی وہ کبھی نہیں ٹلتا اور نہ بدلتا ہی پہلے کو قضائے معلق کہتے ہیں اور دوسرے کو قضائے مُبرم ۱۲

تو معجزے سے رسالت پر استدلال کرنے کے کیا معنے۔ ہاں خدا کی قدرت پر استدلال کرو تو جائے سر بھی ہی معجزات میں ایک قرآن کا معجزہ البتہ لاجواب ہی۔ جن دنوں قرآن نازل ہوا عرب میں فصاحت بلاغت کا بڑا چرچا تھا قاعدے کی بات ہی کہ جب بہت لوگ مل کر ایک کام پر متوجہ ہوتے ہیں تو اُس میں ضرور کامیابی ہوتی ہی۔ مثلاً یورپ اور امریکا اور جاپان صنعت اور حرفت اور ایجاد میں منہمک ہیں تو اقوام روئے زمین میں سب پر غالب اور سب سے پیش پیش ہیں۔ انھوں نے حکمت عملی میں ایک صدی کے اندر ہی اندر ایسی ترقی کی ہی کہ دیکھ کر عقل دنگ ہوتی ہی۔ یہی حال پیغمبر صاحب کے زمانے میں عرب کا تھا کہ اپنی زبان کو معراج الکمال پر پہونچا دیا تھا اور اپنے سوا سب لوگوں کو عجم یعنی گونگے کہتے تھے۔ فصحائے عرب نے قوت گویائی سے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر رکھا تھا۔ گویا شعرا ہر ملک میں حکمرانی کر رہے تھے۔ سارے کمالات گویائی اور زبان آوری کے آگے ہیچ تھے۔ ایسے وقت میں قرآن نازل ہونا شروع ہوا۔ وہی عربی بولی تھی مگر خدا پیغمبر صاحب کی زبان سے بولتا تھا تو اُس کے الفاظ اور اُس کے مضامین کا کیا کہنا۔ اگر کلام خدا فصحا کے کلام سے کسی بات میں اُنیس بیس کے فرق سے بھی گرا ہوا ہوتا تو عرب کے لوگ جن کو اپنے حسن کلام پر بڑا فخر و ناز تھا اُس کو چٹکیوں میں اُڑاتے مگر باوجودیکہ اُس میں شرک اور بت پرستی کی مذمت ہوتی تھی یا پند و نصیحت کی ناگوار باتیں اور وہ بھی نثر میں مگر پیرایہ کچھ ایسا دلچسپ ہوتا تھا کہ جو سنتا تھا لٹو ہو جاتا تھا۔ اور سرآمد شعرا اپنی جگہ لوہا مان گئے تھے۔ غرض خدا نے اہل عرب کو اُسی داو سے پچھاڑا جو اُن کو خوب رواں تھا۔ اُدھر سے بار بار تحدی ہوتی تھی کہ

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ (البقرہ ع ۳)

اور (لوگو) ہم نے اپنے بندے (محمد) پر (قرآن) اُتارا ہی اگر تم کو اس میں شک ہو اور (یہ سمجھتے ہو کہ یہ کتاب خدا کی نہیں بلکہ آدمی کی بنائی ہوئی ہی اور اپنے اِس دعوے میں) سچے ہو تو اسی جیسی ایک سورۃ تم بھی بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے حمایتوں کو بھی بلا لو۔ پس اگر اتنی بات بھی نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو (دوزخ کی) آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہونگے (اور وہ) منکروں کے لیے (دہکی دہکائی) تیار ہی۔

اور قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل ع ۱۰)

(اے پیغمبر اِن لوگوں سے) کہو کہ اگر آدمی اور جنات جمع (ہو کر اس بات پر آمادہ ہوں) کہ اس قرآن کی طرح کا (اور کلام) بنا لائیں تاہم اس جیسا نہیں (بنا) لا سکنے اگرچہ اُن میں سے ایک کی پشتی پر ایک (کیوں نہ) ہو

اور اُدھر سب کو سانپ سونگھ گیا تھا کچھ جواب نہیں۔ کیا معجزے کے سر میں سینگ ہوتے ہیں؟ اس سے بڑھ کر اور معجزہ کیا ہو سکتا ہی۔ اور یہ کیسی مزے کی بات ہی کہ اور معجزے تو اس قسم کے ہیں کہ پیغمبر نے خلاف فطرت ایک بات واقع کر کے دکھا دی معدودے چند نے دیکھا۔ کسی نے جادو سمجھا۔ کسی نے معجزہ۔ بات گئی گزری ہوئی۔ اب بعد الوقوع معجزہ ایک واقعہ تاریخی ہو گیا

ف۱ پیغمبر صاحب اپنی پیغمبری اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے بہت سے دلائل پیش کرتے تھے اُن میں سے یہ دلیل سب سے زیادہ مستحکم ہی کیونکہ جن دنوں قرآن نازل ہوا عرب میں فصاحت و بلاغت کا بڑا چرچا تھا شعر موزوں کر دینا اُن کے نزدیک ایک معمولی سی بات تھی لونڈیاں تک مختلف مضامین میں ایسے برجستہ اشعار کہہ کر تی تھیں کہ آج اچھے سے اچھا ادیب اُن کا مثل نہیں کہہ سکتا تو ایک ان پڑھ پیغمبر کا پکار پکار کر کہنا کہ اس طرح کی ایک ہی سورت بنا لاؤ یا بنوا لاؤ بڑی وقعت رکھتا ہی اور یہ ایک ایسا معجزہ ہی کہ تا قیام قیامت متحدی و مستمر ہی ۱۲

نہ بیٹھے تحقیقات کیا کرو کہ واقع میں ہوا بھی تھا یا وُہی "پیراں نمے پرند مُریداں مے پرانند" قرآن یہ ایک ایسا زندہ معجزہ ہے کہ روزِ نزولِ قرآن سے اَلٰی سَاعَتِنَا ھٰذِہٖ برابر فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ اور قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ کی تحدّی ہو رہی ہے اور جب تک قرآن پڑھا پڑھایا جائے گا یعنی روزِ قیامت تک ہوتی رہے گی۔ کسی نے تحدّی کے جواب کی ہامی بھری؟ کیا عربی زبان روئے زمین پر سے معدوم ہو گئی؟ یا جن ملکوں میں عربی بولی جاتی ہے مخالفانِ اسلام نہیں بستے؟ سوا تیرہ سو برس کے عرصے میں کسی نے تو جواب کی جرأت کی ہوتی۔ قرآن ایسا تو لاجواب اور مسلّم معجزہ مگر میں نے فطرت کے ہوتے قرآن کے معجزے پر بھی کچھ بہت بھروسا نہیں کیا۔ اس لیے کہ گو ہوئی ساری عمر میرا اوڑھنا بچھونا رہی ہے مگر چونکہ میری مادری زبان نہیں۔ مجھ کو اہلِ عرب سے اختلاط نہیں۔ تھوڑا بہت جو کچھ آتا ہے میں اُس کو کتابی زبان کہہ سکتا ہوں۔ وہ بھی بے مہارتی کی وجہ سے ناقص و ناتمام۔ قلم برداشتہ چار سطریں میں نہیں لکھ سکتا۔ کبھی کوئی عرب آ نکلتا ہے تو حاضر جوابی کے ساتھ میں اُس سے بات چیت نہیں کر سکتا۔ میں تو شاید اپنے تئیں کچھ روک ٹوک کر بول بھی لوں عرب کے لہجے میں اس قدر تبدّل اور الفاظ میں اتنا تغیّر ہو گیا ہے کہ کوئی شخص عربی کا ایک فقرہ بھی بے سوچے بے غور کیے سمجھ نہیں سکتا کیونکہ وہ کتابی عربی سے بالکل خلاف ہے اہلِ عرب عموماً ما دریافی کو موسیا اور قُل (کہہ) کو گُل اور کَم قربۃ کو کم گربۃ ہی بولتے ہیں عرب کے اخبار [illegible] اور المنار کو دیکھو تو اُن کی عبارت سمجھ ہی میں نہیں آتی خود میرے پاس ایک عرب آیا اور باتوں باتوں میں بول اُٹھا مُکَلَّتُو فِی لِنّا میں حیران تھا کہ کہتا کیا ہے آخر سوچتے سوچتے معلوم ہوا کہ مُکَلَّتُو فِی اللُّغَۃِ کہتا ہے تو اس کم سوادی کے ساتھ میں قرآن کی فصاحت اور بلاغت کو معجزے کی حد تک کیا سمجھ سکتا ہوں تو اب جو میں قرآن کو معجز کہوں تو وہ سُنی سُنائی بات ہو گی علمِ معانی کی کسی کتاب میں نظر سے گزری ہو گی [illegible] بہرحال اُن مسلمانوں کے لیے جو مطلق عربی نہیں جانتے پس میں نے جو شروع سے فطرت کا دامن پکڑا تھا اُسی کو پکڑے رہا اور اُسی کے سہارے سے میرا اعتقاد [illegible] مرتبۂ اطمینان کے درجے تک پہنچا۔

(ابن الوقت) جب قرآن جیسے معجزے کے ساتھ آپ کا یہ معاملہ ہے تو اگلے پیغمبروں کی پیشین گوئیوں کا آپ کے سامنے نام لینا بھی فضول ہے

(حجۃ الاسلام) میں نے فطرت کے دلائل سے پیغمبر صاحب کو پیغمبر مانا۔ اس کے یہی معنے ہیں کہ قرآن کو کلامِ الٰہی تسلیم کیا لَا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلَا مِنْ خَلْفِہٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ۱؎ پیغمبر صاحب کی رسالت اور قرآن کا کلامِ الٰہی ہونا دونوں لازم و ملزوم ہیں قرآن میں [illegible] پیغمبروں کی پیشین گوئیوں کا ایسے صاف لفظوں میں مذکور ہے کہ اس کی بابت شک و شبہہ کرنا مسلمان کا کام [illegible]

وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَہٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا فَلَمَّآ اَخَذَتْھُمُ الرَّجْفَۃُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَھْلَکْتَھُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِیَّایَ اَتُھْلِکُنَا

اور موسیٰ نے ہمارے وعدے (پر حاضر لانے) کے لیے اپنی قوم میں سے ستر آدمی منتخب کیے پھر جب اُن کو زلزلے نے آ لیا تو موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اگر تو چاہتا تو مجھ سمیت ان لوگوں کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا ہم میں سے جو

۱؎ لا یاتیہ کا مرجع کتاب عزیز ہے جو اس سے پہلے جملے میں مذکور ہے پوری بات اس طرح ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالذِّکْرِ لَمَّا جَآءَھُمْ وَاِنَّہٗ لَکِتٰبٌ عَزِیْزٌ لَّا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلَا مِنْ خَلْفِہٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ یعنی جن لوگوں کے پاس (قرآن جیسی) نصیحت آئی اور انھوں نے اُس کو نہ مانا وہ بھی اپنا انجام (دیکھ لیں) گے اور یہ (قرآن) تو بڑے پایے کی کتاب ہے کہ جھوٹ نہ تو اس کے آگے (کی طرف) سے اس کے پاس پھٹکنے پاتا ہے اور نہ اس کے پیچھے (کی طرف) سے (کیونکہ) حکمت والے سزاوارِ حمد (خدا) کی (بھیجی ہوئی) ہے

بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا اِنْ هِيَ اِلَّا
فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَ
تَهْدِيْ مَنْ تَشَاءُ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ
لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ
وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً
وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ قَالَ
عَذَابِيْ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاءُ وَرَحْمَتِيْ
وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ
يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ
هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ
الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ
يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي
التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ
بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ
عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ
اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ
عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ
عَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ

لوگ احمق ہیں وہ ایک حرکت کر بیٹھے کیا اُس کی پاداش میں تو ہم
کو ہلاک کیئے دیتا ہی ؟ یہ سب تیرے کرشمے ہیں اِن (کرشموں) سے
جس کو تُو چاہے گمراہ کرے اور جس کو چاہے ہدایت دے تو ہی ہمارا
کارساز ہی تو ہمارے قصور معاف کر اور ہم پر رحم فرما اور تُو تمام بخشنے
والوں سے بہتر بخشنے والا ہی ف۱ اور اِس دُنیا اور آخرت (دونوں)
کی بہتری ہمارے نام لکھ دے ہم تیرے ہی طرف رُجوع ہوئے
(خدا نے) فرمایا کہ ہمارا جو عذاب ہی اُس کو ہم جس پر چاہتے ہیں مناسب
سمجھ کر نازل کرتے ہیں اور ہماری جو رحمت ہی وہ (اہل و نااہل سب)
چیزوں کو شامل ہی تو ہم اُس کو (خاص کر) اُن لوگوں کے نام لکھیں گے
جو پرہیزگاری اختیار کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور جو ہماری آیتوں
پر ایمان لائیں گے (ان سے ہماری مراد اِس زمانے کے وہ اہل کتاب
تھے) جو (ہمارے اِن) رسولِ نبی اُمّی (محمد) کی پیروی کرتے ہیں جن
(کی بشارت) کو اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں ف۲
وہ اُن کو اچھے کام (کرنے) کو کہتے اور بُرے کام سے اُن کو منع کرتے
ہیں اور پاک چیزوں کو اُن کے لیئے حلال اور ناپاک چیزوں کو اُن
پر حرام کرتے ہیں اور (احکامِ سخت کے) بوجھ جو اُن لوگوں (کے
سروں) پر (لدے ہوئے) تھے اور پھندے جو اُن پر پڑے ہوئے
تھے (اُن سب کو) اُن پر سے دُور کرتے ہیں ف۳ تو جو لوگ اِن
(پیغمبر محمد) پر ایمان لائے

ف۱ حضرت موسیٰ علیہ السلام گوسالہ پرستی کی توبہ کرانے کو اپنی قوم کی طرف سے ستّر آدمی منتخب کر کے کوہِ طور پر لے گئے وہاں جو اِن لوگوں نے کلامِ الٰہی سُنا تو موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ جب تک ہم خدا کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لیں تمہارے کہنے کا اعتبار نہیں کریں گے کہ خدا ہی تم سے کلام کر رہا ہی اس گستاخی کی سزا میں اُن پر بجلی گری اور ہلاک ہو گئے موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ خدایا یہ لوگ کم عقل ہیں اِن پر رحم فرما تو خدا نے اِن کو پھر زندہ کیا اگرچہ اس میں اختلاف ہی کہ یہ لوگ کیوں گئے تھے مگر سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ گوسالہ پرستی کی توبہ کرنے گئے تھے واللہ اعلم ۱۲

ف۲ اُمّی کے لفظی معنی مادر زاد کے ہیں اور مُراد ہیں اَن پڑھ۔ اَن پڑھنا اَور سب لوگوں کے لیئے عیب ہی مگر جناب پیغمبر صاحب صلے اللہ علیہ وسلم کے لیئے موجبِ فخر تھا کہ نہ پڑھے نہ لکھے اور وحی کے ذریعے سے بڑے بڑے پڑھے لکھوں کو دنیا اور دین کے انتظام سکھا گئے ۱۲ + ف۳ توراۃ کے پڑھنے سے بھی معلوم ہوتا ہی کہ موسوی شریعت کے احکام نماز۔ روزہ۔ طہارۃ۔ ذبیحہ وغیرہ بہت ہی سخت تھے چنانچہ نجس کپڑے کے کاٹ کر پھینک دینے اور بدن پر لگ جائے تو اُس کے چھیلنے کا حکم تھا یہودیوں کا ذبیحہ اس قدر مشکل ہی کہ شرعی طور پر ذبح کرنے والا سیکڑوں میں کوئی ہوتا ہی ۱۲ +

الَّذِیٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الاعراف ع ۱۹)

اور اِن کی حمایت کی اور اِن کو مدد دی اور جو نور (ہدایت یعنی قرآن) ان کے ساتھ بھیجا گیا اُس کے پیچھے ہو لیے یہی لوگ کامیاب ہیں

اور اس میں بھی شک نہیں کہ جن کتابوں میں اگلے پیغمبروں کی پیشین گوئیاں ہیں اُن میں تحریف بھی یقیناً ہوئی ہے

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرۃ ع ۹)

(مسلمانو) کیا تم کو توقع ہے کہ (یہود) تمہاری بات تسلیم کر لیں گے اور اِن کا حال یہ ہے کہ اِن میں کچھ لوگ ایسے (بھی) ہو گزرے ہیں کہ کلامِ خدا سنتے تھے پھر اُس کے سمجھے بوجھے پیچھے دیدہ و دانستہ اُس کو کچھ کا کچھ کر دیتے تھے ف۱

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (المائدۃ ع ۳)

پس اُن ہی لوگوں کے (یعنی) اپنے عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے اُن کو پھٹکار دیا اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا کہ توراۃ کے لفظوں کو اُن کی جگہ (یعنی اصلی معنوں) سے پھیرتے ہیں اور اُن کو جو نصیحت کی گئی تھی اُس میں سے ایک (بڑا) حصہ (یعنی پیغمبر آخر الزماں پر ایمان لانا) بھلا بیٹھے اور (اے پیغمبر) اب اُن کا حال یہ ہو گیا ہے کہ اُن میں چند لوگوں کے سوا سب کی (کسی نہ کسی) چوری کی اطلاع تم کو ہوتی ہی رہتی ہے ف۲ تو اِن لوگوں (سے) پرخاش نہ کرو بلکہ (ان) کے قصور معاف کرو اور (اِن سے) درگزر کرو کیونکہ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ (المائدۃ ع ۳)

اور جو لوگ اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں (اسی طرح) ہم نے اُن سے (بھی) عہد (و پیمان) لیا تھا تو جو کچھ اُن کو نصیحت کی گئی تھی (وہ بھی) اُس میں سے (بڑا) حصہ (یعنی پیغمبر آخر الزماں پر ایمان لانا) بھلا بیٹھے تو (اُس کی سزا میں) ہم نے اُن میں عداوت اور کینے (کی آگ) کو روزِ قیامت تک بھڑکا دیا اور آخر کار (قیامت کے دن) خدا اُن کو بتائے گا کہ (دنیا میں) کیا کرتے رہے ف۳

ف۱ کچھ کا کچھ کر دینے میں لفظوں کا ردوبدل اور معنوں کا ہیر پھیر دونوں باتیں آ گئیں ۱۲*

ف۲ چوری سے پیغمبر آخر الزماں کی پیشین گوئی اور دیگر احکامِ الٰہی کا چھپانا مراد ہے ۱۲*

ف۳ قرآن کی اور پیشین گوئیوں میں سے یہ بھی ایک اعلیٰ درجے کی پیشین گوئی ہے جس کو ہم اپنے زمانے میں واقع ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں کہ اہلِ یورپ کل عیسائی ہیں اور تمام اقوام روئے زمین پر غالب مگر انگلستان اور فرانس اور روس اور اٹلی اور امریکا اور آسٹریا اور جرمن سب میں محاسدات ہیں جو اُن کو یک دل نہیں ہونے دیتے ۱۲*

وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ (المآئدہ ع ۶)

اور بعض یہودی ہیں جو (جھوٹی) جھوٹی باتوں کی کنسوئیاں لیتے پھرتے ہیں (اور کنسوئیاں بھی لیتے پھرتے ہیں (تو) دوسرے (دوسرے) لوگوں کے واسطے جو (ہنوز) تمہارے پاس تک نہیں آئے (احکام توراۃ مثلاً حکم سنگساری کے) الفاظ کو اُن کے ٹھکانے (یعنی معنے متعین ہوئے پیچھے جگہ) سے بے جگہ کرتے ہیں

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ (الفتح ع ۴)

محمد خدا کے بھیجے ہوئے (پیغمبر) ہیں اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں کافروں کے حق میں (تو اُن کی ایذاؤں سے بچنے کے لیے) بڑے سخت (ہیں مگر) آپس میں رحم دل (اے مخاطب) تو اُن کو دیکھے گا کہ (کبھی) رکوع کر رہے ہیں اور (کبھی) سجدہ کر رہے ہیں (اور) خدا کے فضل اور خوشنودی کی طلبگاری میں لگے ہیں اُن کی شناخت یہ ہے کہ سجدے کے گٹّے اُن کی پیشانیوں پر ہیں یہی اوصاف اُن کے توراۃ میں (بھی مذکور) ہیں اور (یہی) اوصاف اُن کے انجیل میں بھی ہیں۔

مگر ہم لوگوں کے ایمان ایسے ضعیف ہیں کہ خدا رسول کے فرمانے کا ایسا یقین نہیں ہوتا جیسا چشم دید کا۔ پیش گوئیوں میں تحریف کا کامل یقین تب ہی ہو کہ جس پیغمبر نے پیشین گوئی کی تھی اُس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب کہیں سے ہاتھ آجائے ہم خود اُس کو پڑھیں سمجھیں۔ پھر اِس کتاب کی نقلیں جو اِس نبی کے اُمتیوں کے پاس ہیں بہم پونہچائیں اور اصل کتاب کا اُن سے مقابلہ کرکے اختلاف معلوم کریں۔ مگر جو شخص اِس کا اِرادہ کرے اُس کی نسبت یہی کہا جائے گا کہ دماغ بیہدہ بحث و خیال باطل بست و پس تحریف کا ثابت کرنا آغازِ اسلام میں تو ممکن بھی تھا اگر کوئی کرتا اور اَب تو محال ہی اور اِس الزام کے صحیح ہونے کی ایک عقلی وجہ یہ بھی ہی کہ واقع میں اگر اُن لوگوں نے تحریف نہیں کی تھی تو پیغمبر صاحب کو ایسا صریح الزام اُن کی طرف عائد کرنے کی کیوں کر جرأت ہوسکتی تھی لیکن اِس کے خلاف ایک واہمہ یہ بھی گزرتا ہی کہ کیا اُس وقت کے یہود و نصاریٰ نے کلام خدا کا اَدب بالکل اٹھا دیا تھا کہ دیدہ و دانستہ تحریف کرتے تھے تو اِس کا جواب ہی یہودیہ کا وہ واقعہ جو قرآن کی سورۂ مائدہ کے چھٹے رکوع میں مذکور ہی اور جس کا خلاصہ یہ ہی کہ یہودِ خیبر میں دو معزز مرد و عورت زنا کے مرتکب ہوئے اُن کی شریعت میں زنا کی سزا تھی سنگسار کرنا لیکن دونوں مجرموں کے تعزّز کے لحاظ سے وہ اُن کے ساتھ رعایت کرنی چاہتے تھے اور یہ وہ وقت تھا کہ پیغمبر صاحب کا اقتدار مدینے میں جم چلا تھا۔ اور غیر مذہب کے لوگ بھی اپنے جھگڑے فیصلے کرانے کو اکثر آتے تھے۔ یہودیوں کے اس مقدمۂ زنا کی خبر لوگوں میں مشتہر ہوگئی تھی تو جو یہودی معزز زناکاروں کی رعایت کرنی چاہتے تھے۔ اُنھوں نے اِس مقدمے کو جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس اِس توقع سے لے جانا چاہا کہ یہ بھی مجرموں کی رعایت کریں گے اور مقدمے جانے سے پہلے اِس ٹوہ کے پیچھے پڑے کہ کسی طرح اِس معاملے میں پیغمبر صاحب کی رائے پہلے سے معلوم کریں اور اطمینان ہوئے پیچھے مقدمہ لے جائیں

آخر وہ مقدمہ پیغمبر صاحب کے پاس گیا اور پیغمبر صاحب نے بھی وہی سنگسار کرنے کا حکم دیا اور حکم بھی دیا تو بحوالۂ توراۃ - توراۃ منگوائی گئی تو یہود سنگسار کرنے کے حکم کو چھپانے لگے بلکہ اُن کے ایک بڑے عالم عبداللہ بن صوریا نے تو یہ غضب کیا کہ آیۂ رجم کے ماقبل و مابعد کو تو پڑھ دیا اور رجم کی آیت پر ہاتھ رکھ کر اُسے صاف چھوڑ گیا آخر یہ چوری پکڑی گئی اور عبداللہ بن سلام نے وہاں سے اس کا ہاتھ اُٹھا کر آیۂ رجم پڑھ دی - اس پر بھی بعض فدائیانِ اسلام نے "یہ کوہ کندن و کاہ برآوردن" کیا بھی ہی تو جن پر تحریف کا الزام ہی وہ اُس میں سو طرح کے حجتیں نکالتے ہیں - ان جھگڑوں کے مارے ہیں نے اس دردِ سر کو پاس ہی نہیں آنے دیا - اور آنکھیں بند کر کے فطرت کے رستے ہو لیا -

(ص)[1] خدا کے بارے میں تو عقل یعنی فطرت سے مدد لینے کے سوا چارہ نہ تھا اس لئے کہ انسان حواسِ بشری کے ذریعے اُس تک پہنچ نہیں سکتا - اور عقل کے ذریعے سے بھی اتنا ہی پہنچ سکتا ہی کہ خدا کی ایک [illegible] معلوم کرتا ہی مگر پیغمبر صاحب کا تو یہ حال نہیں ہی وہ تو سر سے اس کے کہ خدا کے ساتھ ایک خاص طرح کے [illegible] تھے ہر طرح پر ہماری ہی طرح کے آدمی تھے اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰىٓ اِلَيَّ ہماری طرح پیدا ہوئے - ہماری طرح زندگی کی - ہماری طرح ہماری ہی جیتنی عمر میں دنیا سے رخصت ہو گئے -

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ (الزمر ع ۳)

(اے پیغمبر) کچھ شک نہیں کہ تم کو بھی مرنا ہی اور کچھ شک نہیں اُن کو بھی مرنا ہی

خدا کی تو ساری باتیں عجیب ہیں پیغمبر صاحب میں صرف ایک ہی بات عجیب تھی کہ اُن پر وحی نازل ہوتی تھی تو اُس کی طرف سے اطمینان حاصل کرنے کے لئے عقل [illegible] علاوہ [illegible] بھی اسی قدر کہ کسی شخص کا پیغمبر ہونا اور اُس کا خدا کے ساتھ خاص طرح کا تعلق رکھنا فطرت اس کو جائز رکھتی [illegible] اطمینان کے لئے کافی نہیں [illegible] بھی کوئی ثبوت ہی کہ [illegible] کو جائز رکھتی ہی اور ہونا ممکن ہی

(ط)[2] بات یہ ہی کہ یہ سب خدا کے کرتب ہیں جیسا کہ [illegible] اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ [illegible] وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ خدا اپنی ذات اور صفات کو بھی آدم سے اس قدر مخفی رکھنا چاہتا ہی کہ عقل [illegible] میں کسی کو دخل نہیں اور رسالت کا تعلق بھی آخر کار خدائی صفات میں جا کر منتہی ہوتا ہی

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا

یہ پیغمبر (جو) ہم نے (بھیجے) اُن میں سے بعض کو بعض [illegible] ان میں سے کوئی تو ایسے ہیں جن کے ساتھ خود [illegible] کلام کیا اور بعض کے درجے (اور طرح پر) بلند کیے اور مریم کے فرزند عیسیٰ کو ہم نے کھلے کھلے معجزے دیئے اور روح القدس (یعنی جبرئیل) سے اُن کی تائید کی اور اگر خدا چاہتا تو جو لوگ اُن (پیغمبروں) کے بعد ہوئے اپنے پاس کھلے ہوئے نشان آئے پیچھے ایک دوسرے سے

[1] اس کا ترجمہ ابھی پچھلے صفحوں میں گزر چکا وہاں دیکھو ۱۲ [2] یہ آیت ترجمے سمیت پہلے گزر چکی ۱۲

جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخۡتَلَفُوۡا فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ كَفَرَ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقۡتَتَلُوۡا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يُرِيۡدُ ۞ (البقرہ ع ۳۳)

لیکن (تاہم) لوگوں نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا تو اُن میں سے بعض وہ تھے جو ایمان لائے اور بعض وہ تھے جو کافر ہوئے اور اگر خدا چاہتا تو (یہ لوگ) آپس میں نہ لڑتے مگر اللہ جو چاہتا ہی کرتا ہی ف۱

اسی واسطے رسالت بھی اسرارِ الٰہی میں سے ہی اور خدا کی ذات اور اُس کی صفات کی طرح رسالت کی حقیقت کو بھی عقل کی روشنی سے دیکھنا ہوگا جتنا بھی دیکھا جا سکے۔ جس طرح مخلوقات کو دیکھ کر ہم نے خالق کو ڈھونڈ نکالا۔ جو صرف ہماری کوتاہ نظری کی وجہ سے مخفی تھا اسی طرح ہم نے بیرونی اَمارات و علامات سے پیغمبر صاحب کو پہچان لیا۔ کہ یہ سچے پیغمبر ہیں۔

(س) [۱۲۲] اب آپ مطلب پر آیئے۔ میں اِن ہی اَمارات اور عَلامات کو تو پوچھتا ہوں۔

(م) اَمارات اور علامات سے اصل چیز کی شناخت کی طرف ذہن کا مُنتقل ہونا بھی عقل کے بدون نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے میں نے فطرت کو اصلی ثبوت سمجھا اور اَمارات اور علامات کو ثبوتِ مؤید۔ پھر ثبوت کا قوی یا ضعیف ہونا موقوف ہی مؤیدات کی کثرت اور قلت پر۔ رسالت کے ثبوتِ مؤید کچھ تو بالاجمال سُن چکے۔ صرف ایک ثبوت اور دینا ہی اور وہ میرے نزدیک تمام ثبوتوں سے بڑا اور ضروری تر ہی۔ اور شاید یہ اکیلا پیغمبر صاحب کی رسالت کے ثابت کرنے کے لیے بس کرتا ہی۔ اس ثبوت سے میری مراد ہی پیغمبر صاحب کی تعلیم و تلقین کہ انھوں نے کس رستے پر اُمّت کو چلانا چاہا

(س) [۱۲۳] وہ تعلیم و تلقین کہاں ملے۔

(م)۔ بھئی تم بھی عجیب قسم کے مُسلمان ہو اور تم ایک کیا عجیب ہو اکثر مُسلمانوں کا یہی حال ہی کہ پیغمبر صاحب کی تعلیم و تلقین سے ان کو پُوری واقفیت نہیں۔ وہ تعلیم و تلقین اُصولی قرآن ہی اور کچھ فروعی حدیث۔

(۱۲) نزولِ قرآن کی اصلی غرض

(س) [۱۲۴] آپ اکثر مُسلمانوں کو اور اُن کی لپیٹ میں مجھکو بھی قرآن سے ناواقف بتاتے ہیں حالانکہ ہیں تو خدا کے فضل سے حافظ بھی ہوں اور مُسلمانوں کی نسبت میرا یہ خیال ہی کہ جس کثرت سے مُسلمان قرآن پڑھتے پڑھاتے ہیں شاید ہی کوئی قوم اپنی مذہبی کتاب پڑھتی پڑھاتی ہو۔ محض ادنے درجے کے مُسلمانوں کا تو مذکور نہیں ورنہ جن مُسلمانوں کو پڑھنے پڑھانے سے کام نہیں پڑتا وہ تک بھی اپنے بچّوں کو قرآن ضرور پڑھواتے ہیں۔ قرآن خواں لڑکیوں تک کے بیسیوں مکتب تو شہر میں مجھکو معلوم ہیں اور جو لڑکیاں گھروں میں اپنی ماںبہنوں اور بزرگوں سے پڑھتی ہیں اُن کا شمار نہیں۔ ماشاءاللہ حافظِ قرآن مسلمانوں میں

ف۱ مطلب یہ ہی کہ خدا چاہتا تو تمام بنی آدم کی طبائع ایک ہی طرح کی ہوتیں تو اُن میں اختلاف بھی نہ ہوتا لیکن اُس نے حق و باطل دو چیزیں بنائیں آدمی کو حق و باطل کی تمیز دی اور تمیز کے علاوہ اختیار کہ حق کا رستہ اختیار کرے یا باطل کا۔ آدمی کا با اختیار پیدا کرنا خدا کا فعل ہی اور حق و باطل کی تمیز کرنا اور ایک کو لینا اور دوسرے کو چھوڑنا آدمی کا ۱۲

اس کثرت سے ہیں کہ اگر خدانخواستہ مکتوب قرآن روئے زمین پر سے معدوم ہو جائیں تو کچھ پروا کی بات نہیں صدورِ حفاظ میں اُس کی حرکات تک بلا اختلاف محفوظ ہیں۔ بدقسمتی سے جس کی بینائی جاتی رہتی ہی اکثر دیکھا گیا ہی کہ وہ حفظِ قرآن سے بصارت کی تلافی بصیرت سے کر لیتا ہی۔ رمضان میں حافظوں کو قرآن سُنانے کے لیے جگہ نہیں ملتی۔ ہمارے محلے کی مسجد باوجودے کہ کچھ ایسی بڑی مسجد نہیں ہی۔ اِس پر بھی چار حافظ تو صحن میں ہوتے ہیں اور دو چھت پر اور جامع مسجد میں تو قدم قدم پر حافظ۔ آپ ایک یہودی کا نشان دیجیے جس کو توراۃ حفظ ہو یا عیسائی کا جس کو انجیل زبانی یاد ہو یا ہندو کا جس کو چاروں بید ازبر ہوں۔ اس پر بھی مُسلمانوں پر قرآن کی طرف سے غفلت کا الزام سراسر ظلم ہی۔

(م) مُسلمان جس قدر الفاظِ قرآن کے حفظ کا اہتمام کرتے ہیں اچھا کرتے ہیں۔ مگر میں تم سے پوچھتا ہوں کہ قرآن کے نازل کرنے سے خدا کیا چاہتا تھا۔ کیا صرف یہی کہ مُسلمان اس کے لفظوں کو طوطے کی طرح بیٹھے رٹا کریں۔

(ش) آپ ہی فرمائیں کہ خدا کیا چاہتا تھا۔ آپ نے خدا کی مرضی معلوم کی۔ مرضی اور چاہنا ایک ہی بات ہی صرف لفظوں کا فرق ہی

(م) خدا چاہتا تھا لوگوں کے خیالات کی اصلاح۔ خیالات کی اصلاح کا ضروری نتیجہ تھا اور ہی معاملات کی اصلاح۔ معاملات کی اصلاح کا ضروری نتیجہ تھا اور ہی امن و عافیت یعنی خدا چاہتا تھا کہ سب لوگ امن و عافیت سے رہیں۔ اور وہ قرآن کے لفظوں کے رٹنے اور بُڑبُڑانے سے نہیں ہوتا۔ بلکہ الفاظِ قرآنی کے معانی اور مطالب کے سمجھنے اور اُن پر عمل کرنے سے

(ش) معانی اور مطالب پر عمل کرنا موقوف ہی سمجھنے پر اور سمجھنا موقوف ہی زبان دانی پر اور یہ تو ہر ایک سے نہیں ہو سکتا۔

(م) نہیں۔ سمجھنا تراجم سے بھی ہو سکتا ہی۔

(ش) اِس کے لیے بھی پڑھا لکھا ہونا ضرور ہی۔

(م) لوگ پڑھے لکھوں سے سُن کر بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ اور ناخواندہ مُسلمان جن کو شوق ہی ایسا کر ہی رہے ہیں۔ مگر عموماً مسلمان خواندہ ہوں یا ناخواندہ فہمِ مطالب کی طرف متوجہ نہیں اور عملاً قرآن تقویمِ پارینہ کی طرح بیکار ہی۔ مولوی روم ٹھیک فرما گئے ہیں ؎

من ز قرآن مغز را برداشتم ۔۔۔ استخواں پیشِ سگاں انداختم

اور حدیث شریف میں بھی آیا ہی کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر وہ اُن کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا یعنی سمجھیں گے نہیں[1] (توجہ النبیان)

(۱۱) اس زمانے کے مولویوں کو نیک صلاح

---

[1] حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں سَیَجِیْئُ بَعْدِی قَوْمٌ یُرَجِّعُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ تَرْجِیْعَ الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ لَا یُجَاوِزُ حَنَاجِرَھُمْ اور ایک حدیث میں آیا ہی یُوْشِکُ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ یعنی پیغمبر صاحب نے فرمایا ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام کا صرف نام ہی نام باقی رہ جائے گا اور قرآن بس رسم و رواج کے طور پر پڑھا جائے گا ۱۲

(س) یہ تو ایک عالم گیر بلا ہی۔ اس کا علاج کیا۔

(م) اس کا علاج سوائے اس کے اَور تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا مولویوں کی اصلاح کرے کہ یہ نائب پیغمبر ہیں عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اور عوام مسلمانوں کو دین کے بارے میں جو کچھ معلوم ہی مولویوں ہی کے بتائے سمجھائے سے بیچارے عوام تو موم کی ناک ہیں جدھر کسی نے پھیرا پھر گئے۔

(س) مولویوں میں آپ کیا خرابی پاتے ہیں جس کی آپ اصلاح چاہتے ہیں۔ مسلمانوں میں نماز روزے کا جتنا کچھ چرچا بھی آپ دیکھتے ہیں مولویوں ہی کی بدولت ہی۔ لوگوں پر مولویوں کا کچھ زور تو چلتا ہی نہیں کہ زبردستی نماز کے لیے کھینچ بلایا کریں یہ تو محتسب کا کام ہی سو اسلامی سلطنت کے ساتھ محتسب بھی گئے گزرے ہوئے۔

(م) مجھکو مولویوں سے اِس بات کی شکایت تو نہیں جو تم سمجھے مَیں مولویوں کے اختیارات کو خوب سمجھتا ہوں۔ مگر ساتھ ہی اُن کی ذمہ داریوں کو بھی۔

(س) میں نے تو اِن باتوں کا کبھی خیال کیا نہیں۔ اور میں تو نہ مولویوں کا کچھ اختیار دیکھتا ہوں۔ اور نہ اُن کو دوسروں کے افعال و اعمال کا ذمہ دار جانتا ہوں۔ آپ فرمائیں۔

(م) تم نے دُنیا کے انتظام کو غور سے دیکھا ہی نہیں۔ غور سے دیکھتے ہوتے تو جانتے کہ خدا نے آدمی کو ایک خاص طرح کا مخلوق پیدا کیا کہ دُنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے جتنا ساز و سامان اُس کو درکار ہی اکیلا اپنے دم سے بہم پہنچا نہیں سکتا۔ ناچار اس کو اپنے ہمجنسوں کے ساتھ مل کر رہنا پڑتا ہی۔ لوگوں نے ضرورت اور آسایش کے لحاظ سے کاموں کو آپس میں تقسیم کر رکھا ہی کوئی کھیتی کرتا ہی۔ جو سب سے زیادہ ضرورت کی چیز ہی۔ کوئی کپڑا بنتا ہی۔ کوئی سیتا ہی۔ کوئی جوتی بناتا ہی۔ کوئی بڑھئی ہی۔ کوئی لوہار کوئی سُنار۔ کوئی کچھ کوئی کچھ[۱]

ہر یکے را بہر کارے ساختند میل آں اندر دلش انداختند

اور اس طرح پر ہر شخص اپنی جگہ ابنائے جنس کا محتاج بھی ہی۔ اور محتاج الیہ بھی یہ معنے ہیں کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ[۲]

---

[۱] میری اُمت کے علما ایسے ہیں جیسے بنی اسرائیل کے انبیا ۱۲

[۲] پوری حدیث یوں ہی عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ فَالْاِمَامُ الَّذِیْ عَلَی النَّاسِ رَاعٍ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰۤی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ وَالْمَرْأَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی بَیْتِ زَوْجِھَا وَوُلْدِہٖ وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ عَنْھُمْ وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلٰی مَالِ سَیِّدِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْہُ اَلَا فَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ (صحیحین) یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! سنو تم سب اپنی رعیت (یعنی متعلقین) کے محافظ ہو اور تم سب سے اپنی رعیت یعنی متعلقین کی بابت قیامت کے روز پوچھا جائے گا تو حاکم جو لوگوں کی اصلاحِ حال کے لیے قائم کیا گیا ہی رعیت کا نگہبان ہو اور وہ اپنی رعایا کے احوال سے پوچھا جائے گا۔ مرد اپنے اہل خانہ کا نگہبان ہی اور وہ اپنی رعیت یعنی اہل خانہ کی بابت پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر اور اُس کے بچوں کی محافظ ہی اور اُس سے اُن کی بابت سوال ہوگا۔ آدمی کا غلام اپنے مالک کے مال کا نگراں ہی۔ اور اُس سے اس کی بابت دریافت کیا جائے گا سنو! تم سب کے سب راعی ہو اور سب اپنی رعایا کی بابت سوال کیے جاؤ گے ۱۲

عَنْ رَّعِيَّتِهِ کے اور اسی سے ثابت ہو کہ ہر شخص کچھ اختیار رکھتا ہو۔ اور اختیار کے ساتھ اُس کی کچھ ذمہ واری بھی ہے۔ ہر ایک خانہ دار بجائے خود راعی ہے۔ اور گھر کے لوگ جورو بچے نوکر چاکر رعیت۔ اُستاد راعی ہے شاگرد رعیت۔ طبیب راعی ہو بیمار رعیت امام راعی ہے۔ مقتدی رعیت۔ حاکم راعی ہو محکوم رعیت۔ اِسی طرح مولوی راعی ہیں۔ اور معتقد رعیت۔ مولویوں کو منصب رعایت

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (آل عمران ع ۱۱)

اور (لوگو!) تم میں ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہیے جو (لوگوں کو) نیک کاموں کی طرف بلائیں اور اچھے کام (کرنے) کو کہیں اور بُرے کاموں سے منع کریں۔

کی رُو سے ملا ہے۔ اور يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ میں ان کی ذمہ واری اور خدمت بتادی گئی ہے۔ مولویوں نے مولویت کے پیشے کو اختیار کرکے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ واری اپنے اُوپر لی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہنے کو تو دو لفظ ہیں مگر ان کے معنے اس قدر وسیع ہیں۔ جن کا خلاصہ ہو فلاحِ دارین۔ اپنی ذاتی جواب دہی کیا کم تھی۔ کہ مولویوں نے دوسروں کا ذمہ لیا۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (الاحزاب ع ۹)

ہم نے ذمہ واری کو (جو انسان پر ہو) آسمانوں (پر) اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا (اور یہ بوجھ اُن پر لادنا چاہا) تو انھوں نے بزبانِ حال اُس کے اُٹھانے سے انکار کیا اور اُس سے ڈر گئے اور آدمی نے (گویا ارادۃً بے تامّل) اُس کو اُٹھا لیا اس میں شک نہیں کہ وہ (اپنے حق میں) بڑا ہی ظالم (تھا اور ظالم ہونے کے علاوہ) بڑا ہی نادان (بھی) تھا (اور اُٹھایا تو اُس کا ضروری انجام یہ ہونا ہی) تھا کہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو (اُن کے کیے کی) سزا دے اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں پر (اپنی) مہر کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہو ف

ف اِس آیت میں نہایت عمدہ تمثیل کے طور پر انسان کو اُس کے فرائض انسانی کی طرف متوجہ کیا گیا ہو۔ مخلوقات میں انسان کی ایک خاص حالت ہو کہ اُس کو عقل دی گئی ہو اور اُس کی طبیعت میں مختلف تقاضے ہیں وہ دنیا میں اکیلا زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ ناچار اُس کو اپنے ابنائے جنس میں رہنا پڑتا ہو اور وہ بھی اسی کی سی طبیعتیں رکھتے ہیں اور خواہی نخواہی لوگوں کے اغراض میں کشمکش واقع ہوتی ہو جس کثرت سے انسان کے تعلقات ہیں اُسی کثرت سے اُس کی ذمہ واریاں بھی ہیں۔ اُس پر حقوق ہیں خدا کے۔ والدین کے۔ رشتے داروں کے۔ اولاد کے۔ میاں بی بی کے۔ ہمسایے کے۔ قوم کے۔ حاکمِ وقت کے۔ اہلِ معاملہ کے۔ اگر ان تمام حقوق پر نظر کی جائے۔ تو واقع میں انسان بڑے سخت شکنجے میں کسا ہوا ہو۔ اور چونکہ اُس کو عقل دی گئی ہو اور وہ اپنے دل میں سمجھتا ہو کہ اُس کو ہر ایک حق دار کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہیے۔ اور اُس کو نیکی اور بدی دونوں کے کرنے کی قدرت ہو اس وجہ سے کہا جاسکتا ہو کہ انسان نے یہ حالت اپنی خوشی سے اختیار کی ہو انسان کے سوا جتنی مخلوقات ہو اُن کی

سو دوسری حالت ہو۔ اُن کی طبیعتوں میں مختلف تقاضے نہیں اور نہ وہ فاعل مختار ہیں اور اسی وجہ سے اُن پر کسی طرح کی ذمہ داری نہیں اور اس اعتبار سے انسان کے مقابلے

(س) ۱۳۱ کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ مولوی ذمہ داری کے ڈر سے اپنا کام چھوڑ بیٹھیں اور آگے کو کوئی اس کام کو ہاتھ نہ لگائے اور نماز روزے کا چرچا اوّل تو وہ چرچا ہی کیا ہی۔ مگر خیر جو کچھ بھی ہی دُنیا کے پردے پر سے اُٹھ جائے۔

(م) ۱۳۱ میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مولوی اپنا کام جو کر رہے ہیں اُس کو چھوڑ دیں بلکہ مطلب یہ ہی کہ جو چھوڑ رکھا ہی اور وہ اس کام سے جو کر رہے ہیں میرے نزدیک زیادہ ضروری ہی اُس کو خصوصاً تلافیِ مافات کے لحاظ سے مقدم سمجھیں۔

(س) ۱۳۲ نماز روزے سے بڑھ کر کوئی اور چیز بھی ضروری ہوگی؟

روزِ محشر کہ جاں گداز بود اولیں پرسشِ نماز بود

اور معلوم ہی کہ مولوی لوگ اسی کی تعلیم و تلقین کرتے رہتے ہیں۔

(م) ۱۳۲ تم نے ابھی تک دین و مذہب کی غرض و غایت ہی کو نہیں سمجھا۔ اور بمجبوری مجکو کہنا پڑتا ہی کہ یہی غلطی اپنی جگہ بلا استثناء احدے ہر ایک مذہب والا کر رہا ہی اور دنیا کے تمام فسادات تمام رگڑے جھگڑے متفرع ہیں اسی غلطی پر۔

(س) ۱۳۳ وہ غرض و غایۃ ارشاد ہو۔

(م) ۱۳۳ میں نے تو یوں سمجھا ہی کہ مذہب نے دنیا میں اَمن و عافیت کے قائم کرنے کے لیے رواج پایا ہی۔ دستورِ سلطنت بھی اَمن و عافیت کے قائم کرنے کی ایک تدبیر تھی مگر تجربے سے وہ ناکافی ثابت ہوئی اور فی الواقع اُس تدبیر میں ایک ایسا نقص ہی جس کی وجہ سے اُس کی کامیابی کی طرف سے پورا اطمینان نہیں ہو سکتا۔ اس لیے زمامِ حکومت آدمی کے ہاتھ میں ہوتی ہی اور یہی حضرت تو خود بانیِ فساد ہیں پس ضرور ہوا کہ حکومت کسی ایسے کے ہاتھ میں ہو جو بشری خصائل بد سے کہ وہی فساد کی جڑ ہیں پاک اور منزہ ہو اور وہ نہیں ہی مگر خدا۔ اصلی حکومت تو فی الحقیقت خدا ہی کے ہاتھ میں تھی یہ نہیں ہی کہ بنی آدم نے اتفاق کر کے اُس کو حاکم بنایا ہو جیسا کہ دنیا کے بادشاہوں کو بناتے ہیں۔ مذہب نے یہ کیا کہ خدا کی حکومت کو جس سے لوگ غافل اور بے خبر تھے منوا دیا۔ اور اسی سے ہم نے معرفتِ الٰہی کو مذہب کی جڑ بنیاد قرار دیا ہی۔ پس میرے خیال میں مذہب ایک درخت ہی اور دنیا میں اَمن و عافیت کا قائم کرنا اُس کا ثمر۔ اَب تم ہی سمجھ لو کہ درخت مقصود بالذات ہوتا ہی یا ثمر۔

(س) ۱۳۴ اچھا پھر مولویوں نے اِس کے خلاف کیا کیا؟

(م) ۱۳۴ اگر تم نے درخت اور ثمر کی مثال کو تسلیم کر لیا ہی۔ تو اب تم میری رائے سے ضرور اتفاق کرو گے۔ مگر اسی کے ضمن میں ایک بات اَور بھی سمجھنے کی ہی کہ مذہب تو ایک مجموعہ مسائل کا نام ہی۔ پس مذہب کو میں دو طرح پر تقسیم کرتا ہوں۔ ایک تقسیم تو یہ ہی کہ مذہب میں تین قسم کے مسائل ہیں ۱ معتقدات۔ ۲ عبادات۔ ۳ معاملات۔ دوسری تقسیم اس سے بھی مختصر ہی۔ کہ مذہب میں صرف دو قسم کی باتیں ہیں ۱ حقوق اللہ اور ۲ حقوق العباد۔ دو طرح کی تقسیم سے اصل مطلب میں کسی طرح کا فرق نہیں آتا۔ پس درخت اور ثمر کی مثال کی رُو سے معتقدات اور عبادات یا حقوق اللہ کو درخت سمجھنا چاہیے اور معاملات یا حقوق العباد کو ثمر۔ اَب مولویوں نے اُلٹا کر دیا۔ کہ درخت کو ثمر بنا دیا۔ اور ثمر کو درخت کیونکہ ان کی تعلیم و تلقین کا سارا زور معتقدات اور عبادات یعنی حقوق اللہ پر ہی۔ اور ثمر یعنی معاملات اور حقوق العباد سے ان کو کچھ بحث نہیں۔ گویا مذہب ایک درخت بے ثمر ہی۔ بس مولویوں سے مجکو اتنی ہی شکایت ہی۔ اور نہ صرف اپنے مولویوں سے بلکہ ہندوؤں کے برہمنوں اور پنڈتوں سے

عیسائیوں کے پادریوں سے۔ یہود کے احبار اور ربیّوں سے جہاں دیکھو خدا کی روئی تو ایسی دُھنکی جارہی ہو کہ خدا ہی پناہ دے اور معاملات یا حقوق العباد کا نام نہ تو تعلیم کتابی میں ہو اور نہ تعلیم سینہ بسینہ یعنی موعظ میں مگر برائے نام۔ عوام نے کہ وُہی مُسلمانوں میں عنصر غالب ہیں۔ اور مذہب کی بات بات میں مولویوں کا مُونھ تکا کرتے ہیں دیکھا کہ مولوی معاملات یا حقوق العباد کا تذکرہ تک نہیں کرتے تانت باجی راگ پایا۔ سمجھ لیا کہ معاملات یا حقوق العباد سے مذہب کو کچھ تعلق نہیں ہوتا تو رفع یدین اور آمین بالجہر اور قراۃ الفاتحہ[عہ] خلف الامام اور الصاق السوق[عہ] عند القیام اور وضع[سہ] الیدین فی الصلوۃ علی الصدر اور ردوالین اور ذوالین اور اسی طرح کی سیکڑوں باتوں کو مولوی ایسا مہم بالشان سمجھتے ہیں کہ نمازِ جمعہ کے بعد سے جو وعظ فرمانا شروع کرتے ہیں تو اِن ہی باتوں کی دُھن میں عصر کا وقت تنگ ہوجاتا ہی۔ اور وعظ پر قناعت نہ کرکے رسائل لِٹھ وجُوتا و کتاب کی تصنیف ہیں درس تک بند اگر معاملات یا حقوق العباد سے مذہب کو کچھ بھی تعلق ہوتا تو مولوی کبھی نہ کبھی بھول کر تو اِن باتوں کا تذکرہ کرتے پر کرتے۔ مولویوں کی اس بے توجہی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا اور ہونا ہی تھا کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ

(س[۱۳۴]) آپ مولویوں کی طرف سے ناحق اِس قدر بدگمان ہیں۔ کیا حدیث و فقہ مولویوں کے درس میں نہیں۔ اور کیا حدیث و فقہ میں معاملات نہیں؟

(م[۱۳۵]) حدیث و فقہ میں معاملات بھی ہیں تو اُن وقتوں کی حالت کے مطابق ہیں۔ جب اسلامی سلطنت تھی اور اُن ہی وقتوں میں حدیث بھی مدوّن ہوئی تھی اور فقہ بھی۔ مگر اَب ہمارے ہندوستان کی کیا حالت ہی ؎

نہیں بدلی بدلا ہوا آسماں ہی زمانے کی اگلی سی حالت کہاں ہی

اَب معاملات حکماً انگریزی قانون کی رُو سے فیصلہ ہوتے ہیں۔ نکاح طلاق۔ شفعہ گنتی کی چند باتیں ہیں جن میں کہنے کو شرعِ محمدی پر عمل کیا جاتا ہی اور مولوی ہیں کہ وہی اپنی قدوری لیے بیٹھے ہیں۔

(س[۱۳۶]) مولوی بیچارے اِس میں کیا کریں۔

(م[۱۳۶]) مولوی اگر کرنا چاہیں تو اِس حالت میں بھی بہت کچھ کرسکتے ہیں۔ مگر انھوں نے کیا نہیں۔ کرتے نہیں اور کریں گے بھی نہیں اِس لیے کہ لوگوں کے معاملات کی اصلاح کو وہ اپنا فرضِ منصبی ہی نہیں سمجھتے۔

(س[۱۳۷]) آخر معلوم تو ہو کہ مولوی کیا کرسکتے ہیں اور اُن کو کیا کرنا چاہیئے۔

(م[۱۳۸]) میری صلاح مانیں تو مولوی پہلے اپنے نفس کا احتساب کریں اور سمجھیں کہ وہ بھی بشر ہیں اور عشرہ مبشرہ میں نہیں ہیں

(س[۱۳۸]) عشرہ مبشرہ کیا ہی؟

(م) عشرہ مبشرہ سے وہ دس جلیل القدر صحابی مُراد ہیں جنکو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بحکم خدا اُن کے جیتے جی جنّتی ہونے کی خوش خبری سُنادی تھی وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ بحکم خدا کی قید ہم نے وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ۔ اور مَا

عہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنی ۱۲ عہ جماعت میں کھڑے ہوکر اپنی پنڈلی کو دوسرے شخص کی پنڈلی سے ملانا ۱۲

سہ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا ۱۲ عہ سلا اس کا ترجمہ اوپر گزر چکا ۱۲

اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ سے لگائی۔ پیغمبر صاحب ازخود کسی کو جنّتی یا دوزخی ہونے کا حکم دے نہیں سکتے تھے۔ کہ اس کا فیصلہ خدا نے خاص اپنے اختیار میں رکھا ہی جس کا ظہور روزِ حشر کو ہوگا۔ مگر قریب قریب تمام جزیرۂ عرب پیغمبر صاحب کی زندگی میں اسلام لے آیا تھا اور صحاب کا شمار لاکھ سے متجاوز ہو چلا تھا۔ تو دس کی تعیین سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اصحاب کے جمِّ غفیر میں صرف یہی دس بزرگ جنّت کی خوش خبری کے لیے خاص کیے گئے تھے۔ ذکور و اناث میں کتنے صحابی اور صحابیات ہیں جو عام[۱] یا خاص طور پر جنّت کی بشارت سے مشرف ہوئے۔ پھر اِن دس کا خصوصیت کے ساتھ مُبَشَّر بالجنة ہونا اس سے مشہور ہوا کہ ان کو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک جلسے[۲] میں نام بنام بشارت دی اور یہ بھی ہو کہ اسلامی خدمات کے اعتبار سے بھی اِن بزرگوں کو گروہِ اصحاب میں امتیازِ خاص حاصل ہی۔

[۱] مثلاً عموماً شہدا کے حق میں پیغمبر صاحب نے فرمایا اَرْوَاحُھُمْ فِیْ جَوْفِ طَیْرٍ خُضْرٍ تَرِدُ اَنْھَارَ الْجَنَّةِ تَاْکُلُ مِنْ ثِمَارِھَا وَتَاْوِیْ اِلٰی قَنَادِیْلَ مِنْ ذَھَبٍ مُعَلَّقَةٍ فِیْ ظِلِّ الْعَرْشِ۔ یعنی شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں رہتی ہیں جو جنت کی نہروں پر آمد و رفت رکھتے اور جنت کے پھل چرتے چُگتے ہیں۔ اور پھر سونے کی قندیلوں میں جو عرش کے سایے میں لٹک رہی ہیں بسیرا لیتے ہیں اور امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں ارشاد فرمایا اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّةِ یعنی حسن و حسین جوانانِ اہلِ جنة کے سردار ہیں۔ اور جعفر طیار کے حق میں بشارت دی کہ رَاَیْتُ جَعْفَرًا یَطِیْرُ فِی الْجَنَّةِ مَعَ الْمَلٰۤئِکَةِ یعنی میں نے جعفر کو دیکھا کہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ اُڑتے پھرتے ہیں۔ حضرت فاطمة الزہرا کے حق میں فرمایا۔ فَاطِمَةُ سَیِّدَةُ نِسَآءِ اَھْلِ الْجَنَّةِ یعنی فاطمہ جنّتی عورتوں کی سردار ہیں۔ پھر فاطمة الزہرا کی والدہ جناب اُمّ المومنین خدیجہ کے بارے میں فرمایا کہ اُنھیں جنت میں ایک موتی کے محل میں جگہ ملے گی ۱۲

[۲] جیسا کہ ترمذی میں عبد الرحمن بن عوف سے روایت ہو اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ فِی الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِی الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ فِی الْجَنَّةِ وَعَلِیٌّ فِی الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِی الْجَنَّةِ وَالزُّبَیْرُ فِی الْجَنَّةِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِی الْجَنَّةِ وَسَعْدُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ فِی الْجَنَّةِ وَسَعِیْدُ بْنُ زَیْدٍ فِی الْجَنَّةِ وَاَبُوْ عُبَیْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِی الْجَنَّةِ یعنی جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر جنت میں ہیں اور عمر جنت میں ہیں اور عثمان جنت میں ہیں اور علی جنت میں ہیں اور طلحہ جنت میں ہیں اور زبیر جنت میں ہیں اور عبد الرحمن بن عوف جنت میں ہیں اور سعد بن ابی وقاص جنت میں ہیں اور سعید بن زید جنت میں ہیں اور ابو عبیدہ بن الجراح جنت میں ہیں۔ بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں بھی اسی طرح آیا ہے کہ اس میں ذرا اختصار ہی چنانچہ حضرت ابو موسے اشعری کہتے ہیں کُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَائِطٍ مِّنْ حِیْطَانِ الْمَدِیْنَةِ فَجَآءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِفْتَحْ لَہٗ وَبَشِّرْہُ بِالْجَنَّةِ فَفَتَحْتُ لَہٗ فَاِذَا اَبُوْبَکْرٍ فَبَشَّرْتُہٗ بِمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰہَ ثُمَّ جَآءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِفْتَحْ لَہٗ وَبَشِّرْہُ بِالْجَنَّةِ فَفَتَحْتُ لَہٗ فَاِذَا ھُوَ عُمَرُ فَاَخْبَرْتُہٗ بِمَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰہَ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ فَقَالَ لِیْ اِفْتَحْ لَہٗ وَبَشِّرْہُ بِالْجَنَّةِ عَلٰی بَلْوٰی تُصِیْبُہٗ فَفَتَحْتُ لَہٗ فَاِذَا ھُوَ عُثْمَانُ فَاَخْبَرْتُہٗ بِمَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰہَ ثُمَّ قَالَ اللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ یعنی میں مدینے کے ایک باغ میں جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا اتنے میں ایک شخص آکر باغ کا دروازہ کھلوانے لگا ہی صلے اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے مخاطب ہوکر) فرمایا کہ دروازہ کھول دو اور پاس (آنے دو) اسے جنت کی خوش خبری سُنا دو۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہ ابوبکر تھے پس میں نے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی اُنھیں خبر دی

(س) عشرۂ مبشرہ کے نام ارشاد ہوں۔

(م) اجی وہی نام ہیں جو جمعوں کے خطبوں میں لیے جاتے ہیں مگر صرف ناموں کے گنوا دینے سے کوئی مفاد نہیں۔ لوگ زید عمرو بکر کی طرح ناموں کو سنتے اور کچھ نصیحت نہیں پکڑتے۔ میں نام گنواؤں تو ناموں کے ساتھ اُن کی خدمات بھی مفصّل نہیں تو مختصر طور پر بیان کروں جن کے صلے میں اُن کو جنات النعیم کا انعام ملا تاکہ ہم اِن وقتوں کے مسلمان اپنے اسلام کو اُن کے اسلام سے مقابلہ کر کے دیکھیں اور غیرت ہو تو چلّو پانی لے کر ڈوب مریں کہ ایک مسلمان وہ تھے جنھوں نے اسلام کی خاطر مال تو مال جانِ عزیز تک خرچ کرنے میں دریغ نہیں کیا۔ اور ایک نام کے مسلمان ہم ہیں ؎ بدنام کنندۂ نکو نامے چند * کہ اُن مسلمانوں کی چھینٹ تک بھی تو ہم پر نہیں پڑی ؎ عار دارد کفر از اسلامِ ما۔

(س) اچھا پھر آپ عشرۂ مبشرہ کے نام بھی گنوائیے اور اُن کی اسلامی خدمات بھی بیان کیجیے۔

(م) میں تمھاری فرمایش کے بدون ضرور ایسا کرتا۔ اور ان کے حالات تو کتنے ہی مختصر کیوں نہ ہوں۔ میرے اس رسالے کی جان ہیں۔ میں نے پیغمبر صاحب کے دلائلِ نبوۃ میں اُن کی تعلیم کو سب سے قوی دلیل ٹھیرایا۔ وہ تعلیم قرآن اور کتبِ احادیث میں لکھی ہوئی موجود ہے یعنی قرآن اور حدیث اسلام کا کورس یعنی نصاب ہے۔ اور تاریخ و سیر نتیجہ تعلیم۔ تعلیم کا مفید یا نا مفید ہونا موقوف ہے نتیجے کے اچھے یا بُرے ہونے پر۔ ہندوستان کے سرکاری سررشتۂ تعلیم کے نصاب کو سب اچھا ہی اچھا کہتے ہیں اب بنگالیوں کی شورش نے ثابت کر دکھایا کہ اس تعلیم کا نتیجہ ہے **قطعہ**

یا وفا خود نبود در عالم — یا مگر کس درین زمانہ نکرد
کس نیاموخت علم تیر از من — کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

جس ہنڈیا میں کھائیں اُسی میں چھید کریں۔ جس درخت پر پھل کھانے کو چڑھیں اُسی کی جڑ کاٹیں نہ چین سے بیٹھیں نہ چین سے بیٹھنے دیں۔ کوڑیوں کا رہنا اور محلوں کے خواب ؎[5]

شیئانِ عجیبانِ ھُما ابردُ مِن یخ — شیخٌ یتصبّی و صبیٌ یتشیّخ

ایک تعلیم تو یہ ہے جس کے نتیجے آنکھوں سے دیکھے اور ایک تعلیم جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ کہ جو اُس پر کاربند ہوئے ہر برتری ہر فضیلت میں اقوامِ روزگار پر سبقت لے گئے اور تاریخ اور سیر اس کی شاہد۔ اور وہ تعلیم عام ہے جس کا جی چاہے اب اُس پر کاربند ہو کر دیکھ لے۔ اور آزمالے۔

(س) بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم مسلمانوں ہی کو اپنے بزرگوں کے حالات معلوم نہیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰۳) اور انھوں نے اس پر خدا کا شکر کیا۔ پھر ایک اَور شخص نے آکر دروازہ کھلوانا چاہا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دروازہ کھول دو اور اس کو بھی جنت کی خوش خبری سنا دو میں نے دروازہ کھولا تو وہ عمر تھے پس میں نے اُن کو بھی جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی خبر دی اور انھوں نے بھی اس پر خدا کا شکر کیا اتنے میں ایک اَور شخص نے آکر دروازہ کھلوانا چاہا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ دروازہ کھول دو اور اُس کو ایک ایسی بلا کے صبر کرنے پر جنت کی خوشخبری سنا دو جو اُسے پہنچے گی میں نے دروازہ کھولا تو وہ عثمان تھے پس میں نے اُن کو جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے مطلع کیا انھوں نے خدا کا شکر کر کے کہا میں اس بلا کی تلخی پر صبر کرنے کی خدا سے مدد مانگتا ہوں ۱۲

[5] دو عجیب چیزیں ہیں جو برف سے بھی زیادہ ٹھنڈی ہیں بوڑھے کا بچہ ہونا اور بچے کا بوڑھا ہونا ۱۲

(ھم[۱۴۱]) اسی سے تو خستہ و خراب اور ذلیل و خوار ہیں - جن پر سیکڑوں برس حکومتیں کیں - اب اُن کے ٹکڑے اُٹھانے پڑتے ہیں

عزت نہیں ہنر نہیں پلّے ٹکا نہیں　　　　دنیا میں اب تو جینے کا مطلق مزا نہیں

(ہس[۱۴۲]) بات بڑھتی چلی جاتی ہے - اور میں عشرۂ مُبشّرہ کے حالات سننے کے لیئے بے تاب ہوں -

(ھم[۱۴۳]) تم سُننے کے لیئے بے تاب ہو اور میں کہنے کے لیے تم سے زیادہ بے تاب ہوں - مگر جو بات میں کہہ رہا تھا وہ بھی کچھ ضروری نہیں - میں اُس کو بھی اُدھوری نہیں چھوڑ سکتا - اور عشرۂ مبشّرہ کے حالات کتنے ہی مختصر کیوں نہ ہوں ایسے بسیط ہیں کہ گفتگو کے سلسلے میں اُن کا سمانا مشکل - تو میں نے یوں خیال کیا ہے کہ گفتگو کو جس طرح چل رہی ہے چلنے دوں - اور عشرۂ مبشّرہ کے حالات کو ضمیمے کے طور پر گفتگو کے آخر میں بڑھا دوں چنانچہ میں نے صفحہ ۱۱۱ سے اس ضمیمے کو شروع کر دیا ہے

(ہس[۱۴۴]) اچھا جیسی آپ کی مرضی

(ھم[۱۴۵]) خیر تو آخر میں تم نے مجھ سے پوچھا تھا - "آخر معلوم تو ہو کہ مولوی کیا کر سکتے ہیں اور اُن کو کیا کرنا چاہیئے" اور میں جواب میں "میری صلاح ناقص مولوی پہلے اپنے نفس کا احتساب کریں اور سمجھیں کہ وہ بھی بشر ہیں اور عشرۂ مُبشّرہ میں نہیں ہیں" یہاں تک کہہ چکا تھا کہ تم نے بیچ میں عشرۂ مُبشّرہ کا تذکرہ چھیڑ دیا - میں اُس جواب میں اتنا اور کہنے کو تھا کہ ایک چھوڑ دُوہری دُوہری ذمہ داریاں اُن کے سر پر ہیں - ایک اپنی ذاتی دوسرے متعلق منصبِ ہدایت جس کا بیڑا اُنھوں نے اُٹھایا ہے - میں تو نہیں سمجھتا کہ کوئی بندہ بشر سچے دل سے اپنے نفس کا احتساب کرے اور دوسروں کی عیب چینی کی اُس کو فرصت ملے - مولویوں کی اس عادت نے جو بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا[۱] کے بالکل خلاف ہے بہت سے مسلمانوں کو مایوس اور شکستہ خاطر کر رکھا ہے - اور اسی لیئے لوگ ان سے اور وہ لوگوں سے متنفر ہیں - میرے نزدیک اس زمانے میں مولویوں کو زیادہ تر اس آیت کا وعظ کہنا چاہیئے

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (الزمر ۶)

(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اے ہمارے بندو! جنھوں نے (گناہ کر کے) اپنے اُوپر زیادتیاں کی ہیں اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ رہو کیونکہ اللہ تمام گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور وہ بے شک (بڑا) بخشنے والا مہربان ہے -

قطعہ

باز آ باز آ از آنچہ ہستی باز آ　　　　گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست　　　　صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

پھر بچیں کہ کتنے دل اسلام کے گرویدہ ہوتے ہیں - مسلمانوں کے ہادی اور راہ نما ہونے کی حیثیت سے مولویوں کا یہ بھی فرض ہے کہ دنیا سے اس قدر بے تعلق نہ رکھیں - اُن کو جہاں تک ہو سکے دنیا کے حالات کی، ترقی کی خبر رکھنی چاہیئے اور یہ امر اخبار اور رسائل کے ذریعے سے بآسانی ممکن ہے تا کہ مسلمانوں کو مناسب حالت مفید مشورہ دے سکیں -

(۱۴۶) زہد

اور ایک ضروری بات یہ ہے کہ زہد کی بُرائی کو دھیان کریں - اُس نے مسلمانوں کو اس شعر کا مصداق بنا دیا ہے ؎

[۱] (لوگوں کو) خوش خبری دو اور نفرت نہ دلاؤ (اُن کے ساتھ) آسانی برتو اور سختی نہ کرو۔

بقدرِ ہر سکوں کاہل شوی بنگر تفاوت را   دویدن رفتن استادن نشستن خفتن مردن

میرا خیال یہ ہے کہ زہد کا خیال بھی ایک طرح کا فطری خیال ہے۔ زندگی کے مخصوص سے قطعِ نظر

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے   ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مرچلے

آدمی كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (الرحمٰن ع ۲)   (اے پیغمبر جتنی مخلوقات روئے زمین پر ہے سب فنا ہو جانے والی ہے۔

کو لازمی طور پر واقع ہوتا ہوا دیکھتا ہے۔ اور یہ بھی دیکھتا ہے کہ موت سفر ہے جس سے بازگشت نہیں۔ مفارقت ہے جس کی انتہا نہیں بے تعلقی ہے جس میں لگاؤ نہیں۔ انقطاع ہے جس کا پیوند نہیں۔ اس حالت کو دیکھ کر خواہی نخواہی آدمی کو دنیا کی طرف سے افسردگی پیدا ہوتی ہے۔ اسی کا نام ہے زہد۔ پس زہد تقاضاے فطرت ہوا۔ پھر ایک طرف تو طبیعت زہد کی متقاضی ہے اور دوسری طرف زندگی بھی ہر ایک کو عزیز ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ (آل عمران ع ۲)

لوگوں (کی) بناوٹ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اُن (کو دنیا کی) مرغوب چیزوں یعنی (مثلاً) بی بیوں اور بیٹوں اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں اور عمدہ عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتی کے ساتھ دلبستگی بھلی معلوم ہوتی ہے (حالانکہ یہ (تو) دنیا کی زندگی کے (چند روزہ) فائدے ہیں اور (ہمیشہ کا) اچھا ٹھکانا تو اُسی اللہ کے ہاں ہے۔

مذہب کا کام ہے کہ متناقض تقاضوں میں آدمی کو اعتدال پر لے چلے کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ یعنی آدمی دنیا میں باہمہ اور بے ہمہ زندگی کرے کہ نہ تو بالکل تارک الدنیا ہو جس سے ابطالِ حکمتِ الٰہی لازم آئے۔ اور اُس کو نباہ بھی نہ سکے

قطعہ

اے ذوق کرے گا کوئی دنیا کیا ترک   دنیا ہے بری بلا اسے کیسا ترک
ممکن نہیں ترک ہو کسی سے دنیا   جب تک نہ کرے آپ اُسے دنیا ترک

اور یہ بھی نہ ہو کہ

کیا ہو ہلکا طالب الدنیا ہوس کے بوجھ سے   رہ گیا یہ تو گدھا دلدل میں پھنس کے بوجھ سے

اور وہ اعتدال کا رستہ ہے

لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ ۔   اسلام میں رہبانیت نہیں ہے

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۖ فَآتَيْنَا الَّذِينَ

اور دنیا کا چھوڑ بیٹھنا جس کو اُنھوں نے از خود ایجاد کیا تھا ہم نے وہ (طریق) اُن پر فرض نہیں کیا تھا مگر (ہاں) اُنھوں نے اُس کو خدا ہی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایجاد کیا تھا لیکن جیسا اُس کو نباہنا چاہیے تھا نہ نباہ سکے تو جو لوگ اُن میں سے

اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (الحدید ع ۴)
ایمان لائے اُن کو ہم نے اُن کے اجر عنایت فرمائے اور اُن میں سے بہتیرے تو نافرمان ہیں۔

اس وقت مسلمان۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (المنافقون ع ۱)
اور (اصلی) عزت اللہ کی اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی ہو

کے لحاظ سے بہ نسبت زہد کے وعظ کے۔ طلبِ دنیا کے وعظ کے زیادہ محتاج ہیں۔ دیکھو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین اور قرونِ اُولےٰ کے مسلمانوں کی زندگی کہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیئے اسلام جاہ و حشمتِ دنیا کا زیادہ محتاج تھا تو اُنھوں نے طلبِ دنیا میں کوئی کسر اُٹھا رکھی ہے؟ اب بھی مسلمانوں کو وہی کرنا چاہیئے بلکہ مع شیٔ زائد

حیف است پس از حکم تحکم بُردن خو کردہ بہ ناز جورِ مردم بُردن

بڑی بات جو مولویوں کے کرنے کی ہے کہ کابرًا عن کابرٍ سالہاسال کی کتابی اور سینہ بسینہ تعلیم سے جو نفرت دنیا کی طرف سے عام مسلمانوں کے دلوں میں راسخ ہو گئی ہے۔

بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (المطففین ع ۱) ۱۲
بلکہ (بات یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر (ان ہی) کے اعمالِ (بد) کا زنگ بیٹھ گئے ہیں۔

اور جس کی وجہ سے طلبِ دنیا میں کوتاہی اور کاہلی اور غفلت کر رہے ہیں اور یومًا فیومًا قعرِ ذلت میں گرتے چلے جا رہے ہیں ان خیالات کو مسلمانوں کے دلوں سے دُور کیا جائے اور یہ کام مولوی ہی کر سکتے ہیں۔ اس لیئے کہ ان خیالات کے موجد اور مروج بھی وہی ہیں۔ دنیا کے دو رُخ ہیں۔ ایک رُخ سے وہ حُور اور پری تمثال ہے اور دوسرے رُخ سے بھوتنی اور چڑیل

غافل مشو از عشوۂ دنیا کہ ایں عجوز مکارہ می نشیند و محتالہ مے رود

اور اسی لیئے قرآن میں اور احادیث میں اس کے دونوں رُخ جیسے کے تیسے دکھائے گئے ہیں یعنی جہاں بہت سی حدیثیں اس کی ہجو کی ہیں۔ بہت سی اس کی مدح کی بھی ہیں۔ جن میں خدا ہم پر ساز و سامانِ دنیا کی منت رکھتا اور اپنا احسان جتاتا ہے اور ظاہر ہے کہ منت اُسی چیز کی رکھی جاتی ہے۔ احسان اُسی چیز کا جتایا جاتا ہے جو عمدہ اور پسندیدہ ہو۔ پس کیا مناسب ہے کہ ہم ہمیشہ ہمہ وقت دنیا کا بھونڈا رُخ پیشِ نظر رکھ کر اپنی زندگی تلخ کریں۔ اجی وہ ہمارے چھوڑے چھوٹتی تو ہے نہیں تا مرگ ہمارے سر پڑی ہے کبھی اس کی دلربایانہ اداؤں سے بھی جی خوش کر لینا چاہیئے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ
اے پیغمبر ان لوگوں سے) پوچھو کہ اللہ نے جو زینت (کے ساز و سامان) اور کھانے (پینے) کی ستھری چیزیں اپنے بندوں کے لیئے پیدا کی ہیں (اُن کو) کس نے حرام کیا ہے؟ (یہ تو اُن کا کیا حق ہے دین گے تم ہی ان کو سمجھا دو کہ جو لوگ دنیا کی زندگی میں ایمان لائے ہیں قیامت کے دن یہ نعمتیں) خاص کر اُن ہی کو دی جائیں گی اسی طرح

نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (الاعراف ع ۴)

ہم (اپنے) احکام اُن لوگوں کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں ف

روز مرہ کی چیزوں میں ایک کیسی اچھی مثال سمجھ میں آئی ہے جس سے ہم طلب دنیا اور زہد دونوں کے جمع کرنے میں کافی ہدایت پا سکتے ہیں کہ دنیا کو ایک باغ سمجھو ہرا بھرا پھولا پھلا۔ ایسا کون کوڑ مغز ہوگا جس کو بہار کے موسم میں ایسے باغ کی سیر سے فرحت وانبساطِ خاطر نہ ہو ؎

گل جو چمن میں ہیں ہزار دیکھ ظفر ہے کیا بہار سب کا ہے رنگ الگ الگ سب کی ہے بو الگ الگ

با ایں ہمہ وہ جو سیر باغ سے خوش ہوتا ہے اپنے دل میں خوب سمجھے ہوئے ہوکہ یہ تمام زرق برق عارضی اور چند روزہ ہے۔ خزاں آئی اور باغ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ہوکر رہ گیا ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

پس جو معاملہ باغ کے ساتھ کرتے ہو وہی دنیا اور مافیہا کے ساتھ کرو۔ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ۔
حقیقت میں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو لوگ دینداری کے مدعی ہیں کیوں دنیا اور دین کے تعلق کے سمجھنے میں ایسی مکروہ اور فاش غلطی کرتے ہیں۔ کہ گویا دنیا اور دین دو سوکنیں ہیں جن میں التیام ممکن نہیں ؎

دنیا خواہی و دیں ہمی طلبی ایں ناز بخانۂ پدر باید کرد

میرے نزدیک دنیا جوہر اور دین عرض یعنی دنیا کو شریعت کی پابندی کے ساتھ برتنے کا نام ہے دین ورنہ دین خود جداگانہ کوئی چیز نہیں۔ اگرچہ مسلمانوں کی تمام ادائیں اُن کی بربادی اور تباہی پڑی پکار رہی ہیں

یہ دُنیا میں رہنے کے لچھن نہیں ہیں اُٹھاؤ چلو تہ کرو اپنا بستر

گر یہ غلطی جو وہ دنیا اور دین کے تعلق کے بارے میں کر رہے ہیں ماں کی جگہ ہے اور دوسری غلطیاں اُس کے انڈے بچے۔

(ص) [۱۴۵] اپنا سارا ہی زہر اُگل ڈالیے۔ کیونکہ میں آپ کی تمام باتیں مولویوں کے گوش گزار کرنے والا ہوں۔ تاکہ معلوم ہو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔

(م) [۱۴۵] گوش گزار کرنے سے تو میں منع نہیں کرتا۔ مگر مولویوں کا جواب معلوم ہے۔

(ص) [۱۴۶] وہ کیا ؟

(م) [۱۴۶] کُفْر وَّاِرْتِدَادٌ۔ مولویوں کو اتنا ضبط کہاں۔

(ص) [۱۴۷] خیر میں تو محفوظ ہوں "نقل کفر کفر نہ باشد"۔ آپ کی نسبت جو کچھ فرمائیں گے میں اُس کو غنیمت سمجھوں گا۔

ف مطلب یہ ہے کہ دنیا و مافیہا سب کچھ آدمی کے لیے پیدا کیا گیا ہے کافر ہو یا مسلمان از قسم زینت و رزق طیب کوئی چیز کسی پر حرام نہیں سب جو کچھ کہ جہاں میں ہے سب انسان کے لیے ہے + آراستہ یہ گھر ہے مہماں کے لیے ہے + البتہ آخرت میں یہ نعمتیں کافروں پر حرام ہوں گی یعنی کافر ان نعمتوں سے محروم رہیں گے تو جو مسلمان ہو کر زینت کی کسی چیز یا رزق طیب کو از خود اپنے اوپر حرام کرے وہ خدا کی منشا کے خلاف ہے ۱۲ منہ کافر ہوا اور مرتد ہو گیا ۱۲ منہ مسلمانوں کو کوئی حیرتے سے جاتی رہے تو اس کا رنج ۔ کرو اور کوئی نعمت خدا

لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ الحجرات ع ۲-۱۲

اور (مسلمانو!) نہ تم میں سے ایک کو ایک پیٹھ پیچھے بُرا کہے بھلا تم میں سے کوئی (اس بات کو) گوارا کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے یہ تو (یقیناً) تم کو گوارا نہیں تو غیبت کیوں گوارا ہو کہ یہ بھی ایک قسم کا مُردار کھانا ہے۔ ف۱

آپ سب باتیں جن کی اصلاح آپ مولویوں سے چاہتے ہیں گنوا تو دیجیے۔

(م) مسلمانوں کا حال تو یہ ہے کہ اُونٹ رے اُونٹ تیری کوئی بھی کل سیدھی ان کے سروں سے عقلِ مصلحت اندیش زائل ہو گئی ہے جو راہ چلتے ہیں اوندھی جو بات کرتے ہیں اُلٹی۔ میں مدّت سے ان کی یہ حالت دیکھ رہا ہوں اور بظاہر ان کی شکل و صورت میں کچھ تفاوت نہیں۔ دل و دماغ صحیح ہیں۔ سمجھ بوجھ بھی خاصی ہے۔ آخر بڑے غور کے بعد یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کے مذہبی خیالات فاسد ہیں۔ اور چونکہ ان کی بات بات میں مذہب دخیل ہے۔ مذہبی خیالات کے فساد نے ساری خرابی کر رکھی ہے۔

(۵) دیگر مذاہب اور اصولِ اسلام

(س) اسلام ایک طرف تو مذہب آسان ہونے کا دعوے کرتا ہے جیسا کہ آپ باوضاحت بیان کر چکے ہیں مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ اور دوسری طرف اپنے معتقدوں کو ایسا تنگ پکڑا ہے کہ بات بات میں دخیل ہے دم مارنے کی جگہ نہیں۔

(م) اسلام تو خدا نہ کرے ایسا کیوں سخت گیر ہونے لگا تھا۔ سخت گیر ہے۔ مذہب ہنود جس نے کھانے پینے کے پیچھے دم ناکوں میں کر رکھا ہے۔ سخت گیر ہے یہود کا مذہب کہ وہ اس بارے میں ہندوؤں سے بھی چند قدم آگے ہے۔ سخت گیر ہے عیسائیوں کا مذہب کہ وہ ایک کو تین اور تین کو ایک کہلونے کے درپے ہیں رہا اسلام وہ تو پکارے کہہ رہا ہے وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ اس پر بھی اگر مسلمان مذہب کے بدون ٹکڑا نہ توڑیں تو مسلمان جہاں اور بہتیری مذہبی غلطیاں کر رہے ہیں ان ہی میں کی ایک غلطی یہ بھی ہے۔ اسلام کا اس میں کیا قصور۔

(س) کیا اسلام کی مذہبی کتابوں میں معاملات کا بڑا حصہ نہیں ہے۔ پھر یہ بات بات میں دخل دینا نہیں تو کیا ہے۔

(م) ع بریں عقل و دانش بباید گریست ؛ مرد خدا انسان ایک مخلوق ہے کثیر العلائق اس کو تو تم بھی مانتے ہو کہ ایک امر ہے بدیہی۔ اور کثیر العلائق کو کثیر المعاملات ہونا لازم۔ اسلام کو خدا نے کافۂ انام کا مذہب قرار دیا امن و عافیت قائم کرنے کے

ف۱ اس آیت میں غیبت کو مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے اور وجہ تشبیہ یہ ہیں اول بے خبری کہ جیسے مُردے کو اپنی بوٹیوں کے نوچے جانے کی خبر نہیں ہوتی اسی طرح اس شخص کو جسے پیٹھ پیچھے بُرا کہا جاتا ہے۔ غیبت کی خبر نہیں ہوتی دوسرے جس طرح گوشت خوار نے لاش کی بوٹیاں نوچ نوچ کر کھائیں اسی طرح غیبت کرنے والے نے اپنے بھائی کی عزت کا خون کر دیا یا یوں کہو کہ اس کی عزت کا خون پی لیا۔ فارسی میں غیبت کو در پوستین مردم افتادن کہتے ہیں۔ یہ محاورہ اس تشبیہ سے بہت ہی ملتا ہوا ہے۔

ف یہ آیت ترجمہ سمیت اوپر گزر چکی ۱۲ ۱۵۴ اس کا ترجمہ بھی اوپر لکھ دیا گیا ۱۲ ؛

تو جن جن معاملات کو شارعِ اسلام نے دیکھا کہ ان میں کشمکش کے ہونے کا احتمال ہو یعنی جہاں جہاں معاملات میں پالی مرتا ہو اُن کے بارے میں حکمِ فیصل صادر کر کے کشمکش کی رخنہ بندی کر دی - اور بہت سے معاملات کو اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ[1] فرما کر آدمی کی رائے پر چھوڑ دیا کہ جو مناسب سمجھو کرو - کیا اسی کو تم نے سخت گیری سمجھا - اگر کوئی آدمی اس سے بچنا چاہتا ہے تو اُس کو چاہیئے کہ سرے سے معاملات ہی نہ کرے یعنی زہد اختیار کرے اور ترکِ دنیا کر کے راہبوں میں جا شامل ہو - مگر میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ پورا راہب نہ کوئی ہوا ہی فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا[2] اور نہ ہو سکتا ہی - اور ایک بات میں تم سے اور کہتا ہوں کہ جو مذہب معاملات میں دخل نہ دے میں اُس کو مذہب ہی نہیں سمجھتا اور اگر وہ مذہب ہی بھی تو ایسا مذہب ہی جس سے کوئی مفاد نہیں - جس مذہب نے دنیا ہی کی اصلاح نہ کی وہ ہُوا تو کیا - اور نہ ہُوا تو کیا - تثلیث اور کفّارے کے علاوہ عیسائی مذہب کی ایک یہ بات بھی میرے ذہن میں کھٹکتی ہی کہ یہ لوگ اسی دقیانوسی موسوی شریعت کو لیئے بیٹھے ہیں - اِن کے یہاں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی بنائی ہوئی کوئی شریعت تو ہی نہیں - اُن حضرت نے صاف اعلان کر دیا تھا - کہ میں موسےٰ کی شریعت کو مٹانے نہیں آیا بلکہ اُس کو جمانے اور مستحکم کرنے کے لیئے آیا ہوں - اور زمانے کا رنگ اِس قدر بدل گیا ہی کہ موسوی شریعت کو حالتِ موجودہ سے کچھ مناسبت باقی نہیں رہی - پس عیسوی مذہب بے شریعت کا مذہب ہی - اُس میں چند مُعتقدات کے سوا اور مُعتقدات بھی وہ جن کے سمجھنے سے عقلِ انسان قاصر ہی - از قسم اَمر و نہی متعلقِ معاملات کچھ بھی نہیں - بے شک سچے پیغمبر جو سچے خدا کی طرف سے مبعوث ہوئے ہیں - اُن کی صداقت کی ایک شناخت یہ بھی ہی کہ متاخر متقدم کی تصدیق کرے کیونکہ اگلے پچھلے سب ایک ہی سرکار کے نوکر ہیں - اگر پیغمبروں میں تو تو مَیں مَیں ہونے لگے تو سب کا اعتبار اُٹھ جائے - یہی حال ہم حکّامِ دنیا میں دیکھ رہے ہیں - کہ جو نیا حاکم آتا ہی وہ ادب و تعظیم سے اپنے سے پہلے کا ذکر کرتا ہی - عیسےٰ علیہ السلام نے اپنے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کا یہ ادب کیا کہ اُن کی شریعت کو چھوا تک نہیں - ہمارے پیغمبر صاحب نے نئی شریعت بنائی جس کی دنیا کو بڑی سخت ضرورت تھی - مگر ساتھ ہی انبیائے متقدمین کی تصدیق بھی کی -

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ	(اے پیغمبر) اُسی خدا نے تم پر یہ کتاب برحق اُتاری جو اُن (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرتی ہی جو اِس سے پہلے (نازل ہو چکی) ہیں اور اُسی نے (اِس سے) پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیئے تورات

[1] یہ ایک بڑی حدیث کا آخری ٹکڑا ہی جو کتبِ صحاح میں موجود ہی پوری حدیث کا خلاصہ یہ ہی کہ مدینے کے اکثر باشندے باغات کی پرورش کیا کرتے تھے کہ یہی اُن کی وجہ معاش تھی باغات میں زیادہ تر کھجوروں کے درخت تھے اور یہ لوگ پھلوں کے کثیر ہونے کی غرض سے درختوں میں پیوند کا عمل بہت کیا کرتے تھے یعنی نر درخت کی شاخ کا مادہ درخت کی شاخ میں پیوند لگایا کرتے تھے اور اِس عمل سے درخت کثرت کے ساتھ پھل دیتے بھی تھے پیغمبر صاحب مدینے تشریف لے گئے تو اُن کا یہ عمل دیکھ کر فرمایا کہ اگر ایسا نہ کرو تو بھی شاید درختوں میں ویسے ہی پھل لگیں لوگوں نے آپکے ارشاد کی موافقت کی اور پیوند لگانے کا عمل چھوڑ دیا اتفاق سے اُس سال درختوں نے اُتنے پھل نہیں دیئے جتنے کہ وہ پہلے دیتے تھے لوگوں نے آپ سے شکایت کی اس پر آپنے فرمایا کہ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ یعنی دینی اُمور میں میرے حکم کی متابعت بے شک ضروری ہی مگر دنیاوی اُمور میں مجبور نہیں کیونکہ دنیاوی اُمور سے تم خوب واقف ہو ۱۲ منہ

[2] اس کا ترجمہ ابھی گزر چکا ہی وہاں دیکھو ۱۲

وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ - (آل عمران ع ۱)

اور انجیل اُتاری اور اُسی نے (اور چیزوں کو بھی) نازل کیا (جن سے حق و باطل کا) فرق ظاہر ہوتا ہے ف۱

ظاہراً وضعِ شریعت جدید اور تصدیق میں منافاۃ معلوم ہوتی ہے - مگر نہیں - تصدیق کے معنی یہ ہیں کہ وہ شریعت بھی خدا کی شریعت تھی - لیکن دنیا کی حالت کے بدل جانے سے خدا نے اب یہ نئی شریعت مناسبِ حالت جاری کی جس کے جاری کرنے پر میں مامور ہوا ہوں - خدائی شریعت ہونے میں اگلی پچھلی شریعتیں سب برابر ہیں مگر ع ہر سخن وقتے وہر نکتہ مکانے دارد + حکامِ دنیا کے قوانین میں آئے دن ترمیم و اصلاح ہوتی رہتی ہے - با ایں ہمہ ناسخ و منسوخ دونوں متقنّنِ جائز کے بنائے ہوئے اور اپنے اپنے وقت میں واجب التعمیل ہوتے ہیں

(س ۱۵۱) نسخ کی تو آپ نے خوب دل کو لگتی ہوئی توجیہ کی - مگر یہ تو فرمائیے کہ دنیا تو ہمیشہ تغیرات کا اکھاڑا رہی ہے - اور رہے گی - اور ہمارے پیغمبر صاحب ہیں خاتم النبیین تو اُن کی شریعت بھی خاتم الشرائع ہوگی - اِس صورت میں دنیا کا کام کیسے چلے گا -

(ج ۱۵۲) بات یہ ہے کہ شریعتِ محمدیہ نے انسانی فطرت کے تمام پہلوؤں پر احاطہ کر لیا ہے - اور خدا نے جو انسان اور اُس کی فطرت کا خالق ہے اپنے علم سے اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ - ع تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں + جا بجا قرآن میں اُس فطرت کو بیان بھی فرما دیا ہے مثلاً -

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۙ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۙ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۙ (المعارج ع ۱)

بے شک آدمی بڑا ہی تھڑ دِلا پیدا کیا گیا ہے کہ جب اُس کو (کسی طرح کا) نقصان پہنچتا ہے تو گھبرا اُٹھتا ہے اور جب اُس کو (کسی طرح کا) فائدہ پہنچتا ہے تو بخل کرنے لگتا ہے -

اور وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۙ (بنی اسرائیل ع ۹)

اور انسان تمام مخلوقات سے زیادہ جھگڑالو ہے -

اور بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۙ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۙ (القیامہ ع ۱)

بلکہ خود انسان اپنے مقابلے میں حجت ہے گو وہ (اپنے تئیں بے قصور ثابت کرنے کے لیے کتنے ہی) بہانے پیش کیا کرے ف۲

اور وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۙ (بنی اسرائیل ع ۲)

اور آدمی جس طرح (اپنے حق میں) بہتری کی دعا مانگتا ہے اُسی طرح (رنجیدہ ہو کر کبھی) بُرائی کی بھی دعا مانگنے لگتا ہے ف۳

ف۱ فرقان کے لفظی معنی فرق کے ہیں اور اصلی مطلب وہی ہے جو ہم نے ترجمے میں اختیار کیا ہے - اب رہی یہ بات کہ وہ کیا چیز ہے - بعض کہتے ہیں معجزات بعض کہتے ہیں عقلِ سلیم - بعض کہتے ہیں دوسرے پیغمبروں کے صحیفے - بعض کہتے ہیں قرآن جس کا تذکرہ تاکید کے طور پر دوسرے لفظوں میں مکرر فرما دیا ہے ۱۲ ف۲ مطلب یہ ہے کہ خدا نے انسان کے دل کو اسی طرح کا بنایا ہے کہ وہ نیک و بد میں تمیز کرتا ہے - چنانچہ ایک جگہ فرمایا ہے فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا اگر وہ بدی کی طرف رغبت ہوتا ہے تو یہ اُس کے اپنے ارادے کی کمزوری ہے اور وہ الزام سے بری نہیں ہو سکتا اپنے مقابلے میں حجت ہونے کے یہ معنی ہیں یا یہ معنی ہیں کہ اُس کے اعضا اُس کے مقابلے میں گواہی دیں گے گو وہ کتنے ہی بہانے بنایا کرے ۱۲

ف۳ اپنے حق میں دعائے بد کرنے کے دو پہلو ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ آدمی کو علمِ غیب تو ہے نہیں گیا بسا اوقات وہ ایک مطلب کو غلط فہمی سے اپنے حق میں

۴۷۵ بھلا (ہو سکتا ہے کہ خدا) جو پیدا کرے سو (وہی اپنی مخلوقات کے حال سے) ناواقف ہو حالانکہ وہ (بڑا) باریک بین (اور) باخبر ہے ۱۲

اور اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۞ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۞ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۞ (العادیات)

بے شک انسان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے اور وہ اس (بات) کو (خود بھی) خوب جانتا ہے اور وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔

اور وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا (یونس ع ۳)

اور جب لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد ہم (ان کی تکلیف کو دور کرکے اپنی) مہربانی کا ذائقہ چکھاتے ہیں تو بس ہماری آیتوں (کی مخالفت) میں کارسازیاں کرچلتے ہیں۔

اور حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِى الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (یونس ع ۳)

یہاں تک کہ بعض اوقات تم لوگ کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ لوگوں کو باد موافق کی مدد سے لے کر چلتی ہیں۔ اور لوگ اُن (کی رفتار) سے خوش ہوتے ہیں (ناگاہ) کشتی کو ایک ہوا کا جھوکا آ لگتا ہے اور لہریں (ہیں کہ) ہر طرف سے اُن پر (چڑھی چلی) آرہی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ (بُرے) آگھرے تو بس خالص خدا ہی کو مان کر اُس سے دُعائیں مانگنے لگتے ہیں۔

اور اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۞ (الاحزاب ع ۹)

اس میں شک نہیں کہ آدمی (اپنے حق میں) بڑا ہی ظالم (تھا اور ظالم ہونے کے علاوہ) بڑا ہی نادان (بھی) تھا۔

اور وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۞ (بنی اسرائیل ع ۱۱)

اور انسان بڑا ہی تنگ دل ہے۔

اور اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۞ (الدھر ع ۲)

پھر ہم نے اُس کو (یعنی آدمی کو دین کا) رستہ (بھی) دکھایا (پھر اب دو قسم کے آدمی ہیں) یا تو شکر گزار ہیں (یعنی مسلمان) یا ناشکر (یعنی کافر)۔

(بقیہ فائدہ صفحہ ۱۵۹) مفید سمجھ کر خدا سے اُس کی خواستگاری کرتا ہے اور حقیقت میں وہ اُس کے حق میں مضر ہے مثلاً ایک لاولد خدا سے فرزند کے لیے دعا کرتا ہے اور وہ بڑا ہو کر ایسا نالائق ثابت ہو کہ خاندان کی دولت اور آبرو کو تباہ کرے۔ دوسرا پہلو وہ ہے کہ پیغمبر صاحب کافروں کو عذاب خدا سے ڈراتے تھے اور کافر جھوٹ سمجھ کر اُس کے لیے جلدی چاہتے تھے وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِى السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ (بنی اسرائیل ع ۱۰) اور وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (انفال ع ۴) اور وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ (ص ع ۲) اور اس طرح کی آیتیں قرآن میں تقریباً ہر پیغمبر کے بیان میں ہیں ۱۲

بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ (القیامۃ ع ۱)

مگر تم (بنی آدم کچھ ہو ہی جلد باز اور اسی لیے) دنیا کو (جو سر دست موجود ہے) دوست رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ۝ (بنی اسرائیل ع ۲۹)

اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو اُلٹا ہم سے منہ پھیرتا اور پہلو تہی کرتا ہے اور جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو آس توڑ بیٹھتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ فطرت مختلف افراد سے مختلف اوقات میں مختلف طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ شارع نے مثال کے طور پر کوئی جزئی صورت لے کر اس کی نسبت فرما دیا کہ ایسی صورت میں یوں کرنا چاہیے۔ پس نہ فطرت کا اسی صورت میں انحصار ہے نہ حکم کا۔ اس کی توضیح کے لیے میں ایک مثال دیتا ہوں کہ چوری کی سزا چور کا ہاتھ کاٹ ڈالنا ہے۔

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (المائدۃ ع ۶)

اور (مسلمانو!) مرد چوری کرے تو اور عورت چوری کرے تو ان کے (اس) کرتوت کے بدلے میں (بلا امتیاز) دونوں کے (دہنے) ہاتھ کاٹ ڈالو (یہ) تعزیر (اُن کے حق میں) خدا (کی طرف) سے (قرار پائی) ہے اور اللہ زبردست (اور انتظامی مصلحتوں سے) واقف ہے ف

اور مالِ مسروقہ کی مقدار کی کچھ صراحت نہیں جیسی چوری راکھ کی ویسی چوری لاکھ کی۔ تو یہ حکم ویسا ہی ہوا جیسے سُوئی کے چور کو سُولی۔ شارع کا مقصود اصلی تو یہ ہے کہ چوری سے امن و عافیت خلائق میں خلل آتا ہے اس کا انسداد ہو۔ سزا کی سختی اور نرمی موقوف ہے ایک طرف مالِ مسروقہ کی مقدار پر اور دوسری طرف چور کی حالت پر تھوڑی سی چوری۔ بعض صورتوں میں مسروق منہ کو شاید زیادہ تکلیف دہ نہ ہو۔ اور بڑی چوری ممکن ہے کہ مسروق منہ کو تباہ و برباد کر دے۔ اسی طرح بعض چور ایسے ہوں گے جو مجرد انکشافِ جرم اور فضیحت سے ڈر کر آگے کو توبہ کریں۔ اور بعض کو شاید چوری کا ایسا لپکا پڑا ہوگا۔ کہ بے ہاتھ کاٹے کسی طرح باز آنے والا نہیں ایک وقت تھا جس کو چالیس برس سے زیادہ ہی عرصہ ہوا ہوگا۔ کہ میں گورکھپور میں ڈپٹی کلکٹر تھا اور ایک جنگلی علاقے کی فوجداری بھی مجھ کو سپرد تھی وہاں کے باشندے گونڈ بھیل ڈوم۔ دھیڑ کی قسم کے لوگ تھے بالکل وحشی دُزدیٔ مویشیاں میں چالان ہو کر آتے تو زمین میں نچھے جاتے تھے کہ ہم پر دیا کر و قید مت ڈالو بید مار کر چھوڑ دو۔ اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ بید کھا کر ننگا دھڑنگا ڈنڈوت کرتا ہوا سامنے آ کھڑا ہوا۔ اور پھر ہرن کی طرح چوکڑی بھرتا ہوا یہ جا وہ جا۔ ایک جابر سخت گیر ظالم سکھ رئیس کی نسبت سُنا ہے کہ انگریزی عمل سے پہلے اس کے علاقے میں کہیں چوری ہوتی تو وہ چور کے رشتے داروں تک کی ناکیں کٹوا دیتا بس یا تو چوری ہی نہیں ہوتی تھی یا ہوتی ہوگی تو کسی کو اطلاع نہیں ہونے پاتی تھی۔ عجب نہیں نزولِ قرآن کے وقت عرب کے چور ایسے ہی سخت ہوتے ہوں گے۔ کہ بے ہاتھ کاٹے نہ مانتے ہوں گے۔ پھر جیسے جیسے تہذیب اور شائستگی کے ساتھ لوگوں میں غیرت اور حمیت آتی گئی۔ عالموں نے کہ وہی اُن دنوں دیوانی اور فوجداری کے حاکم ہوتے تھے

ف دہنے ہاتھ کی قید جو ہم نے بڑھائی ہے وہ احادیث سے لی ہے ۱۲ +

شارع کی اصلی غرض کا خیال کر کے دس درم سے کم میں قطعِ ید کو جائز نہیں رکھا - اور آبرودار چور کو یہ سزا دی کہ اُس کو مُنہ ذرد (؟) تشہیر کیا - عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ محمدی شریعت کا قانون صرف قرآن ہے - یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے مگر عملاً تین چیزیں اُس کا ضمیمہ قرار پا گئی ہیں سُنّت - قیاس - اجماعِ اُمّت اس لئے کہ بے اِن کی مدد کے فصلِ خصومات کا کام چل نہیں سکتا - مگر پھر بھی قرآن شریعتِ محمّدیہ کا اصلِ قانون ہی جامع - سُنّت کے معنی ہیں پیغمبر صاحب کا قول اور فعل یا کسی اور کا جو پیغمبر صاحب کی موجودگی میں ہوا اور پیغمبر صاحب نے اُس کو جائز رکھا - تو سنّت کو قرآن سے وہی نسبت ہے جو مثلاً ضابطۂ فوجداری کو قانونِ مجموعۂ تعزیراتِ ہند سے - یعنی سنّت کی کوئی بات خلافِ قرآن مقبول نہیں - پس سنّت کی حدود میں کیا رہا قرآن کی تفسیر و توضیح - مثلاً قرآن مطلق نماز کا حکم دیتا ہے - سُنّت بتاتی ہے تعداد رکعات - تسبیح جو رکوع و سجود میں کہی جاتی ہے - قراءۃ - قعدہ - یا مثلاً قرآن مطلق زکوٰۃ کا حکم دیتا ہے - سُنّت نصاب اور حولِ کامل کی تعیین کرتی ہے - اِس صورت میں قرآن ہی اصل قانون رہا - بعض صورتیں ایسی بھی پیش آ سکتی ہیں - کہ نہ قرآن میں مذکور ہیں نہ سنّت میں تو قرآن میں ویسی ہی صورت تلاش کرنی پڑتی ہے اور اس کے قیاس پر بمتابعتِ قرآن و حدیث حکم دیا جاتا ہے اور یہ کام ہے مجتہد یعنی عالم راسخ فی العلم کا جو اس زمانے میں عنقا صفت معدوم ہے تو سوائے اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ اور کیا ہو سکتا ہے - اور جہاں قیاس کو بھی مساغ نہ ہو آخری درجہ ہے اجماعِ اُمّت کا سو اُمّتِ محمّدؐ اس قدر منتشر ہے کہ اجماع صورت پذیر ہو نہیں سکتا - اور یہاں بھی اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ کی رُو سے وہی اِسْتَفْتِ قلبك راہ نمائی کر سکتا ہے اور جب قرآن اور حدیث نے آدمی کے معتقدات اور خیالات کی اصلاح کر دی - بس اسوے (؟) اُمّید کی جا سکتی ہے کہ اس کا دل اس کو راہِ حق ہی دکھائے گا - غرض قرآن باوجودے کہ اِس میں نہ کمی بیشی کی ضرورت ہے اور نہ ہو سکتی ہے اپنی موجودہ حالت میں بانضمامِ سنّت و قیاس وَاسْتَفْتِ قَلْبَكَ کہ اِن کا ماخذ بھی وہی قرآن ہے ساری دنیا میں امن و عافیت قائم کرنے کے لیے جو مذہب کی اصلی غایت و غرض ہے بخوبی کفایت کرتا ہے - مَیں نے اسلام کی شروع سے اَب تک کی حالت کو جہاں تک مجھ سے ہو سکا بغور دیکھا اور سوچا اور اَب بھی اس فکر سے غافل نہیں ہوں - مَیں جس نتیجے پر پہنچا ہوں وہ یہی ہے کہ قرآن ہی میں مُسلمانوں کی ترقّی اور اُن کے عُروج کا راز مُستتر ہے اور یہ کہ قرآن میں اَب بھی وہی طاقت ہے جو نزول کے وقت تھی اور وہ طاقت اس کو لازم ہے اس سے منفک نہیں ہو سکتی - مُسلمان لاکھ گر گئے ہیں مگر اَب بھی ایسے ضعیف نہیں جیسے شروع کے مُسلمان پیغمبر صاحب کی ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بھی چند سال بعد تک تھے - جہاں تک دیکھا جاتا ہے وہ قرآن کے بَل بُوتے پر کھڑے ہوئے اور اُنھوں نے[1]

لمؤلفہ

مُلک پہ سلطنتیں زیر کیں + خیر سے کتنی صدیاں تیر کیں

جب تک قرآن کا سہارا پکڑے رہے فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا دنیا اور دین دونوں میں سُرخ رُو

---

[1] پوری آیۃ اس طرح ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ دین میں زبردستی (کا کچھ کام نہیں) ف گمراہی سے ہدایت (الگ) ظاہر ہو چکی ہے تو جو جھوٹے معبودوں کو نہ مانے اور اللہ (ہی) پر ایمان لائے تو اُس نے مضبوط رسّی پکڑ رکھی ہے جو ٹوٹنے والی نہیں (اور اُس کا بیڑا پار ہے) اور اللہ (سب کی) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے ۱۲ (فائدہ بر صفحہ ۱۶۳ دیکھو)

جب تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (آل عمران ع ۱۴) یہ اتفاقاتِ وقت ہیں جو ہمارے حکم سے نوبت بہ نوبت (سب) لوگوں کو پیش آتے رہتے ہیں ف

کی نوبت آنے کو ہوئی تو مسلمانوں نے پہلے اِس سہارے کو ڈھیلا چھوڑنا شروع کیا یہاں تک کہ نَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ ہونے لگا اور گوری کا جوبن چٹکیوں میں اُڑ گیا۔ اسی کی شکایت تو مجھ کو مولویوں سے ہے۔

(ش) کیا خوب۔ کرے مونچھوں والا اور پکڑا جائے ڈاڑھی والا۔ مسلمان بگڑیں آپ مولویوں کے سر الزام۔

(م) اس لیے کہ بندوں اور خدا کے درمیان میں ایلچی ہیں۔ مقتضاے وقت پر تو نظر کرتے نہیں۔ خدا کہتا ہے کچھ اور یہ بندوں کو سمجھاتے ہیں کچھ۔

(ش) آپ مولویوں کی مخالفت میں حد سے بڑھ چلے ہیں۔ میں نے تو کسی مولوی کو قرآن و حدیث کی سند کے بدون نہ تو وعظ کہتے سنا اور نہ فتویٰ دیتے دیکھا۔

(م) یہ سچ ہے مگر تم نے قرآن کی حقیقت ہی کو نہیں سمجھا۔ میں ایک مثال سے اس کی توضیح کرتا ہوں کہ انسان جسم و روح دو چیزوں سے مرکب ہے اگرچہ ترکیب کی ماہیت معلوم نہیں لیکن انسان میں دو چیزوں کا ہونا معلوم ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ دونوں کے لیے بیماریاں اور بیماریوں کے علاج ہیں۔ جسمانی بیماریوں کے لیے طب کی کتابیں ہیں جو ڈاکٹر اور وید اور طبیب لیے بیٹھے ہیں۔ اور روحانی بیماریوں کے لیے مذہبی کتابیں ہیں جیسے ہم مسلمانوں میں قرآن اور کتبِ احادیث و فقہ۔ جس طرح طب جسمانی کا مقصد ہے جسم کا اعتدال کی حالت پر رکھنا اِسی طرح طب روحانی یعنی مذہب کا مقصود ہے۔ انسان کے خیالات کا درست رکھنا۔ جسم کو اعتدال پر قائم رکھنے کے لیے جو خلط مقدارِ مناسب سے بڑھ گئی ہے اُس کو مسہل اور فصد اور تنقیے سے گھٹایا جاتا ہے اور گھٹ گئی ہے تو اُس کو ادویۂ مقویہ کے ذریعے سے بڑھایا جاتا ہے۔ اس لیے طب کی کتابوں میں مُضعِف اور مُقوِّی دونوں طرح کے نسخے ملیں گے۔ اب یہ طبیب کا کام ہے کہ تشخیص کر کے مریض کو مُضعِف دوا دے یا مقوی۔ علیٰ ہذا القیاس قرآن

وَالَّذِيْنَ إِذَآ أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ (الشوریٰ ع ۴) اور جو ایسے (غیرت مند) ہیں کہ جب اُن پر (کسی طرف سے) بے جا زیادتی ہوتی ہے تو وہ (وہی) بدلہ لے لیتے ہیں۔

اور جَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ ع ۴) بُرائی کا بدلہ ہے ویسی ہی بُرائی۔

بھی فرماتا ہے اور

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ (الاعراف ع ۲۴) (اے پیغمبر درگزر (کا شیوہ) اختیار کرو اور (لوگوں سے) نیک کام (کرنے) کو کہو اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو۔

اور فَاعْفُ عَنْهُمْ (تو اے پیغمبر) تم اِن کے قصور معاف کرو

(فائدہ متعلقہ صفحہ ۱٦۲) ف خدا تو کھلے لفظوں میں ارشاد فرماتا ہے کہ دین میں زبردستی نہیں اور لوگ ہیں کہ ناحق اسلام پر تہمت لگاتے ہیں کہ بزور شمشیر پھیلایا گیا اگر کسی بادشاہ نے دین کو ملک گیری کا حیلہ بنا کر ایسا کیا بھی ہو تو دین پر کیا الزام ۱۲

ف یعنی فتح و شکست دن کی چھتی پھرتی چھاؤں ہے کبھی کسی پر کبھی کسی پر ۱۲

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران ع ۱۷) — اور خدا سے بھی ان کے گناہوں کی مغفرت چاہو اور معاملات (صلح و جنگ میں (بدستور سابق) ان کو شریک مشورہ کیا کرو ف۱

بھی فرماتا ہے - لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرۃ ع ۲۵) — (حج کے شمول میں) تم اپنے پروردگار کا فضل (مثلاً تجارت سے کوئی مالی فائدہ) حاصل کرنا چاہو تو (اس میں تم پر) کچھ گناہ نہیں

اور فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (الجمعہ ع ۲) — پھر جب نماز ہو چکے تو تم کو اختیار ہے کہ اپنی اپنی راہ لو اور خدا کے فضل (یعنی معاش) کی جستجو میں لگ جاؤ ف۲

اور قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ

اور وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ (الفتح ع ۳) — اور (مسلمانو!) اللہ تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرما چکا ہے کہ تم ان پر قابض ہو گے تو یہ (خیبر کی غنیمت) تم کو سر دست دلوادی اور (صلح حدیبیہ کی وجہ سے عرب کے) لوگوں کے دست (تعدی) کو تم سے روکا (سوا گ) ف۳

اور لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ (النساء ع ۵) — اور خدا نے جو تم میں سے ایک دوسرے پر برتری دے رکھی ہے اس کا کچھ ارمان نہ کرو ف۴

اور لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ (طہ ع ۸) بھی فرماتا ہے — (اے پیغمبر) ہم نے جو مختلف قسم کے لوگوں کو دنیاوی زندگی کی رونق کے ساز و سامان استعمال کے لیے دے رکھے ہیں کہ ان کو ان کے حال میں آزمائیں تم اپنی نظر ان پر نہ دوڑانا۔

مقوّی اور مضعّف طلب اور زہد دونوں طرح کے نسخے موجود ہیں۔ مولوی تشخیص کریں کہ اس عہد کے مسلمانوں کو طلب دنیا سکھائیں یا زہد میرے نزدیک مولویوں کی تعلیم اُس جاہل طبیب کی تشخیص کی طرح آخر کار مُہلک ہے جس کی ہجو میں شیخ اسود لکھتا ہے ف۵

ف۱ اس آیت میں جنگ اُحد کا مذکور ہے اور لوگوں سے مراد منافق ۱۲

ف۲ اس آیت میں نماز سے نماز جمعہ مراد ہے اور اوپر سے نماز جمعہ ہی کا ذکر چلا آتا ہے ۱۲

ف۳ یہ آیت مع ترجمے کے اوپر گزر چکی ۱۲ ف۴ فتح خیبر اور صلح حدیبیہ کے واقعات کسی قدر تفصیل کے ساتھ اوپر لکھے جا چکے ہیں وہاں ملاحظہ ہو اور مزید تفصیل کی ضرورت ہو تو الحقوق والفرائض کو دیکھو ۱۲ ف۵ عورتوں کو خدا نے اس طرح کا پیدا کیا ہے کہ یا تو دنیا اُن سے دین کے کاموں میں بھی مردوں کی برابری نہیں ہو سکتی۔ خلقی کمزوری کی وجہ سے وہ جہاد کے قابل نہیں۔ اُن کو بچے جننے ہیں بچوں کو دودھ پلانا۔ پالنا۔ پرورش کرنا ہے ایک وقت خاص تک اُن کو روزے اور نماز سے بھی محروم رہنا پڑتا ہے ان باتوں پر نظر کر کے عورتوں کو خیال آتا ہوگا کہ ہائے ہم مرد کیوں نہ ہوئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو سمجھا دیا کہ مردوں کی نیکیاں مردوں کے ساتھ ہیں عورتوں کی عورتوں کے ساتھ ۱۲

چھٹتے ہی اِک شخص کی دیکھی جو نبض | کہنے لگا تجکو بشدّت ہے قبض
کچھ نہیں کرنے کا بجز اس کے سُود | لکھ دیا یہ کہہ کے سفوفِ یہود
اُور غذا اُس کو یہ بتلائی دوست | ماش کی روٹی سے تو کھا ساگِ پوست
صاحبِ پیچش کو بتایا کٹوّل | واسطے ہیضے کے لکھا اسپغول
کہہ دیا مجنون کو شیرِ شتر | کہہ دیا مُستسقی کو جا فصد کر
پُوچھا جو اُن سے کہ غذا کیا کہی تو | ساتھ گلتھی کے کہا کھا دہی
کہنے لگا دیکھ کے ایک اَور کو | زخم کو دُنبل کے کرانا رفو
بیٹھ کے پھر پاس وہ اِک ڈولی کے | نبض کہا دیکھوں ہیں لا ہاتھ دے
دیکھ چکا نبض کو جب بے تمیز | خادمہ سے اُس کی کہا اے کنیز
دردِ کمر اس کو ہی یا دردِ سر | پر مجھے نقرس کا ہے ڈر بیشتر
کرکے پھر آخر کو معتبر صرع | کہنے لگا۔ دوا ہے ماء القرع
اور جو کھانے کی سنے اس کو لو | کچھ نہ اسے دو بجز آش جو
کہنے لگی سُن کے یہ کیا قہر ہی | واسطے اس کے یہ دوا زہر ہے
لقوہ و فالج ہی اِسے پیر زال | کرتے ہو کیوں قتل کا اس کے خیال
اِن سے کہا تو نے نہ اے زشت رُو | دیکھا سدیدی کو نہ قانون کو
ساتھ حکیموں کے تو اے بے تمیز | بختی ہی پانچ روپئے کی کنیز

(تتمّہ) مانا کہ تعلیم زہد بانگِ بے ہنگام ہی مگر مولوی اپنی جگہ شاکی ہیں کہ لوگوں میں اُن کی اگلی سی وقعت ہی باقی نہیں ہمارے محلے کے امام صاحب کہتے تھے کہ اِسی مسجد میں فلاں مولوی صاحب جمعے کے جمعے مدّتوں سے وعظ کہا کرتے تھے تو غدر سے پہلے تل دھرنے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ خو بخود کمی ہوتے ہوتے یہ حال ہوا کہ مولوی صاحب نے کہیں پہاڑ گنج کی مسجد میں وعظ کہنا شروع کر دیا کہ یہاں دو چار آدمیوں کے سیے کیا منبر خالی کروں۔

(تتمّہ) مولوی صاحب سے کہنا چاہیے کہ ع اے صبا این ہمہ آوردہٴ تست ✦ پہاڑ گنج کیا کہیں بھی جائیں یہی کچھ ہونا ہی۔ اس لیے کہ مولوی صاحب معاملاتِ دنیا کا تذکرہ کرتے ہوتے تو اسلامی تعلیم کی منفعت عاجلاً مترتب ہوتی ہوئی دکھائی دیتی۔ لوگ خواہی نخواہی راغب ہوتے اَب مولوی صاحب کی تعلیم میں کچھ اوراد ہیں جو طوطے کی طرح بے سمجھے بڑبڑائے جاتے ہیں الجرع برات عاشقاں بر شاخِ آہو ✦ یا نوافل ہیں سہ

شبے چو عقدِ نماز بر بندم | چہ خورد بامداد فرزندم

اللہ اللہ خیر صلّا۔ درس و تدریس اور پند و نصیحت کے علاوہ تعلیم کا ایک طریقہ یہ بھی ہی کہ معلّم جس طرح کا شاگردوں کو بنانا چاہتا ہی آپ ویسا ہی بن کر اپنے تئیں نمونے کے طور پر شاگردوں کے روبرو پیش کرے سو مولویوں کی یہ تعلیم درس تدریس

اور پند و نصیحت کی تعلیم سے بھی بدتر ہے۔ مولویوں کے حال کی تفتیش کی جائے تو اُس سے دو طرح کے سبق سیکھے جا سکتے ہیں
اوّل ریاکاری اور دوسرے کاہلی۔ کیونکر فلاح پا سکتی ہے وہ قوم جس کے پیشوا جس کے صلاح کار ایسے ہوں۔

(سش ۱۵۲) مولویوں کی مذمت میں اِس سے زیادہ سُننی نہیں چاہتا۔ میری روح کو تکلیف ہوتی ہے۔

(دھم ۱۵۳) جتنی تکلیف تم کو سُننے سے ہوتی ہے اس سے اضعافاً مضاعفۃ مجکو کہنے سے ہوتی ہے مگر کیا کیا جائے اپنا گھٹنا کھولنا اور آپ ہی لاجوں مرنا ہے۔ قوم کو دیکھیں یا مولویوں کو ❊

مسلمانوں کی (۱۰) اصلاحِ حالت

(سش ۱۵۴) خیر مولویوں کو تو رکھیے بالائے طاق یہ فرمایئے کہ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے کہ مسلمان بھی رہیں اور اُن کی دنیاوی حالت بھی درست ہو۔

(دھم ۱۵۵) اِس کے سوائے کوئی اَور تدبیر تو میری سمجھ میں آتی نہیں کہ فہمِ مطلب کے ساتھ قرآن کا وِرد رکھیں۔ سب سے بہتر تو یہ ہے کہ عربی میں قرآن کے سمجھنے کی استعداد بہم پونہچائیں کہ فہمِ مطلب کے ساتھ عربی دانی کی وجہ سے یہ یقین بھی ہوتا جائے گا کہ یہ ضرور خدا کا کلام ہے میں کچھ یوں ہی تھوڑی سی عربی جانتا ہوں مگر اِس تھوڑی سی عربی دانی پر بھی مجھے اِس کا پورا اذعان ہے کہ دوسرے کی تو کیا مجال ہے خود پیغمبر صاحب جو اپنی نسبت اَنَا اَفْصَحُ مَنْ نَطَقَ بِالضَّادِ[1] فرمایا کرتے تھے (اور وہ تھے بھی) اپنی طرف سے ایسا کلام کرنے پر قادر نہ تھے۔ سِیَر کی کتابوں میں اِن کے مواعظ ہیں۔ خُطَب ہیں۔ خطوط ہیں۔ فرمان ہیں۔ قرآن سے کسی کی عبارت لگا نہیں کھاتی۔ یہ معجزہ نہیں تو کیا ہے۔ عربی نہ سہی کوئی شخص کبھی کسی زبان کا ایسا ماہر ہوا ہے کہ دو ممتاز طرزوں میں کلام کرے۔ نقل تو جس طرز کی چاہو کر لو مگر قرآن کی طرز تو سارے جزیرۂ عرب میں کہیں مُروّج بھی نہ تھی۔ کہ قرآن نے اُس کی نقل اُتار لی ہو مگر خیر اِس کو تو وہی یقین کر سکتا ہے جو فصیح اور غیر فصیح عربی میں تمیز کر سکتا ہے۔ لیکن ہندی نژاد کو تو کسی طرح یہ بات نصیب ہو نہیں سکتی پس اُس کو مطلب پر قناعت کرنی چاہیئے۔ کہ الفاظِ قرآن معجز ہیں سو ہیں مطالبِ قرآن بھی بجائے خود معجز ہیں۔ کہ ایسی تعلیم خدا کے سوائے کوئی دے نہیں سکتا۔ جس طرح اُس قادرِ علے الاطلاق نے وجودِ انسان میں جسمِ کثیف اور روحِ لطیف کو اور باد و خاک و آب و آتش عناصرِ متضاد الطبع کو اپنی حکمتِ کاملہ سے ایک جگہ میں جمع کر کے دکھا دیا۔ اسی طرح فانی یعنی دنیا اور باقی یعنی آخرت کو دینِ فطرت میں جمع کر دیا۔ دینِ فطرۃ یعنی اسلام کے دینِ الٰہی ہونے کی اِس سے بڑھ کر اَور کیا دلیل ہو سکتی ہے

(سش ۱۵۶) اِس کی تو ہند کے مسلمانوں سے توقع نہ رکھیئے۔ کہ وہ الفاظِ قرآن سے مطالب کے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ اوّل تو عربی پڑھتے ہی کتنے ہیں اور پھر جو پڑھتے بھی ہیں اُن میں کتنے الفاظِ قرآن سے مطلب کے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں پس عربی خوانی کا تو نام نہ لیجیئے۔

(دھم ۱۵۷) اچھا تو ترجمہ۔

(سش ۱۵۸) ہندوستان میں کتنی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ سب زبانوں میں قرآن کا ترجمہ بھی نہیں ہوا۔

(دھم ۱۵۹) اِسی سے اندازہ کر سکتے ہو کہ بے چوڑے زبانی جوش و خروش کے سوائے اِن کے دلوں میں کہاں تک دین کا درد

[1] جو لوگ حرف ضاد بولتے ہیں یعنی عرب ہیں ان سب میں فصیح تر ہوں۔ ... [illegible]

ایک عیسائی ہیں کہ دنیا کی کوئی زبان تو چھوڑی نہیں جس میں انجیل کا ترجمہ نہ ہوا ہو۔ نہ ہوا ہو نہیں بلکہ نہ چھپا ہو۔ مگر خیر ہندوستان میں کتنی ہی زبانیں بولی جاتی ہوں ایک اُردو زبان ایسی ہے جو چار دانگ ہندوستان میں بولی نہیں جاتی تو سمجھی تو ضرور جاتی ہے اور اُردو میں ایک چھوڑ کئی کئی ترجمے موجود ہیں۔ اور کثرت سے چھپتے بھی ہیں مگر پڑھے کم جاتے ہیں اکثر تعویذ کے طور پر آسیب اور نظر بد اور وبا کے دفع کے لئے جز دان میں تہ کر کے گھروں میں رکھ چھوڑتے ہیں یہ سارے بے اصل اور لغو اوہام جو منجر بہ کفر و شرک ہو سکتے ہیں مستفرع ہیں اسی مطلب قرآن کی ناواقفیت پر جو عام طور پر مسلمانوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ ورنہ قرآن کی نسبت تو خود قرآن میں لکھا ہوا موجود ہے

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا ۚ (الرعد ع ۴)

اور اگر کوئی قرآن (ایسا بھی نازل ہوا) ہوتا جس (کی برکت) سے پہاڑ چلنے لگتے یا اُس (کی برکت) سے زمین (کی مسافت آسانی) طے کی جا سکتی یا اُس (کی برکت) سے مُردوں کے ساتھ گفتگو ہو سکتی (تو بس قرآن میں بھی یہ کرامت ہوتی) ۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ سارا اختیار اللہ ہی کو ہے۔

بھلا جن لوگوں کے ایسے خیالات ہوں وہ تدابیر حفظانِ صحت عمل میں لائیں کیا خاک۔

(س) قرآن کی نسبت جہاں وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ الخ ہے وہاں۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ[۱] وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (بنی اسرائیل ع ۹)

اور ہم قرآن میں ایسی ایسی باتیں اُتارتے ہیں جو ایمان والوں کے لیے (امراضِ روحانی کا) علاج اور موجب رحمت ہیں۔

(م) اب تو تم نے گفتگو کی شان بدل دی ہے۔ استفادۃً پوچھتے پوچھتے لگے بحث کرنے جس سے مجھ کو طبعی نفرت ہے۔

(س) مولویوں کی نسبت تو آپ فرماتے ہیں کہ اُن کے پاس تک جا کر نہ پھٹکو۔ آپ سے پوچھتے ہیں۔ تو آپ بھی ناخوش ہوتے ہیں۔ تو مجھ جیسے کم سواد آدمی کو کوئی شبہہ ہو تو کس کی طرف رجوع کرے۔ اِسی سے تو جو لوگ قرآن کا اُردو ترجمہ پڑھ بھی سکتے ہیں۔ مگر خوب نہیں سمجھتے کیا کرتے ہیں۔ کہ جہاں ذرا شبہہ ہوا بے دل ہو کر قرآن کو تہ کیا۔ اور طاقِ نسیان پر رکھ دیا مولوی تو آپ سے بہت زیادہ پوچھنے پاچھنے سے گھبراتے ہیں۔ اِن کا مسلک تو یہ ہے۔ ع ہم کہیں اور سُنا کرے کوئی

(م) یہ زمانہ بحث و مناظرے کا ہے نہیں۔ مَیں نے تو بحث و مناظرے کا انجام ہمیشہ فوجداری ہوتے دیکھا ہے اس لیے مَیں بحث و مناظرے سے ایسا ڈرتا ہوں جیسے بچے ہیجاسے۔ لکھا پڑھی کا طریقہ پہلے محفوظ تھا اب تو اس میں بھی فوجداری ہونے لگی ہے۔ لیکن اگر تم بحث پر آمادہ نہیں ہو تو مَا هُوَ شِفَآءٌ کا جواب ہے۔ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ یعنی

اَلْقُرْاٰنُ یُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا

قرآن کا بعض حصّہ بعض کی یعنی ایک آیت دوسری آیت کی توضیح و تفسیر کرتی ہے۔

---

[۱] یہ سورۂ یونس کے رکوع (۶) کی چوتھی آیت کا ٹکڑا ہے پوری آیت اس طرح ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یعنی لوگو! (اتمام حجت کے طور پر) تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آ چکی اور امراضِ قلبی (یعنی شرک وغیرہ) کی دوا اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ۱۲

کی رُو سے شفاء لمافی الصدور تفسیر واقع ہوا ہی ما ھو شفاء کی اور ظاہر ہی کہ لما فی الصدور سے امراضِ روحانی یعنی معتقداتِ فاسدہ اور خیالاتِ باطلہ کے علاوہ امراضِ جسمانی مراد ہو ہی نہیں سکتے - لیکن فرض کرو کہ ما ھو شفاء میں امراضِ جسمانی ہی مراد ہوں تو نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ سے دُعا مُراد ہوگی، اور دُعا کے اثر کے تو ہم قائل ہیں اور جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ سلم بھی جب کسی کی عیادت کو جاتے تو -

اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ — لوگوں کے پروردگار! اِس سختی اور بیماری کو دفع کر -

سے دُعا ہی فرماتے تھے -

(۳۵) آپ کی سی معلومات کوئی کہاں سے لائے - یہ فرمائیے کہ نرے اُردو خواں کو ترجمے کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو وہ کیا کرے

(۳۶) شُبہے کو کسی پر ظاہر نہ کرے - دل میں لیئے رہے اور ترجمہ برابر پڑھتا رہے - خدا نے چاہا تو ایک نہ ایک دن خدا ایسی بات اُس کے دل میں القا کرے گا کہ اُس کا شُبہہ خود بخود دفع ہو جائے گا - خود مجھکو ایسا اتفاق کئی بار پیش آیا ہی اور ابھی تک بھی پیش آتا رہتا ہی میں اپنا شُبہہ کسی پر ظاہر نہیں کیا کرتا - پھر آپ ہی آپ ایک بات ذہن میں آتی ہی کہ خلجان رفع ہو کر دل کو اطمینان ہو جاتا ہی - مثال کے طور پر ایک حکایت بیان کرتا ہوں کہ بچپن سے یوسف علیہ السلام کو پیغمبر سُنتا تھا اور حُسنِ صورت کو اُن کا معجزہ - لیکن پیغمبر اور حُسنِ صورت کا معجزہ بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی تھی - باوجودیکہ دَور میں سُورۂ یوسف کے پڑھنے کا بھی اتفاق ہوتا تھا مگر قصے کے تسلسل میں کبھی کوئی ایسی بات خیال میں نہ آئی جس سے یوسف علیہ السلام کی پیغمبری کی عظمت کی طرف سے اطمینان ہو جاتا - آخر ایک دن خیالات ایک خاص طرح کے تھے - کہ سورۂ یوسف کی تلاوت میں یوسف علیہ السلام کی تین باتوں نے اُن کی پیغمبری کی طرف سے بالکل مطمئن کر دیا -

ایک - مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ٥ (یوسف ع ۳) — معاذ اللہ وہ (تمہارا شوہر) میرا آقا ہی اُس نے مجھکو اچھی طرح رکھا ہی (میں اُس کی امانت میں خیانت نہیں کرسکتا) کیونکہ (ایسے) نمک حراموں کو کبھی فلاح نہیں ہوسکتی ف۱

دوسرے لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ٥ (یوسف ع ۱۰) — اب تم پر کچھ الزام نہیں (میں نے معاف کیا اور خدا بھی) تمہارے قصور معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہی ف۲

ف۱ یہ سورۂ یوسف کے اُس موقع کا قصہ ہی کہ حضرت یوسف عزیزِ مصر کے گھر میں غلاموں کی طرح نہیں بلکہ امیروں کے فرزندوں کی طرح رہتے ہیں عزیزِ مصر کی بیوی زلیخا اُن کے حُسن کی دلدادہ ہی اور موقع پاکر اپنا مطلب ناجائز حاصل کرنا چاہتی ہی آخر ایک روز مکان کے دروازے بند کر دیئے - اور یوسف سے اپنا مدعا ظاہر کیا اُس موقع پر یوسف علیہ السلام نے یہ فرمایا معاذ اللہ انہ الخ ۱۲

ف۲ یہ بھی سورۂ یوسف کے اُس مقام کا تذکرہ ہی جب کہ یوسف علیہ السلام کے علاتی بھائی تیسری مرتبہ حضرت یوسف کے پاس ملکِ مصر میں غلہ لینے آئے اور یوسف کے سامنے حاضر ہو کر اپنی تنگ حالی ظاہر کی جس پر یوسف سے صبر نہ ہو سکا اور جوشِ محبت میں آکر صاف کہہ دیا کہ یوسف میں ہی ہوں تمہارا بھائی اس پر بھائیوں نے معذرت کی اور اپنا قصور ظاہر کیا تب یوسف علیہ السلام نے یہ فرمایا لا تثریب الخ ۱۲ +

تیسرے تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ (یوسف ع ۱۱) (تو اپنے مجھکو اپنی فرماں برداری کی حالت میں دنیا سے اُٹھالے اور مجھکو (اپنے) نیک بندوں میں سے جا داخل کر ۱)

کہ ان میں سے ایک ایک بات اس درجے کی ہی کہ قدر شناس کو سو معجزوں کا کام دیتی ہی اور اس طرح کے انکشافات اب بھی ہوتے رہتے ہیں۔ اس سے میں اُردو خواں مسلمان بھائیوں کو صلاح دیتا ہوں کہ باوجود شکوک کے ترجمے کی تلاوت کو ناغہ نہ ہونے دیں۔ میں کس طرح اپنا دل چیر کر مسلمانوں کے آگے رکھ دوں کہ میں قرآن کو مسلمانوں کے حق میں کیا سمجھتا ہوں۔ جاننا اور عمل کرنا شرط ہی اور اسلام کی ابتدائی تاریخ اس کا ثبوت ہی۔ جاننے کے لیے عربی کی توفیق نہ بھی ہو۔ تو تراجم کافی ہیں۔ اور عمل کرنے کے لیے فطرۃ جیسا راہ نما میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسلام جیسا مذہب رکھ کر مسلمان کیوں اقوام روزگار میں سر برآوردہ اور برتر اور پیش پیش نہ ہوں۔ تعزز میں۔ تموّل میں۔ خوش حالی میں۔ محاسنِ اخلاق میں۔ صلحکاری اور امن پسندی میں یعنی ہر طرح کی خوبی میں مگر یوں کہو کہ مسلماناں در گور مسلمانی در کتاب۔

(س) جب اسلام کو یہ خصوصیتیں ہیں تو نامسلم اقوام بہت باتوں میں مسلمانوں سے بہتر حالت میں کیوں ہیں۔

(م) اس کا جواب بھی قرآن میں موجود ہی۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِیْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ (الشوریٰ ع ۳)

جو کوئی آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اُس کی کھیتی میں اُس کے لیے برکت دیں گے اور جو دُنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم بقدر مناسب اُس کو دنیا دیں گے (مگر) پھر آخرت میں اُس کا کچھ حصّہ نہیں

(۱۶) دین و دُنیا ضدِ یک دگر نہیں ہیں

(س) اس سے تو پھر وہی دنیا اور آخرت یعنی دنیا اور دین کا (کیونکہ بولتے ہیں دین مرادفِ آخرت بولا جاتا ہی) ضدِ یک دگر ہونا پایا جاتا ہی اور مالہ فی الاخرۃ من نصیب سے ضدیۃ کی اور تقویت ہوتی ہی۔

(م) دین کو مرادفِ آخرت بولنے ہی نے تو مسلمانوں کی دُنیا کو تباہ کیا۔ اور دنیا کے ساتھ دین کو بھی۔ اسی سے دنیا اور دین میں تناقض کا ہونا سمجھا گیا۔ یعنی لوگوں نے جو دین و دُنیا میں ناحق کا تناقض سمجھ رکھا ہی متفرع ہی دین کو مرادفِ آخرت استعمال کرنے پر بلکہ میرا خیال تو یہ ہی کہ لوگ پہلے سے دین و دُنیا میں تناقض سمجھے ہوئے تھے۔ بناء الفاسد علی الفاسد۔ اسی خیال کی بنا پر دین کو مرادف آخرۃ استعمال کرنے لگے کیونکہ قرآن میں ہر جگہ آخرت کو دُنیا کا مقابل قرار دیا ہی جیسے

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (البقرۃ ع ۲۵)

اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی خیر و برکت دے اور آخرت میں بھی خیر و برکت دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔

اور قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ

(اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ دنیا کے فائدے (بہت ہی) تھوڑے فائدے

ف جب یوسف علیہ السلام دُنیا سے سیر ہو گئے تو آخرت کی لو لگی اور شوق الی لقاء اللہ سے بیتاب ہو کر یہ دُعا کی ۱۲

ف یوسف علیہ السلام کی یہ دعا اس رتبے کی ہی کہ اُن کی پیغمبری کے ثبوت کے لیے بس کرتی ہی ۱۲

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ (النساء ع ۱۱)

اور جو شخص (خدا کا) ڈر رکھے اُس کے لیے (فلاح) عاقبت (دنیا کے فائدوں سے کہیں) بہتر ہی اور (وہاں) تم لوگوں (میں سے کسی) کی تس برابر بھی حق تلفی نہ ہوگی۔

اور اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (یوسف ع ۱۱)

دُنیا اور آخرت (دونوں) میں تُو ہی میرا کارساز ہی ف

اور الدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ

دنیا آخرت کی کھیتی ہی (جیسا بوئے گا ویسا کاٹے گا)

یہی وہ آیت مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ جس سے تم کو شبہہ ہوا اس میں بھی دنیا اور آخرت کا مقابلہ ہی۔ نہ دنیا اور دین کا۔ اور آیت کا مطلب یہ ہی کہ لوگو! جو عمل بھی تم دنیا میں کرتے ہو اگر باُمید اجرِ عاقبت کرتے ہو تو ہم اُس اجر میں برکت دیں گے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (انعام ع)

جو شخص (قیامت کے دن) نیکی لے کر آئے گا تو اُس کو دس گنا اُس کو ثواب ملے گا۔

اور باُمید اجرِ دُنیا کرتے ہو تو اُس میں سے بقدرِ مناسب تم کو دے دیا جائے گا۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ (اٰل عمران ع)

تو اُن کے پروردگار نے اُن کی توبہ قبول کر لی (اور فرمایا) کہ ہم تم میں سے کسی (نیک) عمل کرنے والے کے عمل کو اکارت نہیں جانے دیتے مرد ہو یا عورت (اس بارے میں مرد عورت میں کچھ فرق نہیں کیونکہ) تم سب ایک دوسرے کی جنس ہو ف

اِس آیۃ میں ترکِ دُنیا یا زُہد کا اشارہ تک بھی تو نہیں۔ بلکہ ایک معنی کر تحریص و ترغیب ہو کیونکہ سرے سے عمل ہی نہ ہوگا تو نیت کس سے متعلق ہوگی۔ حدیث میں تو یہاں تک آیا ہو کہ مرد جو اپنی بی بی کو کھانا کھلاتا ہی اُس کا بھی ثواب ہی بشرطیکہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ یہ سمجھ کر کھلاتا ہو کہ اس کا نان و نفقہ خدا نے مجھ پر فرض کیا ہی۔ اسلام کی بڑی خوبی تو یہی ہی۔ کہ وہ طلبِ دنیا اور کسی کاروبار دنیا کو منع نہیں کرتا۔ مگر ہاں یہ ضرور کہتا ہی کہ طلبِ جمیل کرو۔ مسلمان اگر اس سے زہد استنباط کریں تو سوا اس کے کہ وہ ناحق اسلام کو بدنام کرتے ہیں ع بدنام کنندۂ نکو نامے چند ۔ اور کیا کہا جائے۔ طبیبِ مہربان غذا کی نسبت فرماتا ہی ف

نہ چنداں بخور کز دہانت بر آید نہ چنداں کہ از ضعف جانت بر آید

اِس کو کسی نے بھی منع عن الغذا سمجھا ہی؟ مسلمانوں نے طلبِ جمیل کو منع و زہد و ترک سمجھا تو یہ اُن کی بدقسمتی اور تہیہ طلب جیسا کو منع سمجھا تھا تو نباہ کر دکھایا ہوتا اور وہ

ف یہ حضرت یوسف کی اُسی دعا کا ایک جزو ہی جو ابھی اوپر گزری ہی پوری دعا یوں ہی رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۱۲

ف اس آیت کا ترجمہ گزشتہ صفحے میں دیکھو ۱۲

ف اُوپر سے اُن دُعاؤں کا ذکر چلا آتا ہی جو اہلِ دانش کی زبانوں پر آسمان و زمین کی پیدایش میں غور و فکر کرنے کے بعد بے ساختہ جاری ہو جاتی ہیں اور اُن ہی پر فاستجاب الخ کی تفریع ہی ۱۲

کی وُہی مثل ہوئی کہ گڑ کھاؤں۔ گلگلوں سے پرہیز۔ اَب مُسلمان چار و ناچار طلبِ دُنیا میں مُنہمک ہیں۔ کہ بے اِس کے چارہ نہیں مگر ذلّت اور دناءۃ کے ساتھ۔ یہ کاشتکار ہیں۔ دوسرے زمیندار۔ دوسرے قرضخواہ ہیں یہ قرض دار۔ یہ کاریگر ہیں۔ دوسرے کارخانہ دار۔ دوسرے برسرِ حکومت ہیں یہ تابعدار۔ دوسرے کارفرما ہیں یہ خدمت گار۔ ای لعنت ہو اس زندگی پر دھکار ہو اہلِ طلب پر

(س[۱۴۳]) حقیقت میں جہاں تک مَیں بھی خیال کرتا ہوں زُہد کی تعلیم نے مُسلمانوں کو بڑا نقصان پُہنچایا۔

(م[۱۴۳]) اجی زہد تو تمام خرابیوں کی ماہی اور تقدیر اور توکّل اور دُعا کے بارے میں جو مُعتقدات مُسلمانوں کے ہیں یہ اُس کے انڈے بچے اِس خاندان نے مُسلمانوں کو غارت کیا۔

(س[۱۴۴]) زہد کی تو آپ نے خوب خبر لی مگر تقدیر اور توکّل اور دعا کی نسبت کچھ نہ فرمایا۔

(م[۱۴۴]) بَس یہ فرمانا بَس کرتا ہوں کہ یہ سب اُمّ الفاسد زہد کے انڈے بچے ہیں سب میں وہی زُہد کی جھلک پائی جاتی ہی۔

(س[۱۴۵]) آپ کے نزدیک اعمالِ آخرت کو اعمالِ دنیا پر ترجیح ہی یا نہیں۔

(م[۱۴۵]) ساری کتاب یوسف زلیخا پڑھی اور یہ نہ جانا کہ زلیخا عورت تھا یا مَرد تھی۔ اتنا سمجھایا پر دُنیا اور آخرت کی علٰحدگی کا خبط سر سے نہ نکلا پر نہ نکلا۔ ارے بندۂ خدا اعمالِ آخرت اور اعمالِ دُنیا دو طرح کے اعمال کیسے۔ وہی ایک اعمال ہیں چاہے اُن کو اعمالِ دُنیا کہہ لو اِس لیے کہ دُنیا میں کیے جاتے ہیں یا اعمالِ آخرۃ کہہ لو اِس لیئے کہ دُنیا میں جو مفاد ان پر مترتّب ہُوا سو ہوا۔ اِس کے علاوہ خدا آخرت میں اپنے فضل و کرم سے اِن کا اجر بھی دے گا۔

(س[۱۴۶]) مَیں تو نماز روزے وغیرہ عبادات کو اعمالِ آخرۃ سمجھا ہوا ہوں اور باقی اعمال کو اعمالِ دُنیا اور مَیں کیا تمام مُسلمان ایسا ہی سمجھتے ہیں۔

(م) تم نے بھی غلط سمجھا اور تمام مسلمانوں نے بھی غلط سمجھا۔ بات یہ ہی کہ اِنسان ایک خاص طرح کا مخلوق ہی۔ جس کے چند در چند تعلقات ہیں۔ خدا سے۔ آپنے ہم جنسوں سے۔ اور بہت چیزوں سے۔ ظاہر ہی کہ تعلق دو میں ہوتا ہی۔ پس ہر ایک تعلق کے دو پہلو ہوتے ہیں جیسے فرض کرو کہ ہندہ اور خالد میں۔ زن وشُو کا تعلق ہی۔ تعلق ایک ہی مگر اُس کو ہندہ کی طرف منسوب کریں تو ہندہ کو جورو کہیں گے۔ خالد کی طرف منسوب کریں۔ تو خالد کو خصم۔ تعلّق سے ہر دو فریق پر کچھ نہ کچھ ذمّہ داریاں عائد ہوتی ہیں ذمّہ داری کے مقابل حق کہلاتا ہی۔ مثلاً جورو خصم کی مثال میں مہر و نفقہ جورو کے حقوق ہیں اور اِن کا ادا کرنا شوہر کا فرض اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ[لہ] ۔ اور

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (نساء ع ۶)

مَرد عورتوں کے سَر دھرے ہیں (اِس کے دو) سبب (ہیں ایک) یہ کہ (آدمیوں میں) اللہ نے بعض (یعنی مَردوں) کو بعض (یعنی عورتوں) پر (دل کی مضبوطی اور جسم کی توانائی میں) برتری دی ہی (دوسرا) سبب یہ کہ مَردوں نے عورتوں پر اپنا مال خرچ کیا ہی[ف]

[لہ] اس سے پہلے کے ٹکڑے کو بھی ملا لو تو مطلب عام فہم ہو جائے گا یعنی وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ ترجمہ اور (جو عورتیں تم پر حرام کی گئیں) اُن کے علاوہ (سب عورتیں) تمھارے لیے حلال ہیں بشرطیکہ شہوت رانی کے لیے نہیں بلکہ قید (نکاح) میں لانے کی غرض سے مال (یعنی مہر) کے بدلے (نکاح کرنا) چاہو ۱۲

[ف] مال سے مراد ہو مہر اور نان و نفقہ ۱۲

اسی طرح شوہر کی اطاعت عورت کا فرض ہی اور شوہر کا حق۔

وَاللّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ۝ (النساء ع ۶)

اور تم کو جن بیبیوں کے سر چڑھنے کا اندیشہ ہو تو (پہلی دفعہ) اُن کو سمجھا دو پھر اُن کے ساتھ ہمبستری موقوف کرو اور (اس پر بھی نہ مانیں تو) اُن کے ساتھ مار پیٹ سے پیش آؤ ؎ف پھر اگر تمھاری بات ماننے لگیں تو تم بھی اُن پر ناحق کے جھگڑے رکھنے کے پہلو نہ ڈھونڈتے پھرو۔

خدا کے تعلق کے سوا سے مکافاۃ کا قاعدہ کل تعلقات میں چلتا ہی۔ مگر خدا پر ہمارا کوئی حق نہیں۔ جو کچھ وہ دنیا یا آخرت میں دے سب اُس کا فضل ہی۔ رہی عبادت یہ خود ہمارا فرض ہی اس سے ہمارا کوئی حق خدا پر قائم نہیں ہوتا۔ ہم نے **الحقوق و الفرائض** کے نام سے ایک کتاب جمع کی ہی۔ اُس میں قرآن سے چُن کر آدمی کے تعلقات معلوم کئے پھر بحوالہ آیت ہر ایک تعلق کے متعلق حقوق و فرائض جو خدا نے ٹھیرا دیئے ہیں۔ اس کتاب کے حقوق کے ذیل میں حقوق اللہ اور حقوق العباد سب مساوات کے درجے میں داخل ہیں کیونکہ جن الفاظ میں خدا اپنے حقوق طلب کرتا ہی۔ مثلاً

اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (البقرۃ ع ۱۴) — (مسلمانو!) نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو

اور یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ (البقرۃ ع ۲۳) — (مسلمانو!) تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہی

اور وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؎ف اُن ہی الفاظ میں حقوق العباد بھی طلب کرتا ہی جیسے اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

اور وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرۃ ع ۳۰) — اور جس کا وہ بچہ ہی (یعنی باپ) اُس پر دستور کے مطابق ماؤں کا کھانا کپڑا دینا لازم ہی۔

اور وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسَانًا (الاحقاف ع ۲) — اور ہم نے اِنسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تاکید کی ہی۔

اور لَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ — (لوگو!) افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو

پس فرضیت میں حقوق اللہ اور حقوق العباد یعنی تمھارے خیال کے مطابق اعمالِ آخرت اور اعمالِ دُنیا دونوں برابر۔ بلکہ میرے خیال میں حقوق العباد قوی تر کیونکہ حقوق اللہ حقوق ہیں خدا کے جو بے نیاز اور غفور رحیم ہی۔ اگر خدا کا کوئی حق ہمارے سر پر رہ بھی جائے گا تو اُمید ہے کہ ہمارے عجز و مسکنت پر نظر کر کے درگزر فرمائیے۔

وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ — (اور خدا تمھارے بہت (سے قصوروں) سے درگزر کرتا ہی

مگر بندے سراپا احتیاج اور دل کے تنگ ہیں۔

اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ ۝ — جب لوگوں سے ماپ کر لیں تو پورا پورا لیں۔

؎ف حدیث شریف میں صرف ہونے سے مارنے پیٹنے کی اجازت ہی ۱۲

؎ف یہ آیت ترجمہ سمیت اُوپر گزر چکی ۱۲ ؎ف اس کا ترجمہ بھی اُوپر گزر چکا ۱۲

اِن کا حال تو یہ ہی کہ جائے چمڑی اور نہ ٹوٹے دمڑی۔

(س) آپ کا یہ اجتہاد تو غضب کا اجتہاد ہی۔ اس کی رُو سے تو اکثر مُسلمان جو زُہد کی طرف مائل ہیں یا جو اعمالِ آخرت اور اعمالِ دُنیا میں راجح و مرجوح کا تفرقہ سمجھتے ہیں۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَ تَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ط (البقرۃ ع) — تو کیا کتابِ الٰہی کی بعض باتوں کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے ولہ

کے وعید میں داخل ہوئے جاتے ہیں یا یُوں کہیئے کہ مُسلمانِ کامل نہیں رہتے۔

(م) عملاً مُسلمان کامل ہونا تو بہت مشکل ہی۔ **قطعہ**

بندہ ہماں بہ کہ زتقصیرِ خویش — عذر بہ درگاہِ خُدا آورد

ورنہ سزاوارِ خداوندیش — کس نہ تواند کہ بجا آورد

کیا حقوق اللہ اور کیا حقوق العباد ہر ایک بندے بشر سے تلف ہوتے رہتے ہیں۔ مگر آدمی عقیدہ تو درست رکھے کیونکہ عقیدہ اصل ہی اور عمل فرع۔ تارک الصلوٰۃ۔ گنہگار ہی۔ اور نماز کی فرضیت کا مُنکر ہو کر نماز ترک کرے کافر۔

مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ (بخاری) — جو اس بات کا قائل ہوگا۔ کہ خدا کے سوائے کوئی معبود نہیں وہ (انجام کار) جنّت میں داخل ہوگا۔

مشہور حدیث ہی۔ قال کے معنے ہیں قائل ہو۔ یعنی دل سے عقیدہ رکھتا ہو۔ تو حدیث کا مطلب یہ ہی کہ جو دل سے خدا کو معبودِ برحق مانے گا ضرور ہی کہ کبھی کبھی اُس کی عظمت اُس کے احسانات کا خیال کرے اور خدا کی عظمت اور اُس کے احسانات کا خیال کرے گا تو ضرور ہی کہ وہ کبھی نہ کبھی اُس کا حکم بھی مانے گا۔ اور حکم مانے گا تو بہشت میں بھی جا داخل ہوگا۔ پس مُسلمان عملاً زُہد کی طرف مائل ہو یا اعمالِ آخرت اور اعمالِ دُنیا میں راجح و مرجوح کا تفرقہ لگاتا ہو تو وہ غلطی کرتا ہی کہ ہیچ نفس بشر خالی از خطا نبود + لیکن اگر وہ دل میں بھی ایسا ہی عقیدہ رکھتا ہی۔ تو اُس کے اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ کے وعید میں آجانے کا خوف ضرور ہی۔ اس سے بھی زیادہ سخت ہی۔

اِنْ تَکْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ط (ابراھیم ع) — (موسٰی نے اپنی قوم کے لوگوں سے اُن کو نصیحت کرتے ہوئے یہ بھی کہا) کہ اگر تم اور جتنے لوگ روئے زمین پر ہیں وہ سب کے سب مل کر بھی) خدا کی ناشکری کرو تو خدا کو ذرا بھی پروا نہیں۔

(س) آپ کا یہ اجتہاد مولویوں اور اُن کے معتقدوں کے حق میں نہ سو سُنار کی نہ ایک لُہار کی ہوا۔

(م) ہونے دو۔ کلوخ انداز را پاداشِ سنگ است + میرا اجتہاد اگر میں اس کو اجتہاد کہوں بھی کوئی معمّے نہیں چیستاں نہیں پہیلی نہیں۔ موٹی سی بات ہی کہ مثلاً تم نے ایک شخص کو نوکر رکھ کر حکم دیا کہ تم کو دو کام کرنے ہوں گے۔ ہمارے مکان کی چوکسی اور گھر کا سودا سلف۔ اب فرض کرو کہ تمہارا نوکر مردا سے مکان کی چوکسی تو کرے اور سودے سلف کو کہا جائے تو ٹکا سا جواب

ف یہ آیت اگرچہ یہودیوں کی شان میں نازل ہوئی ہی مگر اب بھی جو کوئی ایسا کرے وہ بلا شبہ اس وعید میں داخل ہی ۱۲ +

تم ایسے نوکر کو پسند کرو گے اور اس کو بطوعِ خاطر پوری تنخواہ دینی چاہو گے۔ یا گھر سے نکال باہر کرو گے۔ بعَینِہٖ یہی مثال خدا کی اور ہم مسلمانوں کی ہے کہ خدا نے

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَہُمْ وَاَمْوَالَہُمْ بِاَنَّ لَہُمُ الْجَنَّۃَ (بے شک اللہ نے مسلمانوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال (اِس وعدے پر) خرید لیے ہیں کہ اُن کے بدلے اُن کو جنت دے گا)

ہم کو حقوق اللہ اور حقوق العباد دو کام بتائے۔ ہم جیسا کچھ بھی ہم سے بن پڑتا ہے۔ حقوق اللہ کا فکر رکھتے بھی ہیں اور حقوق العباد سے پہلوتہی کرتے اور اُن کو جزوِ مذہب ہی نہیں سمجھتے۔ ایسی صورت میں مَیں نہیں سمجھتا کہ ہم پورے مسلمان ہیں۔ نہیں بلکہ آدھا تیتر آدھا بٹیر

(ش[۱۱]) آپ تو اسلام کو دینِ فطرت بتاتے ہیں تو یہ باتیں از روے فطرت خود مسلمانوں کو سوچنے کی تھیں بااینہمہ آپ سارا الزام بیچارے مولویوں کے سر تھوپتے ہیں۔

(ھ[۱۲]) تھوپتا ہوں ثُمَّ اَبَوَاہُ یُہَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ کی رُو سے کیونکہ مولوی مسلمانوں کے مذہبی باپ ہیں فطرۃ کی مثال دیو اسلائی کی سی ہے کہ اس میں آگ ہے مگر بھڑک اٹھنے کے لیے رگڑنے کی محتاج ہے۔ یا فطرۃ کی مثال کنکوّے کی سی ہے کہ اس میں پرواز کی صلاحیت ہے مگر اُڑنے کے لیے دریائی کی ضرورت ہے۔ دیو اسلائی کے رگڑنے والے مولوی۔ کنکوّے کی دریائی کھینچنے والے مولوی۔ مَیں مسلمانوں کے ساتھ مولویوں کے برتاؤ کو پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ برس سے دیکھ رہا ہوں۔ شروع سے مولویوں کا ادب میرے دل میں تھا اِس واسطے کہ میں نے بزرگوں کو عظماے قوم کو اُن کا ادب کرتے دیکھا۔ ایشیائی طور پر مَیں نے تعلیم پائی اور زانوے شاگردی مولویوں کے سامنے تہ کیا۔ دہلی کالج مرحوم میں جو ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد سے بند ہو گیا ہے داخل ہونے سے اگرچہ میں عربی کی اونچی جماعت میں تھا آوازِ مخالف میرے کانوں میں پڑنی شروع ہوئی۔ پہلے وہ آواز دوئی اتحل کی طرح کی بھنبھناہٹ سی تھی مگر رفتہ رفتہ بلند ہوتے ہوتے بادل کی سی کڑک ہو گئی۔ بیچ بیچ میں میرے عقائد بھی کچھ متزلزل ہو چلے تھے۔ ابتداءً التقلیدِ آبائی نے مجکو اسلام پر جمائے رکھا سو اُس اسلام کی تو میری نظر میں کچھ بھی وقعت نہیں۔ سالہا سال کے غور و فکر کے بعد کہیں جا کر میرا ایمان ٹھکانے سے لگا اور اب مجکو اسلام کے مذہبِ حق ہونے کا ایسا ہی یقین ہے جیسا دو اور دو کے چار ہونے کا۔ مگر اسلام بھی اسلامِ متعارف نہیں بلکہ وہ اسلام جو عینِ فطرت اور مرادفِ انسانیت ہے۔

(ش[۱۳]) اگر اسلام مرادفِ انسانیت ہے تو تمام آدمی مسلمان ہیں اس لیے کہ انسان سب ہیں۔

(ھ[۱۴]) اس میں شک کیا ہے جیسے انسان سب ہیں ویسے ہی مسلمان بھی سب ہیں۔ یعنی آدمی آدمی۔ انتر کوئی ہیرا کوئی کنکر۔ ایک آدمی۔ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ اور ایک آدمی (وہ کہ جس کو دیکھ کر فرشتے بھی سجدہ کرنے کو تیار ہو گئے)

(وہاں پر پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا باوجودے کہ پروبال نہ تھے آدم کے)

فَمِنْہُمْ شَقِیٌّ وَّسَعِیْدٌ[۱۵]۔

---

[۱۵۱] پوری آیت اور اس کا ترجمہ اوپر گزر چکا وہاں دیکھو ۱۲ [۱۵۲] پوری آیت یوں ہے یَوْمَ یَاْتِ لَا تَکَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ فَمِنْہُمْ شَقِیٌّ وَّسَعِیْدٌ یعنی جب (قیامت کا) دن آ پہنچے گا تو (مارے خوف کے) بے حکمِ خدا کوئی شخص بات (تک بھی تو) نہیں کر سکے گا پھر اُس وقت لوگ دو قسم کے ہوں گے بعض بدبخت اور بعض نیک بخت ۱۲

وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ (الاحقاف ع ۳)

اور آخرت میں اپنے اپنے عمل کے مطابق سب کے (اچھے یا بُرے) درجے ہوں گے اور (یہ) اس لیے کہ خدا اُن لوگوں کو اُن کے اعمال کا پُورا پُورا بدلہ دے اور اُن پر کسی طرح کا ظلم نہ ہو۔

(۳) مگر یہ کتنا بڑا فرق ہے کہ وحشی اور مُہذّب۔ عالِم و جاہل۔ شہری اور گنوار اپنے تئیں آدمی سب مانتے ہیں برخلاف اسلام کے کہ جتنے نامُسلم ہیں اسلام کے نام سے چڑتے ہیں۔

(۴) اس لیے کہ تم اُن کو چڑاتے ہو۔ مُسلمانوں ہی میں تم کسی کو رافضی کہوگے۔ تو وہ تم کو خارجی کہے گا ضرور۔ نامُسلموں کو تم کافر کہہ کر چڑاتے ہو وہ تمھارے نام سے چڑتے ہیں۔ **قطعہ**

یکے جہود و مُسلماں مناظرہ کردند ... چنانکہ خندہ گرفت از نزاعِ ایشانم

جہود گفت بتوراۃ مے خورم سوگند ... اگر دروغ بود ہم چو تو مُسلمانم

بطنز گفت مُسلماں کہ گر قبالہ من ... صحیح نیست خدایا جہود میرانم

گر از بسیطِ زمیں عقل منعدم گردد ... بخود گماں نبرد ہیچ کس کہ نادانم

اسلام جو حقیقت میں مرادفِ انسانیت ہے اُس کی تعلیم تو یہ ہے کہ لَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۔ تم نامُسلموں کو بھی کافر نہ سمجھو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوا (الحجرات ع ۲)

مُسلمانو! (لوگوں کی نسبت) بہت شک کرنے سے بچتے رہو کیونکہ بعض شک (داخلِ) گناہ ہیں۔

فطرت تو سب آدمیوں میں ایک ہی طرح کی ہے ہم اپنی طبیعت پر قیاس کر کے کہتے ہیں کہ ظاہر میں جو چاہیں کریں جو چاہیں کہیں

ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ

یہ تمھارے اپنے مُونہ کی کہن ہے۔

دل میں نامُسلِم بھی ضرور ایک خدا کے قائل ہیں۔ امن و عافیت پسندی میں جو اسلام کا مقصودِ اصلی ہے مُسلمانوں سے بہتر نہیں تو برابر تو ضرور ہیں۔ غایۃ مافی الباب یہ کہ پُورے مُسلمان نہیں۔ تو ہم ہی کب پُورے مُسلمان ہیں۔

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ

(اے پیغمبر) بھلا تم نے اُس شخص کے حال) پر بھی نظر کی جس نے اپنی خواہش (نفسانی) کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور

ل۵ پوری آیت اس طرح ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ یعنی مسلمانو! مرد مردوں پر نہ ہنسیں عجب نہیں کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ (خدا کے نزدیک) اُن سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں پر ہنسیں عجب نہیں کہ (جن پر ہنستی ہیں) وہ اُن سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دو اور نہ ایک دوسرے کو نام دھرو ایمان لائے پیچھے بدتہذیبی کا نام ہی بُرا ہے اور جو (ان حرکات سے باز نہ آئیں) تو وہی (خدا کے نزدیک) ظالم ہیں ۱۲

عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (الجاثیہ ع ۳)	علم ہوتے ساتے اللہ نے اُس کو گمراہ کر دیا ہی ف۱ اور اُس کے کانوں پر اور اُس کے دل پر مُہر لگا دی ہی اور اُس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہی تو خُدا کے (گمراہ کیے) پیچھے اُس کو کون ہدایت دے سکتا ہی کیا تم لوگ غور (و فکر) کو کام میں نہیں لاتے۔

اور یہی باتیں تو ہیں تم کو دیر سے سمجھا رہا ہوں۔

ہمارا مذہب ہی صلح سب سے ہو کوئی ہندو کوئی مُسلماں   سلام اس کو اگر کیا ہی تو اُس سے بھی رام رام کر دی

اسلام سے قطع نظر مصلحت وقت کا مقتضا کیا ہی۔ جہاں تک مَیں خیال کرتا ہوں مُسلمانوں کا یہ مذہبی تعصّب اس زمانے کے اسلام کی لکڑی کے حق میں ایک گُھن ہی جو اُس کو کھوکھلا کیے چلا جا رہا ہی۔ اور احمق سمجھتے نہیں اور مولوی اِن کو سمجھنے نہیں دیتے کہ آپ اپنے پاؤں میں کُلھاڑی مار رہے ہیں۔ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ ہندوستان کے مُسلمانوں کو دو قوم سے واسطہ پڑتا ہی حکّام وقت عیسائی اور ہندو جو اُن ہی کی طرح انگریزوں کی رعیّت ہیں۔ مُسلمان دونوں کے مقابلے میں ہر طرح سے مغلوب ہیں۔ ہندو اگر کھانے پینے کی چھوت کی طرح مسلمانوں کی امداد سے دست کش ہو جائیں اگرچہ وہ امداد سود ہی کی طمع سے کی جاتی ہی اور دنیا میں بے مطلب کون کسی کے کام میں آتا ہی تو میرے

ف۱ یعنی باوجودیکہ جانتا بوجھتا ہی اور پھر اُس کی عقل پر پتھر پڑے ہیں کہ انکار کرتا ہی سچ کہا ہی لسان العصر جناب اکبرؔ۔ خدا کی طرف سے ہدایت نہ ہو تو علم و عقل کیا کام آئے اور مفسّرین نے دوسرے معنی یہ بھی لکھے ہیں کہ خدا نے یہ جان کر کہ یہ شخص رُو براہ ہونے والا نہیں اور اس میں ہدایت پانے کی صلاحیت نہیں اُس کو گمراہ کر دیا ۱۲ ف اس کے ماقبل کے چند اور جملے ملائے جائیں تو بات خوب سمجھ میں آئے اور وہ جملے یہ ہیں هُوَ الَّذِيْۤ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ یعنی وہ (خدا) ہی تو تھا جس نے کفارِ اہل کتاب کو اُن کے گھروں سے نکال باہر کیا ف۱ (اور یہ اُن کی تقدیر کا) پہلا حشر (تھا) جس کے لیے نکالے گئے ف۲ (مُسلمانو!) تم کو (تو وہم و گمان بھی) نہ تھا کہ (یہ اپنے گھروں سے) نکلیں گے اور وہ اس خیال میں (مست) تھے کہ اُن کے قلعے اُن کو خدا کی پکڑ سے بچا لیں گے تو جدھر سے اُن کو گمان بھی نہ تھا خدا (کے لشکر) نے اُن کو آلیا اور اُن کے دلوں میں (مسلمانوں کی) دھاک ڈال دی کہ لگے اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مُسلمانوں کے ہاتھوں اُجاڑنے تو اے لوگو جن کے (مُونہ پر) آنکھیں ہیں (اس واقعے سے) عبرت پکڑو ۱۲

ف۱ مدینے سے چار پانچ کوس کے فاصلے پر یہودیوں کی ایک قوم آباد تھی اور وہ بنی نضیر کہلاتے تھے مُسلمانوں سے اُن کی صلح تھی مگر وہ لوگ در پردہ کفارِ مکّہ سے سازش رکھتے تھے اور ایک بار اُنھوں نے پیغمبر صاحب کے مار ڈالنے کا بھی ارادہ کیا تھا آپ ایک دیوار کے تلے نیچے باتیں کر رہے تھے تاک کر اُوپر سے چکّی گرانی چاہی۔ یہاں تک نوبت پہنچی تو پیغمبر صاحب نے اُنھیں جا گھیرا وہ بہت سٹ پٹائے اور آخر یہ بات ٹھیری کہ یہ لوگ گھر بار چھوڑ کر ملکِ شام میں چلے جائیں چنانچہ مال و متاع کواڑ تختہ جو کچھ لے جاتے بن پڑا لے گئے اِس موقع پر اِن لوگوں کے کچھ کھجور کے درخت بھی کٹوا دیئے گئے تھے تاکہ یہ لوگ جلد فیصلہ کرنے پر مجبور ہوں اِن آیتوں میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہی ۱۲ ف۲ مطلب یہ ہی کہ دوسرا حشر اِن کا قیامت میں ہوگا یا شاید پیشین گوئی ہو کہ دوبارہ بھی جلاوطن ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں تمام یہودیوں کو اُن کے فسادات کی وجہ سے جزیرۂ عرب سے جلاوطن کر دیا ۱۲

خیال میں مسلمان پرسوں کے مرتے کل اور کل کے مرتے آج اور آج کے مرتے اب ابھی مجھ کو مرنے لگیں ہے حکام وقت

زمانے سے لڑے مگر کسی میں ہو سنبھال اتنی خدا سے بیر باندھے کس نے پائی ہو مجال اتنی

اسلام تو اس طرح کا مذہب تھا نہیں - نہ تھا اور نہ ہو - کہ لطف ولینت سے پیش کیا جائے اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اور کوئی شخص جس کے سر میں عقل اور دل میں انصاف ہو اس کے قبول کرنے میں تامل کرے مگر اس کا نشو و نما ایسے لوگوں میں ہوا جو عقل کے دشمن اور انصاف سے باپ مارے کا بیر رکھتے تھے - ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِیَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور وہ اسلام کا نام سنتے ہی بے سوچے سمجھے گالی گلوچ لٹھا پائی مار کٹائی پر اتر پڑے - اس پر اسلام اپنی راستی کے بل پر سہج سہج اور چپکے چپکے حق پسند طبیعتوں کو اپنی طرف مائل کر رہا تھا - ایسے لوگ معدودے چند اور ان میں زیادہ تر ضعفاء القوم تھے جن میں کسی طرح کی دنیاوی برتری نہ تھی جو مانع قبول حق ہوتی - اس کمزوری پر بھی مسلمان دشمنوں کی نظر میں کانٹے کی طرح کھٹکتے تھے اور دشمن ہمہ وقت ان کی بیخ کنی کے درپے تھے ۵۰ تراغ ور مرا عجز تا بکجا ظالم ÷ ہر ایک امر کی آخر کچھ انتہا بھی ہے ÷ نتیجہ یہ ہوا کہ مرتا کیا نہ کرتا -

كَالسِّنَّوْرِ الْمَغْلُوْبِ يَصُوْلُ عَلَى الْكَلْبِ جیسے عاجز بلی کہ کتے پر حملہ کرتی ہے -

وقت ضرورت چو نماند گریز دست بگیرد سر شمشیر تیز

باوجودے کہ مسلمانوں میں دشمنوں کے ٹڈی دل کے مقابلے کا دم بھی نہ تھا جان پر کھیل جانے کے سوا آئے دن کی مصیبتوں سے بچنے کی کوئی صورت نہ دیکھی - ناچار خم ٹھوک کر اکھاڑے میں کود پڑے ع ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم ÷ خدا کا کرنا -

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ اکثر (ایسا ہوتا ہے کہ) اللہ کے حکم سے تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر غالب آگئی ہے -

تھوڑوں نے بہتوں کو نہتوں نے ہتیا بندوں کو پیدلوں نے سواروں کو مار ہٹایا - اس غیر متوقع فتح سے مسلمانوں کی ہمت اور دشمنوں کی غیرت کو ترقی ہوتی تھی - ہوئی اور لڑائی چھڑی اور ریگستان کی آگ کی طرح ادھر بجھی ادھر سلگی - یہی کچھ ہوتا رہا یہاں تک کہ جب دشمنوں کا سا اچھی طرح کچلا جا چکا تب کہیں جا کر مسلمانوں کو امن چین سے میٹھا نصیب ہوا - جو مر کھپ گئے اُن کا تو مذکور نہیں اس وقت ایک ہندوستان ہندوستان میں ماشاء اللہ چشم بد دور اَللّٰهُمَّ زِدْ فَزِدْ چھ کروڑ سے زیادہ ہی زیادہ مسلمان آباد ہیں اور جو لوگ ایسی باتوں کا خیال رکھتے ہیں کہتے ہیں کہ ان سے پانچ گونہ خارج از ہندوستان بھی ہوں گے اور چونکہ موت کی دستبرد سے کوئی جگہ محفوظ نہیں اور اوسط اعمار بھی قریب قریب برابر کے ہیں اس حساب سے پیغمبر صاحب کی ایک ذات سے شروع ہو کر اس وقت تک مسلمانوں کا شمار عجب نہیں کہ مہا سنکھ کے لگ بھگ پہنچ گیا ہو گا - یا یوں پہنچ جائے گا مسلمانوں کا یہ شمار دو طرح

۵۱ یہ آیت ترجمے سمیت اوپر گزر چکی ۱۲ ۵۲ اس کا ترجمہ بھی اوپر گزر چکا ۱۲

۵۳ الٰہی اور زیادہ کر ۱۲ ÷

سے بڑھتا رہا ہو ایک یہ کہ لوگ دوسرے مذہبوں سے نکل نکل کر اسلام میں داخل ہوتے گئے - دوسرے توالد و تناسل کے قاعدے سے جو لوگ مسلمانوں میں پیدا ہوتے گئے مسلمانوں میں شامل ہونے لگے - ہم تو ہجرت سے پہلے مسلمانوں کو ٹکسالی مسلمان سمجھتے ہیں کہ وہ مجتہد مسلمان تھے اور سوچ سمجھ کر مسلمان ہوئے تھے جن کے حق میں آیۂ

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (التوبہ ١٤٦) نازل ہوئی

البتہ خدا نے پیغمبر پر بڑا ہی فضل کیا اور (نیز) مہاجرین اور انصار پر جنھوں نے تنگدستی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا جب کہ ان میں سے بعض کے دل ڈگمگا چلے تھے پھر اسی نے ان پر (بھی) اپنا فضل کیا (کہ ان کو سنبھال لیا) اس میں شک نہیں کہ خدا ان سب پر نہایت مہربان (اور ان کے حال پر اپنی) مہر رکھتا ہی اور (علیٰ ہذا القیاس) اُن تین (شخصوں) پر بھی جو (بانتظار امر خدا) ملتوی رکھے گئے تھے یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی اُن پر تنگی کرنے لگی اور وہ اپنی جان سے بھی تنگ آ گئے اور سمجھ لیے کہ خدا (کی گرفت) سے اُس کے سوا اور کہیں پناہ نہیں پھر خدا نے اُن کی توبہ قبول کر لی تاکہ (قبولِ توبہ کے شکریے میں آیندہ کے لیے بھی) توبہ کیے رہیں بے شک اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہی **ف١**

اور ان ہی کے حق میں آں حضرت نے فرمایا خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ - باقی فتوحات اسلام کے وقت کے اور بعد کے -

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ (النصر)

(ای پیغمبر) جب کہ خدا کی مدد آ پونہچی اور (مکہ) فتح (ہو گیا) اور تم نے لوگوں کو (بچشم خود) دیکھ لیا کہ دین خدا (یعنی اسلام) میں جوق جوق داخل ہو رہے ہیں تو اپنے پروردگار کی حمد (و ثنا) کے ساتھ (اُس کی) تسبیح (و تقدیس) میں مشغول ہو جاؤ اور اُس سے گناہوں کی معافی مانگو بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہی **ف٢**

ف١ غزوۂ تبوک بڑے امتحان کا معرکہ تھا گرمی کا موسم - دُور کا سفر - بے سامانی - اور نخلستان پھلے ہوئے - کہ یہی اہلِ مدینہ کی معاش کا ذریعہ تھا تو اس لڑائی میں پانچ فریق ہو گئے - اوّل پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین اور انصار کہ انھوں نے مشکلات کی مطلق پروا نہ کی اور بے پس و پیش چل کھڑے ہوئے دوسرا فریق ان ہی انصار و مہاجرین میں وہ تھا جو نکلتے ہوئے ہچکچاتے تھے مگر آخر کار چل کھڑے ہوئے - تیسرا فریق خاص تین آدمی تھے - کعب بن مالک - ہلال بن امیہ - مرارہ بن ربیع کہ یہ لوگ کاہلی کے مارے پچھڑ رہے پیغمبر صاحب جب واپس آئے تو یہ لوگ بھی حاضر خدمت ہوئے اور جب ان سے پیچھے رہ جانے کی وجہ پوچھی تو جو سچ بات تھی وہ کہہ دی کہ قصور ہوا ان ہی تین آدمیوں کی نسبت پیغمبر صاحب نے حکم دیا تھا کہ وحی کا انتظار کرو خدا کا جیسا حکم ہو گا کیا جائے گا چوتھے منافق کہ اس تمام سورت میں اُن پر سخت ملامت کی گئی ہی ان ہی لوگوں نے حیلے اور بہانے بنائے - پانچواں فریق وہ لوگ تھے جو کسی عذر سے نہ جا سکے اب اس آیت میں جو خدا کے فضل کا مذکور ہی سو ہر ایک کے مناسب حالت جدا گانہ فضل ہی پیغمبر صاحب اور مہاجرین اور انصار پر تو خدا نے یہ فضل کیا کہ اُن کے ارادے متزلزل نہیں ہوئے اور جو ہچکچائے تھے اُن پر یہ فضل ہوا کہ آخر کار اُنھوں نے پیغمبر صاحب کا ساتھ دیا اور کعب اور ہلال اور مرارہ پر یہ فضل ہوا کہ اُنھوں نے اعتراف کر لیا اور خدا نے اُن کو توبہ کی توفیق دی

ف٢ اس سورت میں خدا نے پیغمبر صاحب کو (اشارۃً) فرمایا کہ مکے کا فتح ہونا لوگوں کا جوق جوق اسلام لانا اس بات کا نشان ہی کہ تم نے اپنا فرض رسالت پورا کیا تو آخرت کی تیاری کرو۱۲

اور توالد تناسل کے مسلمان ہم سمیت اکثر مقلد مسلمان ہیں کہ حکام وقت یا بزرگوں کے دیکھا دیکھی اسلام اختیار کر لیا۔
اسلام بھی عجب تقدیر لے کر خدا کے یہاں سے آیا تھا کہ جس دن سے دنیا میں آیا باوجودیکہ امن وعافیۃ قائم کرنے کے لیے آیا تھا پھر بھی آتے کے ساتھ لوگوں نے خدا واسطے کی مخالفت شروع کی اور زبردستی دوست کو دشمن بنایا۔ اسلام برابر دوستی ہی کا دم بھرتا رہا کسی نے یقین نہ کیا۔ ہجرت تک ترکوئی ہٹ دھرم سے ہٹ دھرم بھی مسلمانوں پر کسی طرح کا الزام لگا نہیں سکا۔ ہجرت کے بعد سے مسلمانوں کو اپنے تحفظ کے لیے مجبور ہو کر لڑنا پڑا یہاں تک بھی مسلمان بے قصور ہیں اس لیے کہ تحفظ ایک حرکت ہے اضطراری۔ ہاں ان تحفظی لڑائیوں میں خدا نے مسلمانوں کو روکھن میں فتوحات بھی دیں ؎۵۱

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری ہو جائے

شروع کے جہاد جان کے تحفظ کے لیے ہوتے تھے اب ممالک مفتوحہ کا تحفظ اور پلے بندھا۔ ہم تو اہل یورپ کی ملک گیریوں اور مسلمانوں کے جہادوں میں کسی طرح کا فرق پاتے نہیں۔ رہا اسلام کا جہاد کے یعنی فتوحات کے ساتھ ساتھ ترقی کرنا اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ الخ یہ بھی ایک قدرتی بات ہے اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ اور ہم اسی قاعدے کے مطابق عیسائیت کو ترقی کرتے دیکھ رہے ہیں حالانکہ جبر نہیں اکراہ نہیں۔ خیر وہ ملک گیری اور ملکداری کی باتیں تو خواب و خیال ہو گئیں۔ ہم نے چاہا تھا کہ ہندو مسلمانوں میں اتحاد وارتباط کی غرض سے مسلمانوں کو ان کی جگہ دبائیں مگر دیکھا تو مسلمانوں کی کسی ادا سے نہیں پایا جاتا کہ وہ ہندوؤں سے متنفر ہیں مواکلت اور مناکحت دو بڑے ذریعے اتحاد وارتباط کے ہیں تو ہندوؤں میں سے بیچ سے بیچ ذات کا آدمی بھی اس کو جائز نہیں رکھتا میل جول تو کیسے ہو مگر چونکہ ایک جگہ رہنے سہنے سے ہماری اور ہندوؤں کی اغراض واشتراک گڈمڈ ہو گئی ہیں اور اب دونوں ایک غیر قوم کے محکوم ہیں آپس کی پھوٹ میں دونوں کا نقصان ہے دونوں کو شیر وشکر ہو جانا چاہیے اور ابھی آثار ظاہر بھی ہو چلے ہیں ہندوؤں کو ان کے پیشوا سمجھائیں یا نہ سمجھائیں ہم تو اس کو اپنا فرض انسانیۃ ہی سمجھتے ہیں کہ اپنی طرف سے ہندوؤں کے ساتھ اتحاد وارتباط کی کوشش میں لگے رہیں لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا ؎۵۲

ہم بتوں کو اپنے جذب دل سے کھینچے جائیں گے پر بڑے پتھر ہیں ہم مشکل سے کھینچے جائیں گے

(ابن الوقت) دوسرے لفظوں میں آپ کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے پردے پر بس ایک آپ مسلمان ہیں اور باقی برائے نام۔

(ح) خدا مجھکو اپنی پناہ میں رکھے۔ کہ ایسا وہم بھی میرے دل میں خطور کرے

فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی (النجم ع ۲) (لوگو! بہت اپنی پاکیزگی نہ جتایا کرو پرہیزگاروں کو وہی خوب جانتا ہے۔

ہاں اعتقاداً میں اپنے تئیں ضرور مسلمان سمجھتا ہوں۔ رہا عملاً میری ساری عمر نامسلمی میں گزری۔ میں نے بے شمار حقوق اللہ اور حقوق العباد تلف کیے اور تلف ہونے دیے۔ اور اب کہ میری عمر ستر سے تجاوز ہوئی مجھ میں عملاً مسلمان ہونے کی صلاحیت ہی باقی

؎۵۱ اس کا ترجمہ پچھلے صفحے میں ملاحظہ ہو ۱۲ ؎۵۲ آدمی اپنے بادشاہوں کے دین ومذہب پر ہوتے ہیں ۱۲

؎۵۳ ملک میں اس کا انتظام درست ہوئے پیچھے فساد مت کرو ۱۲

نہیں عصمت بی بی است از بے چادری۔ یا ؎

گر بعصیاں در نمی آویزم از بے قوتی است | دین بعینہٖ چوں حریصِ شہوہ است و ضعف باہ

؎ عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن | آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

حقوق جو مجھ سے تلف ہوئے ہیں اُن کی تلافی میرے اختیار سے خارج

اَلْغَرِیْقُ یَتَشَبَّثُ بِالْحَشِیْشِ | ڈوبتا تنکے کا سہارا پکڑتا ہی

توبہ کے خیال سے مَیں نے دل کو تسلّی دینی چاہی اس سے بھی پوری تشفّی نہیں ہوتی۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓىٕكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۝ وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓىٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝ (النساء ع ۳)

اللہ توبہ (تو) قبول کرتا ہی ہو مگر اُن ہی لوگوں کی جو نادانی سے کوئی بُری حرکت کر بیٹھے پھر جلدی سے توبہ کر لی تو اللہ (بھی) ایسوں کی توبہ قبول کر لیتا ہی اور اللہ (سب کا حال) جانتا (اور دنیا اور دین کی مصلحتوں سے) واقف ہی اور اُن لوگوں کی توبہ (قبول) نہیں جو (عمر بھر) بُرے کام کرتے رہے یہاں تک کہ اُن میں سے جب کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہو تو لگے کہنے کہ اب میری توبہ اور (اسی طرح) اُن کی (توبہ) بھی (قبول) نہیں جو کافر ہی مر گئے یہی ہیں جن کے لیے ہم نے عذاب دردناک تیار کر رکھا ہی۔

صرف قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ کی آس پر جیتا ہوں۔ سو جب حقوق العباد کا خیال آتا ہی طبیعت بہت ہی پریشان ہوتی ہی کہ خدا تو اپنے حقوق چھوڑ بھی دے گا بندے کیوں چھوڑنے لگے۔ پھر خیال آتا ہی کہ یغفر الذنوب جمیعا کا وعدہ کیا ہی تو وہی بندوں کے مواخذے سے بھی بچانے کی کوئی تدبیر کرے گا۔ ع کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند ٭ دنیا میں بعضے رحم دل مجسٹریٹوں نے ایسا کیا ہی کہ عدل کے تقاضے سے مجرم پر جرمانہ کیا اور اپنے پاس سے بھر دیا خدا بھی میرے ساتھ ایسا کرے تو اُس سے کیا بعید ہی۔ غرض میری حالت یہ ہی کہ بیم و رجا میں پڑا جھول رہا ہوں ؎

شنیدم کہ در روزِ اُمید و بیم | بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

الٰہی تو گردانیم رو سفید | بہ اعتنا سیاہ و رد سیاہ اُمید

یہ کتاب مَیں نے اپنے تزکیۂ نفس کے لیے جمع ہیں کی ملکہ مسلمانوں سے یہ کہنا منظور ہی کہ مَن نہ کردم شما حذر بکنید ٭ واٰخر دعوٰنا[1] اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

تمت

[1] اس کا ترجمہ کئی جگہ اوپر گزر چکا ۱۲ ٭

ضمیمہ نمبر (۱)

ائمۂ اثنا عشر سے وہ بارہ جلیل القدر حضرات مراد ہیں جو جناب پیغمبر صاحب اور آپ کے خلفاء یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور عثمان ذوالنورین اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کی وفات کے بعد امامت کے معزز لقب سے پکارے گئے باستثناء حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہ ان ہی پر اُن کا سلسلۂ نسب آکر ٹھیرتا ہے۔ باقی سب امام جناب پیغمبر صاحب کی صاحبزادی سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد اور اولاد کی اولاد ہیں ذیل میں ان کے اسماء مع مختصر حالات زندگی درج ہوتے ہیں۔

(۱) ابو تراب علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ان کے حالات زندگی قدرے تفصیل کے ساتھ ضمیمہ نمبر ۲ عشرۂ مبشرہ کے ذیل میں لکھے گئے ہیں وہاں دیکھو۔

(۲) ابو محمد امام حسنؓ بن علی المرتضیٰ ان کا نام حسن۔ کنیت ابو محمد۔ لقب تقی اور سید۔ ہجرت کے تیسرے سال نصف رمضان کو مدینے میں بطن سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا سے پیدا ہوئے ساتویں روز ان کے نانا جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عقیقہ اور ختنہ کیا۔ اور اسی روز ان کا نام حسن رکھا۔ آن کا سراپا پیغمبر صاحب کے سراپا سے بہت ہی ملتا جلتا تھا یعنی سر سے سینے تک پیغمبر صاحب کے بالکل مشابہ تھے۔ اس کی تائید اس اثر سے خوب ہوتی ہے جسے طبرانی نے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ ایک موقع پر امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق حسن کو اپنے کندھے پر چڑھائے ہوئے فرما رہے تھے کہ بخدا یہ پیغمبر صاحب کے بہت ہی مشابہ ہیں علی سے تو کچھ بھی نہیں ملتے۔ اور علی تھے کہ اسی موقع پر کھڑے مسکرا رہے تھے۔ پیغمبر صاحب نے ان کے اور ان کے بھائی حسینؓ کے حق میں فرمایا کہ یہ دونوں جوانان بہشت کے سردار ہیں۔ امام حسن کی خلافت کے متعلق جو کچھ ہمیں لکھنا ہے ضمیمہ ۲ میں لکھیں گے وہاں دیکھنا چاہئیے۔ حضرت امام حسنؓ نے ۴۹ھ ہجری میں انچاس برس کی عمر کو پہنچ کر مدینے میں وفات پائی ان کے پیچھے گیارہ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی کل بارہ اولادیں باقی رہیں۔ صاحبزادی کا نام ام الحسن تھا اور صاحبزادوں کے نام عبداللہ۔ قاسم۔ حسن۔ زید۔ عمر۔ عبیداللہ۔ عبدالرحمن۔ احمد۔ اسمٰعیل۔ حسین۔ عقیل تھے۔ ان میں اہل العقب یعنی جن سے آگے کو نسل چلی ذیل کے صرف پانچ حضرات ہیں حسن۔ زید۔ حسین۔ عقیل۔ ام الحسن۔

حسن جن کو مثنیٰ بھی کہتے ہیں اپنے وقت کے تمام علماء و فضلاء کے امام اور عباد و زہاد کے مقتدا تسلیم کئے جاتے تھے ۹۷ھ میں کچھ اوپر پچاس برس کی عمر پاکر انتقال کر گئے اور اپنے پیچھے چھ صاحبزادے۔ محمد۔ عبداللہ۔ ابراہیم۔ حسن۔ جعفر۔ داؤد۔ اور پانچ صاحبزادیاں زینب۔ ام کلثوم۔ فاطمہ۔ ملیکہ۔ ام القاسم۔ چھوڑیں۔ حسن مثنیٰ کی اولاد ذکور میں **عبداللہ** اپنے سب بھائیوں میں ممتاز تھے جن کو **المحض** کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ منصور عباسی نے جب ان کی شہرت مرجعیت کی عام خبر سنی انہیں تو مدینے سے بلاکر قید کر دیا۔ اور انھوں نے ۱۴۵ھ ہجری کو قید خانے ہی میں انتقال کیا۔ ان کے پانچ صاحبزادے تھے محمد النفس الزکیہ ابراہیم النفس الرضیہ۔ یحییٰ النفس المرضیہ۔ ادریس۔ موسیٰ۔ محمد النفس الزکیہ اس وجہ سے کہ اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ قابل سب سے زیادہ دانشمند۔ سب سے زیادہ خوش رو تھے۔ اپنے والد **عبداللہ المحض** کو بہت عزیز تھے۔ جب عبداللہ المحض کا منصور عباسی کے محبس میں انتقال ہو گیا تو اہل حجاز نے محمد النفس الزکیہ سے بیعت کی اور ان کو اپنا امام اور خلیفہ تسلیم کر کے منصور عباسی پر خروج کیا۔

منصور عباسی نے یہ خبر سن کر ایک لشکرِ جرار مدینے کی طرف روانہ کیا۔ دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ اور کئی روز تک نہایت سختی کے ساتھ کُشت و خُون ہوتا رہا۔ آخر محمد النفس الزکیہ عباسیوں کے ہاتھ سے عین معرکے میں قتل کیے گئے اور بقیع میں مدفون ہوئے ان کے بعد ان کے بھائی ابراہیم النفس الرضیہ نے علمِ امامت اونچا کیا۔ عراقیوں کے ایک جمِ غفیر نے ان سے بیعت کی اور دوبارہ منصور عباسی پر خروج کرنے کی غرض سے لشکر کی ترتیب دی۔ موضع باجمرا میں دونوں لشکروں کی مٹھ بھیڑ ہوئی اور ایک عام خونریزی کے بعد ابراہیم قتل کر دیئے گئے۔ پھر آگے چل کر ہارون الرشید کے زمانۂ خلافت میں عبداللہ المحض کے تیسرے فرزند یحییٰ النفس المرضیہ نے امامت کا دعویٰ کیا اور تھوڑے ہی دنوں میں ہارون الرشید کے اشارے سے زہر ہلاہل دے کر مار ڈالے گئے۔ ان کے بعد ادریس نے مغرب میں امامت کا جھنڈا اونچا کیا اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ موسیٰ نے نہ تو خلافت میں کسی طرح کی نزاع کی۔ اور نہ مدعیِ امامت ہوئے اسی وجہ سے جب تک زندہ رہے تمام خرخشوں اور جھگڑوں سے محفوظ رہے اور خلفائے عباسیہ اور معاندینِ اہلِ بیت کی ریشہ دوانیوں سے بے خوف و مطمئن زندگی بسر کی۔ حسنِ مثنّیٰ کے دوسرے صاحبزادے جن کو حسنِ مثلّث کہتے تھے اپنے بھائی عبداللہ کے ساتھ منصور عباسی کے محبس میں مقید تھے۔ عبداللہ کے انتقال کے بعد منصور کی رائے ہوئی کہ حسنِ مثلّث سے عہد و پیمان لے کر چھوڑ دیا جائے مگر بعض حاسدانِ اہلِ بیت کے کہنے سننے سے اس کی رائے بدل گئی۔ اور حسنِ مثلّث نے قید ہی کی حالت میں وفات پائی۔ حسنِ مثلّث کے پیچھے اگرچہ ان کی کئی اولادیں باقی رہیں مگر سب میں زیادہ فاضل سب میں زیادہ مقتدر سب میں زیادہ شجاع دو صاحبزادے علی اور عباس تھے پھر ان میں علی بڑی قدر و منزلت کے آدمی تھے اور بلحاظ عبادت و زہد اور ورع و تقوائے حسنیین میں بالکل اسی مرتبے کے تھے جیسے امام زین العابدین حسینیین میں۔ علی کی بھی کئی اولادیں تھیں مگر سب میں زیادہ قابل اور ہوشیار حسین تھے جنھوں نے حجاز میں دعوائے امامت کیا اہلِ حجاز اور عراقیوں نے ان سے بیعت کی اور اپنا امامِ برحق تسلیم کیا۔ منصور کا پوتا مہدی کا بیٹا ہادی ان دنوں کرسیِ خلافت پر متمکن تھا۔ اس کو یہ خبر پہنچی تو ایک نہایت خونخوار فوج حجاز کو روانہ کی۔ علی عمرہ کرنے کی غرض سے مکے گئے ہوئے تھے اور ابھی محرم ہی تھے کہ لشکرِ ہادی نے موضعِ فخ میں جو مکے اور تنعیم کے درمیان میں ہے ان کو قتل کر ڈالا۔ ان کے ساتھ اہلِ بیت کی ایک جماعت بھی قتل کی گئی جن میں سلیمان بن عبداللہ بن حسین اور عبداللہ بن حسین بن علی زین العابدین بھی موجود تھے حسنِ مثنّیٰ کے تیسرے صاحبزادے ابراہیم ہیں جو اس وجہ سے کہ جنابِ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی ملتے جلتے تھے الشبیہ کے ساتھ پکارے جاتے تھے ان کی بھی کئی اولادیں تھیں لیکن سب میں ممتاز اسمٰعیل تھے۔ نجد یمن میں اکثر امام انہی کی اولاد میں سے تھے اور جیل اور دیلم میں بھی ان کی بہت سی اولاد بستی تھی۔

امام حسن بن علی المرتضیٰ کے دوسرے صاحبزادے جن سے آگے کو نسل چلی زید ہیں۔ یہ اور ان کے بھائی حسنِ مثنّیٰ اور ان کے ابن عم زین العابدین اس زمانے میں نہایت عزت و وقعت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے اور مذہبی مقتدا تسلیم کیے جاتے تھے زید نے ۱۲۰ھ میں وفات پائی اور اپنے پیچھے اپنی کئی ہونہار اور جیتی جاگتی یادگاریں چھوڑیں جن میں سب سے زیادہ فاضل سب سے زیادہ بزرگ حسن تھے۔ ان کی صاحبزادی نفیسہ مصر میں ولیّہ کے نام سے مشہور تھیں اور بلحاظ علم و فضل خواتینِ مصر بلکہ عراق و شام میں بھی ان کی کوئی نظیر نہ تھی۔ حسن بن زید کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے قاسم کو دینی و دنیاوی دونوں طرح کا عروج

اور وجاہت اور وہ قدر و منزلت حاصل ہوئی کہ سادات حسنیہ کے پچھلے طبقے میں کسی کو میسّر نہیں ہوئی۔

امام حسن بن علی المرتضیٰ کے باقی تین صاحبزادے اُن کے حالات باوجود تحقیقات کے کہیں نہیں ملے۔

ابو عبد اللہ امام حسین بن علی المرتضیٰ ان کا نام حسینؑ۔ کنیت ابو عبد اللہ۔ لقب شہید۔ اور سید اور سید الشہداء ائمہ اثنا عشر میں ان کا تیسرا نمبر ہی۔ ہجرت کے چوتھے سال شعبان کی چوتھی تاریخ منگل کے روز مدینے میں پیدا ہوئے۔ حضرت حسن کی ولادت کے پچاس روز بعد ان کا علوق بطنِ مادر میں پڑا۔ یعنی امام حسین اپنے بھائی امام حسن کی پیدایش کے پچاس روز بعد اپنی والدہ کے پیٹ میں آئے۔ پیغمبر صاحب نے ان کا بھی ساتویں روز عقیقہ اور ختنہ کیا اور اسی روز حسینؑ نام رکھا۔ یہ سینے سے پانوں تک پیغمبر صاحب کے مشابہ تھے۔ پیغمبر صاحب ان کے حق میں فرمایا کرتے تھے کہ حسین مجھ سے ہی اور میں حسین سے۔ خدا اُس شخص کو دوست رکھتا ہی جو حسینؑ کو دوست رکھتا ہی اور اُس کو ذلیل و خوار کرتا ہی جو حسینؑ سے عداوت رکھتا ہی۔ آن کی دعویِ خلافت اور شہادت کا مختصر تذکرہ ضمیمے میں لکھا گیا ہی وہاں دیکھو امام حسین رضی اللہ عنہ کے چھ صاحبزادے۔ علی اکبرؑ۔ علی اصغرؑ۔ عبد اللہ۔ محمد۔ جعفرؑ۔ حسنؑ اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ زینبؑ۔ سکینہؑ۔ فاطمہؑ۔ علی اکبر اور عبد اللہ تو اپنے والد امام حسین کے ساتھ موضع کربلا میں شہید ہوگئے۔ اور محمد اور جعفر اور حسن کم سنی ہی میں انتقال کر گئے صرف علی اصغر یعنی امام زین العابدین عمرِ طبعی کو پہنچے۔ اور ان ہی سے امام حسین رضی اللہ عنہ کی آگے نسل چلی۔

امام علی الاصغر زین العابدین بن حسین بن علی المرتضیٰ یہ ائمۂ اثنا عشر میں چوتھے امام ہیں۔ ان کا نام علی الاصغر کنیت ابو محمد اور ابو بکر یا ابو الحسن لقب سجاد۔ اور زین العابدین۔ ہجرت کے چھتیسویں یا اڑتیسویں سال مدینے میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ کا نام شہر بانو تھا اور وہ صاحبزادی تھیں یزدجرد بادشاہِ ایران کی۔ ان کے زین العابدین کے ساتھ ملقب ہونے کے متعلق اہلِ تاریخ نے ایک نہایت ہی عجیب اور دلچسپ حکایت نقل کی ہی کہ محترم امام ایک رات نمازِ تہجد میں مصروف تھے شیطانِ لعین ایک نہایت خوفناک اژدہے کی صورت میں متشکل ہوکر ان کے سامنے آکھڑا ہوا تاکہ ان کو اس وقت کی نماز سے باز رکھے اور جب انھوں نے اُس کی طرف کچھ التفات نہیں کیا۔ اور حسبِ دستور خشوع و خضوع سے نماز پڑھتے چلے گئے تو اُس نے ان کے پانوں میں کاٹ کھایا اور اس زور سے کاٹا کہ فاضل امام باوجود اُس محویت اور استغراق کے جو آپ کو حالتِ نماز میں حاصل تھا بےچین ہوگئے۔ پانوں حد سے زیادہ ورم کر آیا اور زخم میں سے نیلا نیلا پانی بہنے لگا۔ اس حالت سے ظاہر ہوتا تھا کہ امام زین العابدین کو سخت تکلیف ہوئی ہوگی یہ سب ہیچ تھا لیکن فاضل امام اُسی طرح مصروفِ نماز تھے۔ جس طرح مصروف ہونا چاہیئے تھا اسی اثنا میں دفعتًہ ایک طرف سے آواز آئی کہ یہ اصل میں اژدہا نہیں ہی۔ شیطان ہی اژدہے کی صورت میں۔ امام زین العابدین نے اُس کے ایک طمانچہ مارا اور لاحول پڑھی۔ اس سے وہ اژدہا دھواں بن کر ہوا میں اُڑ گیا۔ اور غیب سے آواز آئی کہ یا زین العابدین اُسی روز سے آپ اس لقب کے ساتھ مشہور ہوگئے واقعۂ کربلا میں اپنے والدِ بزرگوار کے ساتھ موجود تھے مگر علالت کی وجہ سے لشکرِ یزید کے مقابلے میں نہ آسکے اور اسی سبب سے آخر کار یزید نے ان کو رہا کر دیا۔

امام زین العابدین اپنے زمانے کے مشہور و نامور فضلا میں اول نمبر کے ممتاز فاضل تھے۔ اور زہد و عبادت اور ورع و تقویٰ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اور اسی وجہ سے مرجع الخلائق بھی تھے۔ لوگ دور دور سے ریگستانِ عرب کی سخت اور دشوار گزار

منزلیں طے کر کے حاضر خدمت ہوتے اور ظاہر و باطن کے فیض سے مستفید و مستفیض ہوتے - عبد الملک بن مروان کو جب یہ معلوم ہوا تو اُس نے اس بات پر خیال کہ مبادا امام زین العابدین خروج کر کے خلافت کے دعویدار ہوں - اِن کو بُلا کر قید کر دیا لیکن جب اُسے اچھی طرح تحقیق ہو گیا کہ یہ دعویٰ خلافت کرنے اور لڑنے بھڑنے کے لوگ نہیں ہیں تو قید سے رہائی دے دی اٹھارہویں محرم ۹۴ھ کو انتقال کیا کہتے ہیں کسی معاندین اہل بیت کی سازش سے زہر دیا گیا - ان کے انتقال کے بعد روئے زمین پر بجز ان کی نسل کے اور کوئی حسینی نہ تھا ان کی اولاد کا شمار دس کے قریب تک پہنچتا ہے - لیکن اُن میں پانچ صاحبزادے علم و فضل میں مشہور اور زہد و اتقا میں معروف ہیں - محمد الباقر ایک یہ عمر میں سب سے بڑے اور علم و فضل میں سب سے ممتاز تھے - زید دو - ان کا لقب تھا صاحب المذہب ان کے مناقب فضائل تواریخ میں بہت تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں اور ان کی اُن تصانیف مفیدہ کو بھی بعض مورخوں نے گنوایا ہے جو انھوں نے وقتاً فوقتاً حسب ضرورت تصنیف کی ہیں آخر میں انھوں نے خلافت کا دعویٰ کیا اور ۱۲۱ھ ہجری میں ہشام بن عبد الملک کے لشکر نے انھیں قتل کر ڈالا ان کی قبر خراسان میں ہے - ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے یحییٰ دعویدار خلافت ہوئے اور انجام کار ہشام کے لشکر کے ہاتھوں شہید ہوئے - ان کی قبر بلاد عجم کے مشہور موضع **جورجان** میں اب تک موجود ہے - یحییٰ کے علاوہ زید بن علی کے چھ فرزند اور بھی تھے عیسیٰ - محمد - حسن - عبد اللہ - عمر - حسین - مگر ان میں سے کسی نے خلافت کا دعوےٰ نہیں کیا - اور آگے کو ان کی نسل بھی نہیں چلی - یہیں سے بنی اُمیہ کی دولت کا زوال اور بنو العباس کی خلافت کا آغاز ہوا - عباسیوں کا زمانہ اہل بیت کے حق میں بنو اُمیہ کے زمانے سے بھی زیادہ خطرناک تھا اس زمانے میں جو محنتیں اور تکلیفیں اہل بیت نے اُٹھائیں قابل ذکر نہیں -

(۶) امام محمد الباقر بن علی زین العابدین

ان کا نام محمد - کنیت ابو جعفر - لقب باقر - یہ امام زین العابدین کے فرزند اکبر ہیں ۵۷ھ صفر کے مہینے میں جمعے کے روز مدینے میں پیدا ہوئے ان کی والدہ کا نام فاطمہ تھا اور وہ صاحبزادی تھیں امام حسن بن علی المرتضیٰ کی - جابر بن عبد اللہ پیغمبر صاحب کے مشہور صحابی جو اس وقت نابینا ہو گئے تھے موجود تھے - امام باقر نے ان کا شہرہ سُنا تو ملاقات کی غرض سے حاضر ہوئے - جابر نے فرمایا صاحبزادے! تم کون ہو - امام باقر نے کہا میں ہوں حسین کا پوتا - زین العابدین کا بیٹا باقر - حضرت جابر نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور کمال الفت و مہربانی سے اپنے پاس بٹھالیا - ان کا انتقال ساتویں ذی الحجہ ۱۱۴ھ کو مدینے میں ہوا - ستّاون برس کی عمر پائی مدینے کے گورستان جنت البقیع میں مدفون ہوئے - ان کے کئی اولادیں تھیں لیکن علم و فضل کی شہرت صرف دو صاحبزادوں یعنی جعفر الصادق اور عبد اللہ کو حاصل تھی - اوّل الذکر روایت و درایت اور حفظ میں انتہا درجے کا ملکہ رکھتے تھے اور عبد اللہ حفاظ حدیث میں اوّل نمبر کے حافظ شمار کیے جاتے تھے -

(۷) امام جعفر الصادق بن محمد الباقر

ان کا نام جعفر - کنیت ابو عبد اللہ - لقب صادق ۸۰ھ میں ربیع الاول کی تیرھویں تاریخ روز دوشنبہ کو پیدا ہوئے - ان کی والدہ کا نام اُم فروہ تھا اور وہ صاحبزادی تھیں قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق کی یہ اہل بیت کے موجودہ لوگوں میں نہایت بزرگ تسلیم کیے جاتے تھے اور ان کا تقدس و تعزز تمام اہل حجاز کے نزدیک مسلّم تھا - علمائے سادات میں اول درجے کے عالم و فاضل شمار کیے جاتے اور جود و کرم میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے خلیفہ منصور کو علویوں سے اتنی عداوت تو نہ تھی - جتنی اور خلفائے عباسیہ کو لیکن تاہم وہ ان لوگوں سے بدظن ضرور تھا - اور اسی وجہ سے

وہ کبھی اِن کی طرف سے مطمئن نہیں رہا۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہی کہ اہلِ بیت کے کسی دشمن نے خلیفہ منصور سے امام جعفر صادق کی چغلی جالگائی اور اُس نے اپنے مصاحب ربیع نام کو اِن کے بُلانے کو بھیجا۔ جب یہ دربار میں پونہچے تو خلیفہ نے ایک نہایت طیش اور برہمی کے لہجے میں کہا جعفر! اگر میں تم کو قتل نہ کروں تو خدا مجکو قتل کرڈالے۔ جب سے میرے کان میں یہ لفظ پڑے ہیں کہ تم زمین میں ہر طرف فسادات برپا کرتے پھرتے اور چاہتے ہو کہ زمین کو مسلمانوں کی خونریزی سے آلودہ کرو۔ مَیں اپنی انگلیاں چبا چبا لیتا ہوں۔ امام جعفر نے نہایت متانت اور سنجیدگی سے فرمایا کہ نہ میں نے زمین میں کسی طرح کا فساد پھیلایا نہ پھیلانا چاہتا ہوں مسلمانوں کی خونریزی کا نہ کبھی مجھے خیال آیا نہ آسکتا ہی۔ جس شخص نے آپ کے دل میں یہ خیال ڈالا ہی محض جھوٹا اور مفتری ہی خلیفہ یہ سُن کر بہت خوش ہوا اور امام جعفر کو اُن کا ہاتھ پکڑ کر اپنے تخت پر بٹھالیا۔ اور جس نے اِن کی چغلی کھائی تھی اُس کو بلاکر قتل کرادیا امام جعفر الصادق کبھی عراق میں رہتے تھے اور کبھی مدینے میں۔ عبد اللہ المحض کے صاحبزادے محمد النفس الزکیہ نے جب عباسیوں پر خروج کیا ہی تو انھیں اپنے ساتھ چلنے اور عباسیوں سے لڑنے کی بڑی سختی کے ساتھ تحریک کی مگر انھوں نے اپنے بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے معذرت کردی۔ اور اپنے دونوں صاحبزادوں عبد اللہ اور موسیٰ کو اُن کے ساتھ کردیا۔

امام جعفر الصادق نے رجب کی پندرھویں تاریخ روز جمعہ ۱۴۹ھ کو مدینے میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے امام جعفر کے نو فرزند تھے لیکن جن پر تاریخی روشنی پڑچکی ہی پانچ ہیں۔ اسمٰعیل ایک۔ یہ اپنے والد سے پیشتر ہی انتقال کرگئے تھے اور فرقہ اسمٰعیلیہ اپنے تئیں اِن ہی کی طرف منسوب کرتا ہی۔ عبد اللہ دو۔ محمد تین۔ موسیٰ چار۔ اسحٰق پانچ۔ یہ پانچوں حضرات اہلِ فضل و اہلِ روایت و درایت کے ساتھ شہرت رکھتے۔ اور علم و فضل کے امام مانے جاتے تھے۔ اِن میں سے صرف محمد نے خلافت کا دعویٰ کیا اور حجاز میں اِن کے لیئے بیعت لی گئی۔ آخر کار ہارون الرشید کے فرزند مامون نے اِن کو نظر بند کرلیا۔ اور یہ زمانہ وفات تک مامون ہی کے پاس رہے۔

(۷) امام موسیٰ کاظم بن جعفر الصادق

اِن کا نام موسیٰ۔ کنیت ابوالحسن یا ابوابراہیم۔ لقب کاظم اِن کی والدہ حمیدہ بربریہ اُمّ ولد تھیں۔ جن کو امام محمد باقر نے اپنے صاحبزادے جعفر کے لیئے ستر دینار کو خریدا تھا۔ امام موسیٰ ساتویں صفر روز یکشنبہ ۱۲۸ھ ہجری کو موضع ابوا میں جو مکے اور مدینے کے درمیان میں واقع ہی پیدا ہوئے۔ انھوں نے باوجود اس کے کہ خلافت کے اہل تھے نہ کبھی دعویٔ خلافت کیا نہ کسی خلیفہ پر خروج کرنا چاہا۔ منصور کا بیٹا مہدی یہ سُن کر کہ موسےٰ کاظم کے تقدس کا سکہ تمام حجاز میں بیٹھ گیا ہی اور وہ خروج کا ارادہ رکھتے ہیں خود مدینے پونہچا اور امام موسیٰ کاظم کو بغداد میں لاکر قید کردیا۔ ایک رات کا ذکر ہی کہ مہدی نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کو خواب میں دیکھا کہ وہ اس سے بطریق سرزنش و ملامت فرما رہے ہیں اَيُّهَا الْمَهْدِيُّ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ مہدی بیدار ہوا تو اس نے ربیع حاجب کو مجلس میں آدھی رات کو روانہ کیا۔ وہ امام موسیٰ کاظم کو اپنے ہمراہ لے آیا۔ مہدی نے اِن کو آتے دیکھا تو جھٹ تعظیماً کھڑا ہوگیا معانقہ کیا۔ اور ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ تخت پر بٹھالیا۔ اور اپنا خواب بیان کیا۔ امام موسیٰ نہایت متانت اور خاموشی کے ساتھ مہدی کی ساری باتیں سُنتے رہے۔ آخر کار مہدی بولا کہ موسےٰ کیا تم مجھے اطمینان دلاسکتے ہو کہ مفسدوں کے

ف۱ یہ سورۂ محمد کے تیسرے رکوع کی آیت ہی مفسرین نے اس کے معنی میں اختلاف کیا ہی اور اختلاف پیدا ہوا تولیتم کے لفظ سے لغت میں تولی کے دو معنی ہیں منہ موڑنا اور والی و حاکم ہونے کے آیت کا سیاق و سباق چاہتا ہی پہلے معنی کو اور اسی لیے اکثر مفسرین نے یہی معنی اختیار کیے ہیں اور ہم نے بھی اسی کو ترجیح دی چنانچہ ہم نے اس آیت کا یوں ترجمہ کیا ہی

ساتھ ہوکر مجھ پر خروج تو نہیں کرو گے - امام موسیٰ نے فرمایا واللہ میں نے خروج نہیں کیا - اور کروں گا بھی نہیں - مہدی نے یہ سن کر اپنے حاجب ربیع کو حکم دیا کہ موسیٰ کے لئے سامان سفر فوراً مہیا کرو - اور دس ہزار درہم ان کی نذر کرکے امن و عافیت کے ساتھ مدینے پہنچا دو - ربیع نے راتوں رات سارا سامان سفر جمع کر دیا اور صبح ہوتے ہی امام موسیٰ خلیفہ سے رخصت ہوکر مدینے روانہ ہو گئے -

امام موسیٰ کاظم ہارون الرشید کے زمانہ خلافت تک نہایت سکون و اطمینان سے مدینے بیٹھے رہے لیکن پھر حسّاد نے ان کی طرف سے جھوٹی جھوٹی بے اصل باتیں ہارون الرشید کے گوش گزار کیں - اور اس نے ان کو مدینے سے بلا کر بغداد میں قید کر دیا اور یہ قید خانے ہی میں انتقال کر گئے - بیان کیا جاتا ہے کہ یحییٰ بن خالد ہارون الرشید کے وزیر اعظم نے ہارون الرشید کے ایما سے امام موسیٰ کاظم کو چھوہارے میں زہر ملا کر دے دیا اور محترم امام تین روز بعد ۱۸۳ھ ہجری میں روز جمعہ کو انتقال کر گئے - امام موسیٰ کاظم کے انتقال کے بعد ان کی تیس اولادیں ذکور و اناث باقی رہیں جن میں علی الرضا اور احمد بڑے پایئے کے آدمی تھے - اور ان دونوں میں علی الرضا خصوصیت کے ساتھ بڑے مقتدر اور صاحب علم و فضل تھے -

(۸) امام علی الرضا ابن موسیٰ کاظم

ان کا نام علی - کنیت ابو الحسن - لقب رضا - ۱۵۱ھ ربیع الاول کی گیارھویں تاریخ روز پنجشنبہ کو پیدا ہوئے - یہ بھی ایک ام ولد کے پیٹ سے پیدا ہوئے جس کے نام کی تعیین میں مورخوں کا اختلاف ہے کوئی ام البنین بتاتا ہے کوئی شامتہ اور کسی نے نجیبہ لکھا ہے - خلیفہ ہارون الرشید کے بعد اس کا فرزند مامون تخت نشین ہوا - تو اس نے شروع شروع میں اپنے دربار میں علویوں کا وہی ادب و احترام قائم رکھا - جو ان کی شان کے شایان و سزاوار تھا اور امام علی الرضا سے تو اس کو اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ بے ان کے چین ہی نہیں پڑتا تھا آخر کار مامون نے امام علی الرضا کو اپنا ولیعہد قرار دے دیا - اور اب دونوں میں وہ اتحاد و اتفاق دکھائی دینے لگا جو ایک حقیقی پاک نفس مہربان بھائی کو بھائی کے ساتھ ہوا کرتا ہے - امام علی الرضا جب جب ماموں سے ملاقات کرنے دربار میں جاتے تو امراء دربار نہایت جوش محبت اور تعظیم کے ساتھ ان کا استقبال کرتے اور سراپردہ جو خلیفہ کے آگے لٹکا رہتا تھا ان کے داخل ہونے کے لئے اٹھاتے تھے مگر مامون کانوں کا بہت کچا تھا اور اس کی طبیعت میں زیادہ ثبات و استقلال نہ تھا - بعض امراء دربار کے حسد و بغض کی وجہ سے بے تحقیق کئے امام علی الرضا سے بدگمان ہو گیا - پہلے انہیں بیعت کی تکلیف دی - اور جب وہ اس سے بیعت کر چکے تو بلاد عجم میں انھیں جلاوطن کر دیا اور اس سے بھی دل ٹھنڈا نہ ہوا - تو زہر دلوا کر مروا ڈالا - امام علی الرضا کا انتقال ولایت طوس کے موضع سنایا میں نویں رمضان المبارک ۲۰۲ھ ہجری کو ہوا -

(۹) امام محمد تقی بن علی الرضا

ان کا نام محمد - کنیت ابو جعفر - لقب تقی - ان کی والدہ کا نام ریحانہ تھا جو ماریہ قبطیہ کے قبیلے سے تھیں - دسویں رجب ۱۹۵ھ ہجری روز جمعہ کو مدینے میں پیدا ہوئے - چونکہ کمال علم و ادب اور فضل و بزرگی کے ساتھ موصوف تھے حجاز و عراق کا جم غفیر ان کے فیض باطن سے مستفید و مستفیض تھا مامون الرشید کی پیشانی پر امام علی الرضا کی زہر خورانی کا داغ بدنامی لگا ہوا تھا اگرچہ ہر چند لیکن ساتھ ہی وہ اپنی اس حرکت بے جا سے نہایت ہی شرمندہ ہوا اور اس داغ بدنامی کے مٹانے کے لئے اس نے اپنے لخت جگر ام الفضل کو جو اسے سب سے زیادہ عزیز اور محبوب تھی امام محمد تقی کے نکاح میں دے کر ان کے ہمراہ مدینے روانہ کر دیا اور ہزار دینار سالانہ ان کے خرچ کے لئے بیت المال سے بھیجتا رہا - مامون الرشید کے ان

پر اس درجہ مہربان ہونے کے متعلق ایک نہایت دلچسپ حکایت کتب تواریخ میں لکھی ہے کہ امام محمد نقی کی گیارہ برس کی عمر تھی - اور یہ محلّے کے بچّوں کے ساتھ بغداد کے ایک منظرِ عام میں کھڑے ہوئے تھے - مامون شکار کے لیئے باہر جاتے ہوئے اِدھر سے گزرا - اور لڑکے تو خلیفہ کی سواری دیکھ کر اِدھر اُدھر بھاگ گئے لیکن امام محمد نقی اُسی جگہ کھڑے رہے - مامون اِن کے قریب پونہچا تو اُس نے اپنی سواری روک لی اور ان کی طرف رُوئے سخن کر کے کہا لڑکے! تُو اَور لڑکوں کی طرح یہاں سے کیوں نہیں بھاگا - امام محمد نقی نے جواب دیا کہ رستہ کچھ ایسا تنگ تو تھا نہیں کہ میرے چلے جانے سے کشادہ ہو جاتا اور مَیں کسی جُرم کا مرتکب بھی نہیں ہوا ہوں کہ اُس کے خوف سے بھاگ جاتا علاوہ بریں میرا گمان آپ کے حق میں یہ ہی اور یہی ہے کہ آپ کسی کو ناحق تکلیف نہیں پونہچاتے - امام محمد نقی کا یہ برجستہ اور معقول جواب سُن کر مامون بہت خوش ہوا اور اس نے دوبارہ پُوچھا کہ صاحبزادے تمھارا نام کیا ہے؟ اور تمھارے والد کون ہیں؟ امام محمد نقی نے نہایت متانت اور سنجیدگی کے لہجے میں فرمایا میرا نام محمد ہے اور میرے والدِ مرحوم کو علی الرضا کہتے ہیں مامون نے یہ سُنا تو فوراً علی الرضا کی صورت اُس کی آنکھوں تلے پھر گئی اور امام محمد نقی کی محبّت و وقعت اس کے دل میں گھر اتر گئی - شکار گاہ سے لوٹتے ہوئے وہ انھیں اپنے ہمراہ لے گیا - اور نہایت خاطر ومدارات سے پیش آیا اور آخرِ کار اپنی بیٹی اُمّ الفضل سے ان کا نکاح کر دیا - ۲۲۱ھ میں مامون کا انتقال ہوا اور اس کے تین مہینے بعد ماہ ذیقعدہ روز سہ شنبہ کو امام محمد نقی نے زہر کے صدمے سے وفات پائی - کہتے ہیں معتصم باللہ کے ایما سے جو مامون کے بعد خلیفہ ہوا ان کو زہر دیا گیا

(۱۰) امام علی تقی بن محمد نقی

ان کا نام علی - کنیت ابوالحسین و ابوالحسن - لقب عسکری اور تقی - ان کی والدہ کا نام اُمّ الفضل تھا تیرھویں رجب ۲۱۲ھ ہجری کو مدینے میں پیدا ہوئے - خلیفہ متوکّل ان پر بہت مہربان تھا اور ان کے علم و فضل کی انتہا سے زیادہ قدر کرتا تھا اور اسی وجہ سے دربارِ خلافت میں ان کا وہ ادب و احترام کیا جاتا تھا جو ان کی شان کے لائق تھا لیکن معاندینِ اہلِ بیت نے کسی زمانے میں اس محترم خاندان کے لوگوں کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا اور ہمیشہ ان کے تکلیف و ایذا کے درپے رہے - امام علی تقی کا زمانہ بھی حُسّاد سے خالی نہ تھا - ایک دن کسی بدخواہِ اہل بیت نے خلیفہ متوکّل سے جا لگایا کہ علی تقی نے بے شمار خزانہ اپنے گھر میں جمع کر رکھا ہے اور بہت سے ہتیار عراق و شام سے منگا کر فراہم کیے ہیں - اگر خلیفہ نے بہت جلد اس کا تدارک نہ کیا تو کوئی دن جاتا ہے کہ علی تقی بغاوت کا جھنڈا اُونچا کر کے ایسے فسادات برپا کریں گے جن کا دفع کرنا خلیفہ کو سخت مشکل پڑ جائے گا - متوکّل یہ سُن کر خوف کے مارے سر سے پاؤں تک کانپ اُٹھا اور اُس نے فوراً اپنے ایک مقرّب سعید نامی کو بُلا کر کہا کہ آج جب آدھی رات گزر جائے تو فوج کا ایک دستہ لے کر علی تقی کے مکان پر پونہچو اور غفلت کا وقت تاک کر مکان میں گھس جاؤ پھر از قسمِ ہتیار اور مال و دولت جو چیز گھر میں پاؤ سب نکال لاؤ - سعید نے نہایت چستی کے ساتھ اس کا انتظام کیا اور آدھی رات گزر لی تو چند تجربہ کار اور دلیر سواروں کو ہمراہ لے کر امام علی تقی کے مکان پر جا پونہچا - مکان کے اندرونی حصّے میں سکوت و خاموشی پھیلی ہوئی تھی اور سب طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا - سعید اہلِ خانہ کو غافل خیال کر کے سیڑھی کے ذریعے سے مکان میں اُتر گیا اور دیوانہ وار اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارنے لگا - امام علی تقی اپنے حجرے میں مشغولِ نماز تھے سلام پھیر کر آواز دی کہ سعید ذرا ٹھیر جا کہ میں شمع روشن کر دوں - سعید کا بیان ہے کہ شمع روشن ہوئی تو مَیں نے دیکھا کہ امام علی تقی کے جسم کو بالوں کا لباس چھپائے ہوئے ہے اور خود ایک مصلّے پر رُو بقبلہ بیٹھے ہیں اور فرما رہے ہیں سارا گھر تمھارے سامنے پڑا ہے جو پاؤ شوق سے لے جاؤ - مَیں نے سارے گھر کا گوشہ گوشہ چھان مارا مگر مجھے تو بجز اشرفیوں کی ایک سر بمُہر تھیلی اور ایک تلوار کے کچھ ملا نہیں - چنانچہ میں نے یہ دونوں چیزیں اُٹھا لیں اور دربار میں حاضر ہو خلیفہ متوکّل کے سامنے رکھ دیں - متوکّل کو اشرفیوں کی سر بمُہر تھیلی دیکھ کر سخت تعجّب ہوا - تعجّب کی وجہ یہ تھی کہ اس تھیلی پر

متوکل کے ماں کی مُہر لگی ہوئی تھی۔ متوکل نے درباریوں سے پُوچھا کہ یہ تھیلی کیسی ہے اور اس کا قصّہ کیا ہے لوگوں نے بیان کیا کہ جس زمانے میں آپ کی ران میں پھوڑا نکلا تھا تو آپ کو یاد ہوگا کہ تمام اطبا اُس کے علاج سے عاجز آگئے تھے اور ہم لوگوں کو مایوسی ہوگئی تھی۔ اس حالت میں علی تقی کی طرف رجوع کیا گیا تو اُن کی دوا اور دُعا سے ایک ہی دن میں پھوڑا پکا اور پھُوٹا اور زخم مُندمل ہوگیا۔ اس کے شکریئے میں آپ کی والدہ نے یہ تھیلی اُن کی خدمت میں بھیجی تھی جو ابھی تک جیسی کی تیسی موجود ہے۔ متوکل نے سعید سے کہا کہ اس تھیلی کے ساتھ ایک اور تھیلی ملا کر اور تلوار پر سونے کا قبضہ چڑھا کر علی تقی کی خدمت میں لے جاؤ اور میری طرف سے معذرت کردو۔ سعید نے فوراً تعمیل حکم کی اور امام علی تقی کی خدمت میں خلیفہ کی طرف سے اور خلیفہ کے ساتھ اپنی طرف سے بہت کچھ معذرت کی امام علی تقی نے مُسکرا کر فرمایا وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ[1] ان کی وفات مستنصر باللہ کے زمانہ خلافت میں آخر ماہ جمادی الاُخریٰ ۲۵۴ھ کو چالیس یا اکتالیس برس کی عمر میں ہوئی۔

(۱۱) امام حسن زکی بن علی تقی

ان کا نام حسن۔ کُنیت ابو محمد۔ لقب زکی۔ ان کی والدہ کا نام سوسن تھا ۲۳۱ھ کو مدینے میں پیدا ہوئے۔ اور اُنتیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ کہتے ہیں کہ خلیفۂ بغداد کے اشارے سے اِن کے کھانے میں زہر ملایا گیا اور اسی سے ان کا انتقال ہوا۔

(۱۲) امام محمد مہدی بن حسن زکی

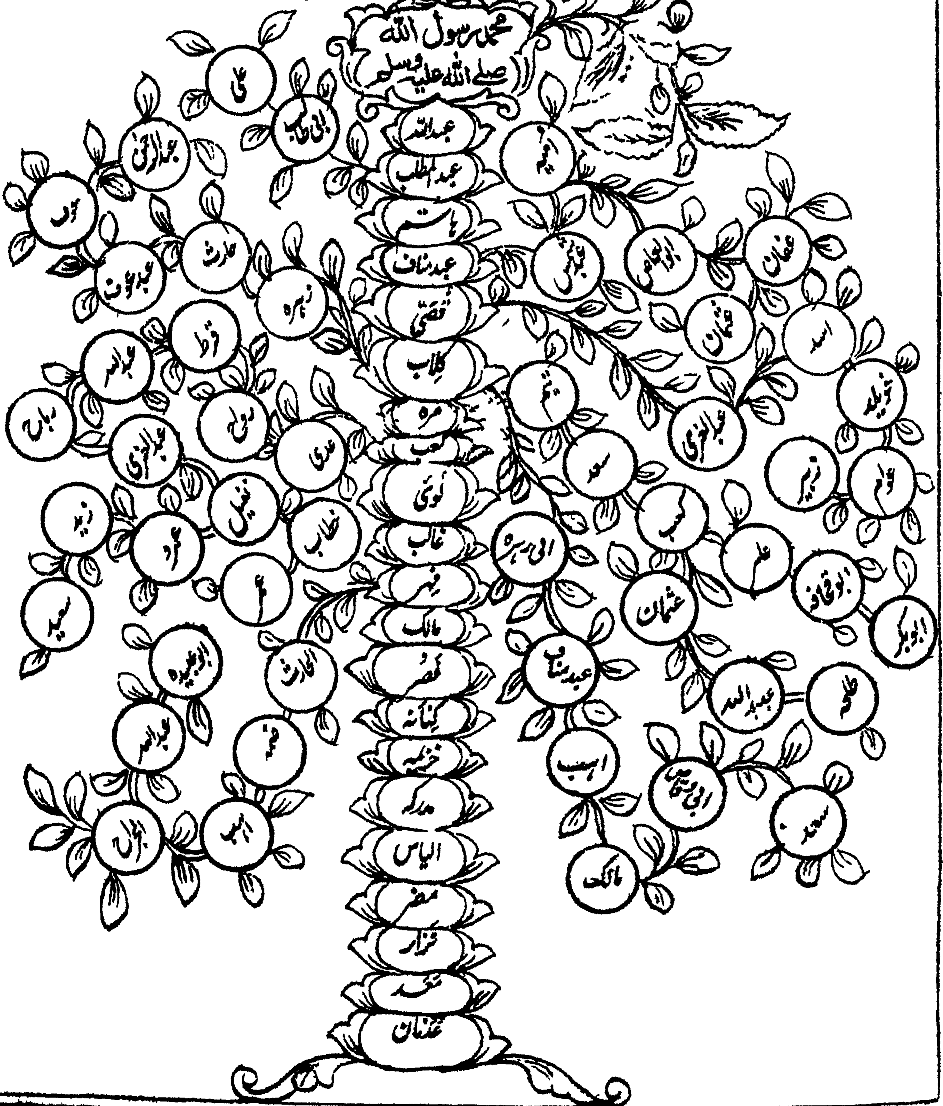
ان کا نام محمد۔ کُنیت ابو القاسم۔ لقب مہدی اور حجۃ اللہ اور قائم اور منتظر۔ تیرھویں رمضان المبارک ۲۵۸ھ ہجری کو موضع سُرّ مَن رائے میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ کا نام نرجس تھا۔ یہ بارھویں امام ہیں جن کے بارے میں اہل السنۃ والجماعت اور اہلِ تشیع کا سخت اختلاف ہے اہلِ تشیع کا اعتقاد ہے کہ امام محمد وہی مہدیِ آخر الزماں ہیں جن کی نسبت پیغمبر صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ آخر زمانے میں میری اُمت بلکہ میرے اہلِ بیت میں سے حضرت مسیح کے آسمان سے اُترنے سے پیشتر ایک شخص ظاہر ہوگا جسے مہدی کہیں گے وہ روئے زمین سے کفر کی تاریکی کو مٹا کر ہر چہار طرف ایمان کی روشنی کو پھیلاوے گا۔ اہلِ تشیع کا یہ بھی بیان ہے کہ امام محمد مہدی خضر علیہ السلام کی طرح عمر جاوید دیئے گئے ہیں وہ زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے لیکن بالفعل آدمیوں کی نظروں سے غائب ہیں۔ اہلِ تسنّن کہتے ہیں کہ یہ امام محمد مہدی۔ مہدیِ آخر الزماں نہیں ہیں۔ مہدیِ آخر الزماں تو آخری دور میں قیامت کے برپا ہونے سے کچھ ہی پہلے پیدا ہوں گے۔ ان کا نام محمد ہوگا اور والد کا نام عبداللہ۔ حضرت مسیح ان کی اقتدا کریں گے۔ اور دونوں مل کر کُفار سے جہاد کریں گے یہ امام محمد بن حسن زکی وہ ۲۵۸ھ ہجری میں پیدا ہو کر ۲۶۴ھ یا ۲۶۵ھ یا ۲۶۶ھ میں وفات پاگئے واللہ اعلم۔ وھذا آخر ما لخصناہ من الریاض المستطابۃ للفاضل یحیی بن ابی بکر العامری الیمنی +

---

[1] اور جھوں نے لوگوں پر ظلم کیئے ہیں اُن کو مرنے پر عنقریب معلوم ہوجائے گا کہ کیسی جگہ اُن کو لوٹ کر جانا ہے ۱۲+

ضمیمہ نمبر (۲)

عشرۂ مبشرہ کے اسمار گرامی یہ ہیں ابوبکر صدیق۔ عمر بن الخطاب۔ عثمان بن عفان۔ علی بن ابی طالب۔ طلحہ بن عبید اللہ۔ زبیر بن العوام۔ عبدالرحمن بن عوف۔ سعد بن ابی وقاص۔ سعید بن زید۔ ابوعبیدہ بن الجراح۔ عشرۂ مبشرہ کے مفاخر و فضائل اور اُن کی خصوصیات و مآثر اور اُن کی خدمات اسلام کتب احادیث و سیر میں اس کثرت سے مذکور ہیں کہ اگر ہم اُن کا دسواں حصہ بھی منتخب کریں تو اُس کے لیئے ایک علحدہ ضخیم کتاب تیار کرنی پڑے اس لیئے ہم اس موقع پر نہایت اختصار کے ساتھ ہر ایک مبشر بالجنۃ کے چند مفاخر اور خدمات ذکر کرنے پر بس کرتے ہیں ہم نے مفاخر و خدمات دونوں کی علحدہ علحدہ فہرست دکھائی ہے اور ہر منقبت و خدمت پر ہندسے دیئے ہیں۔ قبل اس کے کہ ہم ہر ایک صحابی کے جلیل القدر مفاخر اور نمایاں خدمات کا ذکر کریں اُن کا ایک شجرۂ نسب دکھاتے ہیں جس سے اُن کا وہ خاندانی تعلق جو جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُن کو ہے باسانی ظاہر ہوتا ہے۔



(۱) ابوبکر الصدّیق العتیق عبداللہؓ ان کا نام عبداللہ۔ کنیت ابوبکر۔ عتیق اور صدیق لقب ان کے والد ابو قحافہ۔ ماں امّ سلمٰے بنت صخر۔ ان کا شجرۂ نسب ساتویں پشت میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہی جیسا کہ شجرۂ نسب سے ظاہر ہوتا ہی۔

حضرت ابوبکر صدیق کے مفاخر

حسبِ تفصیل ذیل ہیں

(۱) چالیسؔ برس کی عمر میں جب جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے نبوّت کا اظہار کیا تو اس کے چند ہی روز بعد حضرت ابوبکر صدیق نے ۳۷ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ ان سے پہلے صرف تین شخص یعنی جناب پیغمبر صاحب کی بی بی اُمّ المؤمنین خدیجہؓ اور پیغمبر صاحب کے چچازاد بھائی علی بن ابی طالب اور خدیجہ کے غلامِ آزاد زید بن حارث مشرف باسلام ہو چکے تھے پس ابوبکر صدیق سابقین اوّلین مسلمانوں میں ہیں (۲) ان کے مشرف باسلام ہونے کا سبب ایک وہ مشہور واقعہ ہی جو کتب سیر میں بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہی مختصر یہ ہی کہ ابوبکر صدیقؓ زمانہ بعثت سے کچھ قبل شام میں تجارت کو گئے ہوئے تھے خواب میں دیکھا کہ ایک جگمگاتا ہوا نور آسمان سے خانۂ کعبہ کی چھت پر گرا اور اُس کا تھوڑا تھوڑا حصہ مکّے کے ہر ایک گھر میں پونہچا۔ مگر تھوڑی دیر گزری تھی کہ وہ نور سب طرف سے سمٹ سمٹا کر پہلے کی طرح جمع ہوگیا۔ اور پھر میرے گھر کی طرف رُخ کیا میں نے گھر کا دروازہ بند کر دیا۔ صبح ہوئی تو میں نے ایک یہودی معبّر سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی۔ مگر اُس سے کچھ سُراغ نہ چلا۔ دوبارہ جب میں ملکِ شام کو تجارت کی غرض سے گیا تو بحیرا راہب سے اس خواب کی تعبیر پوچھی اُس نے کہا تم کون ہو اور کہاں کے رہنے والے ہو میں نے اپنا سارا واقعہ بیان کر دیا اُس نے کہا تم لوگوں میں نبی آخر الزمان پیدا ہوگا۔ جس کا دین مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گا تم اُن کی زندگی میں وزیر اور وفات کے بعد خلیفہ ہو گے ابوبکر صدیقؓ مکّے واپس چلے آئے۔ اسی اثناء میں پیغمبر صاحب مبعوث ہوئے اور آپنے ابوبکر صدیق کو اسلام کی تبلیغ کی ابوبکر صدیق بے طلبِ دلیل فوراً مسلمان ہو گئے (۳) ابوبکر صدیقؓ کے اس سہولت کے ساتھ اسلام لانے کی وہ روایت بڑے زور سے تائید کرتی ہی جو بخاری نے ابوالدرداء سے نقل کی ہی کہ میں ایک روز پیغمبر صاحب کے پاس بیٹھا تھا کہ ابوبکر صدیق کچھ رنجیدہ خاطر سے آئے اور کہا یا رسول اللہ مجھ میں اور عمر بن الخطاب میں ایک طرح کی رنجش ہوگئی ہی اور چونکہ پہل میری ہی طرف سے ہوئی تھی۔ اس لیئے میں نے نادم ہو کر اُن سے معافی چاہی مگر وہ رضی نہیں ہوئے اب میں آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ عمر کو راضی کر دیں۔ پیغمبر صاحب نے تین دفعہ فرمایا کہ ابوبکر اخدا تم کو معاف کرے اتنے میں حضرت عمر نادم ہو کر ابوبکر صدیق کے گھر گئے اور جب وہاں اُنکو نہ پایا تو پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پیغمبر صاحب کا چہرۂ مبارک ان کو دیکھ کر غصّے میں تمتما اُٹھا جس سے ابوبکر صدیقؓ پر سخت خوف طاری ہوا۔ اور اُنھوں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کہا یا رسول اللہ قصوروار تو میں ہی ہوں۔ کیونکہ بات میں پہل میں نے کی تھی عمر اس سے بالکل بری ہیں

اِس پر پیغمبر صاحب نے تمام حاضرینِ جلسہ کی طرف روئے سخن کر کے فرمایا کہ لوگو! جب خدا نے مجھے نبوّت سے سرافراز فرما کر تم میں بھیجا تو تم سب نے میری تکذیب کی مگر ابوبکر نے بے تردّد میری تصدیق۔ اور اپنی جان و مال سے میری غم خواری کی تو کیا تم میرے دوست کو میرے لیے چھوڑنے والے ہو؟ مطلب یہ ہو کہ تم میرے اور اِن کے معاملے میں کسی طرح کا دخل نہ دو ابوالدرداء کا بیان ہو کہ اِس کے بعد پھر کبھی کسی طرح کی تکلیف ابوبکر کو نہیں پونہچی۔ اِسی کی مؤید ایک وہ حدیث ہو جس کو ابن عدی نے ابن عمر سے روایت کیا ہو کہ ایک دفعہ عقیل بن ابی طالب اور ابوبکر صدّیق میں کچھ گفت و شنود ہوگئی تھی ابوبکر صدیق نے پیغمبر صاحب کی قرابت کی وجہ سے عقیل کو کچھ نہیں کہا اور حاضرِ خدمتِ نبوی ہو کر پیغمبر صاحب سے شکایت کی۔ پیغمبر صاحب نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ لوگو! تم میرے دوست کو صرف میرے لیے چھوڑ دو تم کو اُس سے مناسبت ہی کیا ہو۔ قسم خدا کی تم میں سے ہر ایک کے دروازے پر ظلمت اور ابوبکر صدیق کے دروازے پر نُور ہو تجھ ابتدا میں تم سب نے مجھے جھٹلایا۔ اور ابوبکر نے میری تصدیق کی تم نے اپنے مال مجھ سے عزیز رکھے۔ اور ابوبکر نے اپنا سارا مال مجھ پر فدا کر دیا۔ تم نے میری توہین کی۔ اور ابوبکر نے غم خواری تم نے مجھ سے نفرت و وحشت اختیار کی اور ابوبکر سایئے کی طرح میرے ساتھ رہے (۴) یہ کہ پیغمبر صاحب نے ابوبکر کو اپنا وزیر قرار دیا تھا۔ جیسا کہ ترمذی کی روایت سے ظاہر ہوتا ہو کہ پیغمبر صاحب نے فرمایا ہر نبی کے دو آسمانی اور دو زمینی وزیر ہوتے ہیں میرے دو آسمانی وزیر جبرئیل و میکائیل ہیں۔ اور زمینی دو وزیر ابوبکر و عمر (۵) یہ کہ پیغمبر صاحب نے فرمایا ابوبکر صدیق کو قیامت کے روز جنت کے آٹھوں دروازے بلائیں گے۔ ہر ایک دروازہ کہے گا خدا کے بندے! مجھ میں سے ہو کر جنت میں داخل ہو (۶) یہ کہ پیغمبر صاحب نے فرمایا جو شخص اپنی صحبت اور اپنے مال میں مجھ پر زیادہ عطا کرنے والا ثابت ہوا ابوبکر ہو اور اگر میں خدا کے سوا کسی اَور کو دوستِ خالص بنانا چاہتا تو ابوبکر کو اپنا دوستِ خالص بناتا۔ لیکن اسلامی دوستی و اخوت باقی ہو (۷) یہ کہ پیغمبر صاحب نے فرمایا پسندیدہ خصلتیں تین سو ساٹھ ہیں جب خدا کسی بندے کو بھلائی پونہچانا چاہتا ہو تو اُن میں سے ایک خصلت اُس میں پیدا کر دیتا ہو جس کی وجہ سے وہ بہشت میں جا داخل ہوتا ہو۔ ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اُن خصلتوں میں سے مجھ میں بھی کوئی خصلت ہو فرمایا ہاں تم میں سب خصلتیں موجود ہیں (۸) یہ کہ پیغمبر صاحب نے فرمایا خدا ابوبکر پر رحم کرے کہ اُنھوں نے اپنی بیٹی اُمّ المؤمنین عائشہ ؓ مجھے بیاہ دی۔ اور دار ہجرت (مدینہ طیبّہ) تک مجھے لوا لائے اور بلال (حبشی مؤذّنِ پیغمبر صاحب) کو خرید کر آزاد کیا۔ (۹) یہ کہ پیغمبر صاحب نے فرمایا ہمارے ساتھ جس نے بھی سلوک کیا ہم نے اُس کی تلافی کر دی۔ مگر ابوبکر کے سلوک کی ہم سے تلافی نہیں ہوسکی۔ پس خدائے تعالیٰ قیامت کے روز میری طرف سے اُس کے سلوک کی تلافی کرے گا۔ مجھ کو کسی ایک کے مال نے بھی اتنا فائدہ نہیں پونہچایا جتنا ابوبکر کے مال نے فائدہ پونہچایا (۱۰) یہ کہ عمر فاروق ؓ نے فرمایا ابوبکر تم سب کے سردار تم سب میں بہتر تم سب میں جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو محبوب تر تھے (۱۱) یہ کہ پیغمبر صاحب نے فرمایا ابوبکر! تم جس طرح دنیا میں میرے رفیقِ غار رہے آخرت میں حوضِ کوثر پر میرے مصاحب ہوگے

ابوبکر صدّیق کی اسلامی خدمات

یہ بات تمام مؤرخوں کو تسلیم ہو کہ ابوبکر صدیق قبولِ اسلام کے زمانے سے بارہ سال تک جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں کئے حاضر ہے اور اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی خدمات کی بجا آوری میں اپنی جان اپنے مال اپنی عزت کی کبھی مطلقاً پروا نہیں کی۔ اسلامی مقاصد کے رواج دینے میں بذلِ مال کے علاوہ بعض اوقات اپنی جان کو مصائب میں ڈال دیا اور پھر اُن مصائب کو نہایت خوش دلی کے ساتھ برداشت کیا۔ الغرض اسلامی مقاصد کی اشاعت۔ پیغمبرِ اسلام کی حمایت و رفاقت ترقیِ دینِ الٰہی میں صرفِ زر۔ مخالفوں کے مقابلے میں سینہ سپر ہو کر اُن کی تکالیف کی برداشت یہ ایسی باتیں ہیں جن میں سب سے بڑا حصہ ابوبکر صدیقؓ ہی نے لیا۔

(۱) ابوبکر صدیق نے پیغمبرِ اسلام کی حمایت و نصرت میں کئی مرتبہ سخت سخت تکلیفیں جھیلیں۔ اور کفارِ قریش کے مقابلے میں سینہ سپر ہوئے کتبِ سیر و احادیث میں اس کے متعلق بہت سے واقعات درج ہیں۔ اِس موقع پر صرف دو واقعوں کا مذکور ہی ایک وہ جو بخاری میں عروہ بن زبیر سے منقول ہو کہ پیغمبر صاحب نماز میں مصروف تھے عقبہ بن مُعیط نے آکر آپ کی گردنِ مبارک میں چادر ڈال دی۔ اور پھر اس زور سے کھینچی کہ آپ کا گلا گھٹ گیا۔ اِسی حال میں ابوبکر صدیق آ پہنچے۔ اور عقبہ کو پیغمبر صاحب سے ہٹا کر یہ آیت پڑھی أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ یعنی کیا تم لوگ صرف اتنی بات پر ایک شخص کے قتل کے درپئے ہو کہ وہ خدا ہی کو اپنا پروردگار بتاتا ہو حالانکہ وہ تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس معجزے لے کر بھی آیا ہی دوسرا واقعہ خود ابوبکر کی بیٹی اسماء سے منقول ہو کہ ایک دن کفارِ قریش مسجد الحرام میں جمع تھے اور آپس میں ایک دوسرے سے پیغمبر صاحب کا اور اُن مذمّتوں اور برائیوں کا جو پیغمبر صاحب اُن کی اور اُن کے بتوں کی ہجو میں بیان کرتے تھے ذکر کر رہے تھے اتفاقاً اسی موقع پر پیغمبر صاحب بھی مسجد الحرام میں تشریف لے آئے۔ مشرکین کے سردار آپ کی طرف اُٹھے اور آپ کی عادت تھی کہ جو بات آپ سے پوچھی جاتی بالکل سچ سچ کہہ دیتے مشرکین نے کہا محمد! کیا تم ہمارے معبودوں کے حق میں ایسا ایسا کہتے ہو فرمایا ہاں کہتا ہوں اور بجا کہتا ہوں یہ سنتے ہی سب لوگ آپ پر پل پڑے تب ایک شخص چیختا ہوا ابوبکر صدیق کے پاس پونچا اور کہا یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو اپنے دوست کی خبر لو ابوبکر خانۂ کعبہ میں آئے دیکھتے ہیں کہ بہت سے مشرک پیغمبر صاحب کے گرد جمع ہیں اُنھوں نے وہی آیت لَا تَقْتُلُونَ رَجُلًا الخ پڑھی کفارِ مکہ نے پیغمبر صاحب کو تو چھوڑ دیا۔ اور ابوبکر صدیق کو شہد کی کھیّوں کی طرح چمٹ گئے۔ اور بے تحاشا مارنا شروع کیا۔ ابوبکر جب گھر آئے تو اِن کی حالت تھی کہ سر کے بالوں پر جدھر ہاتھ پھیرتے بالوں کی لٹیں ہاتھ میں چلی آتیں لیکن اس پر بھی بار بار یہ کہتے تھے تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ یعنے خداوندا تو بزرگ و برتر اور بابرکت ہی۔

(۲) اِن کے سوا ایک بڑا اہم اور خاص واقعہ رفاقتِ غار کا ہی جس سے حضرت ابوبکر صدیق کی خدمتِ اسلام نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہی حضرت حمزہ اور عمر فاروق کے قبولِ اسلام سے جو تقویت مسلمانوں کو ہوئی وہ اُس پر خوش تھے مگر افسوس کہ ابوطالب اور ابوطالب کے ساتھ اُمّ المومنین بی بی خدیجہ کے انتقال کی وجہ سے یہ چند روزہ عارضی خوشی رنج و غم سے بدل گئی۔ ابوطالب پیغمبر صاحب کے چچا اور اُمّ المومنین خدیجہ پیغمبر صاحب کی بی بی دونوں پیغمبر صاحب کے بڑے حامی و مددگار تھے۔ اور اسی وجہ سے کفارِ قریش اِن دونوں کی زندگی میں پیغمبر صاحب کا کچھ نہ کرسکے۔ اِن کے انتقال کے بعد کفار کے حوصلے بڑھ گئے اور اب وہ پیغمبر صاحب اور مسلمانوں کو کھلم کھلا سخت سے سخت تکلیفیں پونچانے لگے۔ آخرکار پیغمبر صاحب نے نبوت کے تیرھویں سال مشرکینِ مکہ کی ایذاؤں سے اکتا کر ترکِ وطن کا ارادہ کیا۔ اور اِدھر خدا کی طرف سے بھی ہجرت کی اجازت ہوگئی پیغمبر

صاحب ٹھیک دوپہر کے وقت ابوبکر صدیق کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اور مدینے ہجرت کر جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اور فرمایا تم بھی تیار رہو۔ ابوبکر صدیق اپنی معیت کا حال سن کر اس قدر خوش ہوئے کہ فرطِ خوشی سے اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اِس کے بعد ابوبکر صدیق نے عرض کیا یارسول اللہ میرے پاس دو اُونٹنیاں ہیں اور آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہیں پیغمبر صاحب نے فرمایا تو کوئی رہنما بھی تلاش کر رکھو۔ چنانچہ دونوں صاحبوں کی رائے سے ایک شخص عبداللہ بن اُریقط جو مشرکین میں کا ایک معمولی شخص تھا رہنمائی کے لیے مقرر ہوا۔ دونوں اُونٹنیاں اُس کے حوالے کر دی گئیں۔ اور حکم دیا گیا کہ آج سے تین رات بعد اُن کو غارِ ثور پر لے آئے جو مکے سے دکھن کی طرف تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس قرارداد کے بعد پیغمبر صاحب اپنے مکان پر تشریف لے آئے۔ رات کے وقت قریش کے چند نوجوان اُس تجویز کے مطابق جو اُن میں باہم قرار پاچکی تھی گئی آدمی مل کر پیغمبر صاحب کو قتل کر دیں۔ اور تفتیشِ مقدمہ کے بعد اُن کے وَرَثہ کو دِیَت بھر دیں۔ آپ کے مکان کے آس پاس جمع ہو گئے کہ صبح کی نماز کو مسجد جائیں ہی گے۔ سب مل کر قتل کر دیں گے۔ پیغمبر صاحب کو اطلاع ہوئی تو علی مرتضیٰ کو اپنے بچھونے پر سُلا اور خود چپکے سے نکل ابوبکر صدیق کے گھر جا پہنچے۔ ابوبکر کی بیٹی بی بی عائشہ جو آئندہ پیغمبر صاحب کے شرفِ زوجیت سے ممتاز ہونے والی تھیں بیان کرتی ہیں کہ ہم نے نہایت عجلت کے ساتھ پیغمبر صاحب اور ابوبکر کے لیے سامانِ سفر مہیا کر دیا اور ایک توشے دان میں تھوڑا سا زادِ راہ بھی رکھ دیا۔ توشے دان کا مُونہ باندھنے کے لیے سردست کوئی چیز نہیں ملی۔ تو ابوبکر صدیق کی دوسری بیٹی اسمار نے اپنا کمربند یعنی کمر باندھنے کا پٹکا پھاڑ کر توشے دان کا مُونہ باندھ دیا۔ اور اسی وجہ سے وہ بعد کو ذات النطاقین یعنی دو پٹکے والی بی بی کہلائیں۔ ابوبکر صدیق اور پیغمبر صاحب دونوں جبلِ ثور کے غار تک پہنچے۔ یہاں پہنچ کر ابوبکر بولے یارسول اللہ ذرا توقف فرمائیے پہلے میں غار میں اُتر لوں میرے بعد آپ تشریف لائیے گا۔ تاکہ اگر کیڑے مکوڑے کا کوئی مُوذی جانور ہو تو اُس کا گزند مجھے پہنچے۔ اور آپ محفوظ رہیں۔ چنانچہ پیغمبر صاحب تو غار کے دروازے پر کھڑے رہے۔ اور ابوبکر صدیق نے غار میں اُتر کر جھاڑو دی۔ اور جہاں جہاں سوراخ دکھائی دیئے۔ اپنا تہمد پھاڑ پھاڑ کر سوراخوں کے مُونہ بند کر دیئے مگر ابھی دو سوراخ باقی تھے کہ تہمد ہو چکا۔ اور اُن کا مُونہ بند کرنے کے لیے کوئی چیز نہ پائی۔ تو اُن میں اپنے پاؤں اَڑا دیئے اور عرض کیا یارسول اللہ تشریف لے آیئے۔ پیغمبر صاحب غار میں جلوہ آرا ہوئے۔ اور ابوبکر صدیق کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک سوراخ سے کسی مُوذی جانور نے ابوبکر صدیق کے پاؤں میں کاٹا اور اس زور سے کاٹا کہ ابوبکر نے پیغمبر صاحب کے پاسِ ادب سے جنبش تو نہیں کی۔ مگر اُن کی آنکھوں سے بے اختیار پیغمبر صاحب کے چہرۂ مبارک پر آنسو ٹپک پڑے پیغمبر صاحب فوراً چونک پڑے اور فرمانے لگے ابوبکر! کیا ہے؟ عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ میرے پاؤں میں کسی جانور نے کاٹا ہے۔ پیغمبر صاحب نے اپنا لعابِ دہن لے کر ابوبکر صدیق کے موضعِ ورم پر مَل دیا۔ اور زخم فوراً اچھا ہو گیا۔ اِدھر صبح کے وقت جب قریش کو معلوم ہوا کہ پیغمبر صاحب رات کو بچ کر نکل گئے تو اُنھوں نے بہت سے جاسوس چاروں طرف دوڑائے۔ کچھ جاسوس اِدھر بھی آئے اور ایک دو دفعہ تو غار کے اس قدر قریب ہو گئے کہ ابوبکر صدیق نے اُنھیں دیکھ بھی لیا۔ اور پیغمبر صاحب سے عرض کیا کہ یہ لوگ اگر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں گے تو ہمیں پالیں گے پیغمبر صاحب نے تسلی کے لہجے میں فرمایا ابوبکر! اُن دو آدمیوں کے ساتھ تیرا کیا گمان ہے جن کا تیسرا خدا ہو۔ الغرض پیغمبر صاحب اور ابوبکر صدیق تین راتیں غار میں مخفی رہے۔ ابوبکر صدیق رات بھر پیغمبر صاحب

کی خدمت میں حاضر رہتے اور صبح سویرے مکے میں قریش سے جا ملتے۔اور جو باتیں اور تدبیریں معلوم ہوتیں شام کو پیغمبر صاحب سے عرض کر دیتے۔ عامر بن فُہیرہ ابوبکر صدیق کا غلام اسی غار کے آس پاس بکریاں چرایا کرتا تھا۔اور اُسے معلوم تھا کہ پیغمبر صاحب اور ابوبکر اس غار میں مخفی ہیں۔جب رات ہوتی تو یہ دودھیا بکریوں کو غار میں چھوڑ آتا۔ یہ دونوں صاحب رات کو اُن کا دودھ پی لیتے عامر صبح کی پَو پھٹے آکر بکریوں کو آواز دیتا۔اور وہ غار سے نکل باہر چلی آتیں۔غرض تین رات تک یُوں ہی ہوتا رہا اَب کفّار قریش کی بھی جستجو کچھ کم ہوگئی۔اور عبداللہ بن اُریقط بھی وقت مقرّرہ پر دونوں اُونٹنیاں لے آحاضر ہوا۔ایک پر پیغمبر صاحب اور ابوبکر صدیق اور دوسری پر عبداللہ بن اُریقط اور عامر بیٹھ گئے۔اور سب معمولی رستہ کتراتے ہوئے مدینے کو روانہ ہوگئے مدینے پُہنچ کر ابوبکر صدیق نے عبداللہ بن اُریقط کو مکے واپس کیا اور یہ مکے آیا تو ابوبکر صدیق کے فرزند عبداللہ اپنے باپ کا مدینے پُہنچنا سُن کر اُدھر روانہ ہوگئے۔اِس سفر میں بی بی عائشہ اور اُن کی والدہ اُمّ رومان عبداللہ کے ہمراہ تھیں۔اِن کے مدینے پُہنچنے پر ابوبکر صدیق نے محلّہ سُنح میں مستقل سکونت اختیار کی۔

پھر قیام مدینہ سے لے کر پیغمبر صاحب کے زمانہ وفات تک جو اسلام کی نمایاں خدمتیں ابوبکر صدیق سے ظاہر ہوئیں۔ اِتنی بہت ہیں کہ مشکل سے شمار میں آسکتی ہیں۔تمام اہلِ سِیَر کا اتفاق ہو کہ ابوبکر صدیقؓ شروع زمانہ اسلام سے پیغمبر صاحب کی وفات تک کیا حضر میں اور کیا سفر میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر رہے۔ ہاں جب خود پیغمبر صاحب ہی نے کہیں جانے کی اجازت دی تو آپ چند روز کے لیے خدمت سے علیحدہ ہوگئے۔ مدینے میں آکر جس قدر غزوات پیغمبر صاحب کی موجودگی میں ہوئے ابوبکر صدیق سب میں حاضر رہے (۳) معرکۂ بدر میں جو شجاعت ابوبکر صدیق سے ظہور میں آئی خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہی۔ مقامِ بدر میں پُہنچ کر صحابیوں نے پیغمبر صاحب کے لیے ایک جگہ ایک چھپّر سا ڈال دیا۔اور باہم تجویز کی کہ اس چھپّر میں پیغمبر صاحب کی حفاظت کے واسطے کسی ایسے شخص کو مقرر کرنا چاہیئے جو پیغمبر صاحب کے پاس کسی دشمن کو نہ آنے دے۔ سارے صحابیوں میں کسی کو اتنی جرأت نہیں ہوئی کہ وہ پیغمبر صاحب کی حفاظت کی حامی بھرتا ابوبکر صدیق نے جب یہ دیکھا تو جھٹ تلوار میان سے کھینچ پیغمبر صاحب کے سر مبارک کے پاس اُٹھ کھڑے ہوئے اور جس دشمن نے اِدھر کا قصد کیا۔ ابوبکر نے فوراً اُس کا سر تن سے جُدا کر دیا۔

(۴) ابوبکر صدیق جب شرفِ اسلام سے بہرہ یاب ہوئے ہیں۔ تو اِن کے پاس چالیس ہزار دینار رکھے تھے جو انھوں نے کپڑے کی تجارت سے حاصل کیے تھے لیکن جب ہجرتِ مدینہ کے موقع پر گھر سے نکلے تو صرف پانچ ہزار باقی رہ گئے تھے۔ یہ سارا روپیہ اِنھوں نے غریب نومسلموں کی مہمانی اور اُن کی اعانت اور مسلمان غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے میں صرف کیا۔

(۵) لکھّا ہی کہ ابوبکر صدیق نے وہ سات غلام خرید کر آزاد کیے جن کو صرف اظہارِ اسلام کے جرم میں اُن کے مالک کفار طرح طرح کے جانکاہ عذاب پُہنچاتے تھے (۶) ایک دفعہ پیغمبر صاحب نے صحابیوں کو راہِ خدا میں خیرات دینے کی رغبت دلائی حضرت عمر کہتے ہیں حُسنِ اتفاق سے اس موقع پر میرے پاس بہت سا مال تھا اور میں ہمیشہ اس بات پر حریص تھا کہ کسی طرح ایک دفعہ تو ابوبکر صدیق پر سبقت لے جاؤں اِس وقت میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر آج میں ابوبکر پر سبقت لے گیا تو سمجھوں گا کہ پھر بھی کسی اور موقع پر سبقت لے جاسکوں گا۔ چنانچہ میں نے اپنے سارے مال کے دو حصے کیے ایک حصہ گھر چھوڑ آیا۔ اور ایک پیغمبر صاحب کی خدمت میں پیش کیا پیغمبر صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ عمر! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو۔ میں نے عرض کیا آدھا اِتنے میں

ابوبکر صدیق نے اپنا سارا مال و متاع سمیٹ کر پیغمبر صاحب کی خدمت میں لا حاضر کیا - پیغمبر صاحب نے اُن سے دریافت کیا تو کہا میں گھر والوں کے لیے بس خدا کا نام ہی نام چھوڑ آیا ہوں اس وقت مجھے یقین ہو گیا - کہ میں ابوبکر صدیق سے کسی بات میں کسی موقع پر بھی سبقت نہیں لے جاسکتا -

(۷) ابوبکر صدیق ۱۲ ربیع الاول سلہ ہجری روز سہ شنبہ کو جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دوسرے روز خلیفہ تسلیم کیے گئے اور تمام مہاجرین و انصار نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی - زمانہ خلافت میں اسلام کی جو خدمتیں ان سے ظہور میں آئیں اُن کا مختصر بیان یہ ہے کہ تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے لشکرِ اُسامہ کو کوچ کر جانے کا حکم نافذ فرمایا - جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مرضِ وفات میں زید بن حارث کے بیٹے اُسامہ کو سات سو آدمیوں پر امیر مقرر کر کے روم کی طرف روانہ کیا تھا لیکن جب یہ لشکر موضعِ ذی خشب میں پہنچا تو پیغمبر صاحب کا انتقال ہو گیا - اس خبر کے مشہور ہوتے ہی مدینے کے آس پاس کے بہت سے عرب مرتد ہو گئے - اس پر دانشمندانِ صحابہ نے ایک مجلس شوریٰ قائم کر کے اس رائے پر اتفاق کیا - کہ لشکرِ اُسامہ کو جو روم پر چڑھائی کرنے کی غرض سے بھیجا گیا ہے واپس بلا لیا جائے تاکہ مرتدینِ عرب کے مقابلہ کرنے پر فوج کے جمع کرنے کی ضرورۃ نہ رہے مگر ابوبکر نے اس رائے کی بڑی زور کے ساتھ مخالفت کی اور کہا خدا کی قسم اگر مدینے کے کتے ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں گھسیٹ کرے جائیں گے تو بھی میں اُس لشکر کو واپس نہ بلاؤں گا جس کو جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں پر چڑھائی کرنے کے لیے روانہ فرمایا ہے الغرض لشکرِ اُسامہ روم کی طرف متوجہ ہوا اور حضرت ابوبکر صدیق کی اس مخالفت رائے کا یہ نتیجہ نکلا کہ جو لوگ دینِ اسلام سے مرتد ہوا چاہتے تھے وہ بایں وجہ ثابت قدم رہ سکے کہ اگر مسلمانوں میں فوجی قوۃ نہ ہوتی تو اس نازک اور خطرناک موقع پر روم کی چڑھائی ضرور ملتوی کر دی جاتی پس معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی فوجی قوۃ بہت بڑھی ہوئی ہے اُدھر اُسامہ نہایت تیزی کے ساتھ روم پر حملہ آور ہوئے اور چند ہی روز میں فتحیاب ہو کر واپس آ گئے اس سے اُن لوگوں کے حوصلے بالکل ہی پست ہو گئے جو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد مدینے میں شورشِ عام پھیلانے کی غرض سے مرتد ہوا چاہتے تھے -

(۸) جو قبائلِ عرب اسلام سے مرتد ہو گئے تھے یا جنھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا - ابوبکر صدیق نے اُن پر فوج کشی کا حکم فرمایا - عمر فاروق نے کہا بھی کہ امیر المومنین! برائے خدا اس قدر جلدی نہ کیجیے اور جہاں تک بن سکے لطف و نرمی سے کام لیجیے مگر ابوبکر صدیق نے ایک نہایت مستقل اور تجربہ کار بہادر کے طنطنے میں آ کر صاف کہہ دیا کہ اگر لوگ ایک رسی بھی جو پیغمبر صاحب کے زمانے میں دیتے تھے اب دینے سے انکار کریں گے میں اُن سے ضرور جہاد کروں گا - اور اگر اس بارے میں مسلمان میرا ساتھ نہ دیں گے تو میں تنہا راہِ خدا میں لڑوں گا - یہ فرما کر خود مسلح ہوئے اور مہاجرین و انصار کے لشکر کو ساتھ لے مدینے سے باہر نکل آئے مگر جب موضعِ نقعا میں جو نجد کے محاذی واقع ہے پہنچے تو عمر فاروق اور علی مرتضیٰ سمجھا بجھا کر آپ کو مدینے واپس لے آئے اور خالد بن الولید کو سالارِ لشکر بنا کر مرتدین کے مقابلے کو روانہ کیا - خالد بن الولید نے سب سے پہلے بنی اسد اور غطفان پر حملہ کر کے بہتوں کو قتل - اور بہتوں کو قید کر لیا - اور باقی لوگ اسلام کی طرف لوٹ آئے -

(۹) پھر یمامہ پر فوج کشی کی اور سلہ ہجری کے آخری مہینے میں مسیلمہ کذاب سے جس نے جھوٹ دعوے نبوت کیا تھا مقابلہ ہوا دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں اور کئی روز تک دونوں طرف سے ہر ایک کو جواب ترکی بہ ترکی ملتا رہا آخر کار مسیلمہ قلعہ بند ہو گیا -

اور خالد بن الولید کو چند روز تک محاصرے کی زحمت اُٹھانی پڑی۔ لیکن بعد کو وحشی قاتلِ حمزہؓ نے مُسیلمہ کو قتل کرڈالا۔ اور یمامہ فتح ہوگیا (۱۰) سنہ ۱۲ ہجری کے آغاز میں ابوبکر صدیق نے علاء بن الحضرمی کو بحرین کی طرف اور عکرمہ بن ابی جہل کو عمان کی طرف روانہ کیا۔ اِن دونوں موضعوں کے بہت سے لوگ مرتد ہوگئے تھے جو آخرکار اپنے بیجا اصرار کی وجہ سے قتل کردیئے گئے (۱۱) پھر اسی برس میں مہاجر بن اُمیّہ کو اہل نجیر کی طرف اور زیاد بن لبید انصاری کو ایک اور مرتد گروہ پر فوج کشی کا حکم فرمایا (۱۲) المختصر جب ابوبکر صدیق مرتدین کے قلع وقمع سے فارغ ہوئے تو خالد بن الولید کو ایک نہایت جرّار فوج کا سپہ سالار بناکر ملک بصرہ کی جانب بھیجا۔ انھوں نے اُبلّہ کو فتح کیا۔ اور عراق میں جس قدر کسریٰ کے شہر تھے سب کو یکے بعد دیگرے اسلامی فتوحات میں شامل کردیا (۱۳) اسی برس ابوبکر صدیق حج کو تشریف لے گئے واپس آئے تو عمرو بن العاص کی سرکردگی میں ایک عظیم الشان لشکر ملک شام کی طرف روانہ فرمایا اور جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳ میں اجنادین کا واقعہ پیش آیا اور مسلمانوں کی فتح ونصرت کے جھنڈے تمام ملک شام میں گڑ گئے۔ اسی برس ۲۲ جمادی الاُخریٰ سہ شنبہ کی رات کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دو سال تین مہینے خلافت کرکے ۶۳ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

(۲) ابوحفص عمر بن الخطاب

اِن کا نام عمر۔ کُنیت ابوحفص۔ لقب فاروق۔ یہ بھی قریشی ہیں۔ اور شجرۂ نسب سے جو اُوپر ہم دکھا آئے ہیں ظاہر ہوتا ہے کہ اِن کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت سے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے نسب سے جا ملتا ہے*

اِن کے مفاخر وخدمات کتب احادیث وسیر میں اتنے بہت ہیں۔ جن کے جمع کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے اور اگر حیاتِ مُستعار باقی ہے تو اس طرح کی ایک کتاب جمع کی بھی جائے گی بلکہ جمع کرنی شروع کردی گئی ہے خدا وقت میں برکت اور دماغ میں قوت بخشے تو اِس کا جمع ہونا اور جمع ہوکر طبع ہونا اور طبع ہوکر شائع ہونا کوئی بڑی بات نہیں

عمر فاروق کے مفاخر

(۱) عمر فاروق کے مفاخر میں صرف اِتنا کہنا بس کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اِن کی وجہ سے دین کی تائید کی اور اِن کے حق میں اپنے پیغمبر کی دُعا قبول فرمائی (۲) اِن کی یہ منقبت اور خصوصیت سب سے اعلےٰ اور ارفع اور اہم ہے۔ کہ مُلہم بالصواب تھے اور اِن کے دل میں حق ڈالا جاتا تھا اور اِن کی رائے وحی اور کتاب اللہ کے مطابق واقع ہوتی تھی (۳) جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتے (۴) اور یہ بھی فرمایا کہ لوگو! جو اُمتیں تم سے پہلے ہوگزری ہیں اُن میں ایسے بھی لوگ ہوا کرتے تھے جن کو خدا کی طرف سے الہام ہوا کرتا تھا اگر میری اُمّت میں بھی کوئی ایسا شخص ہوگا تو وہ عمر ہوں گے (۵) اور یہ بھی فرمایا کہ خدا نے حق کو عمر کے دل وزبان پر جاری کردیا ہے (۶) اور یہ بھی فرمایا کہ عمر سے بہتر شخص پر آفتاب طلوع نہیں ہوا (۷) اور فرمایا کہ عمر اتم سے شیطان ڈرتا ہے (۸) اور یہ بھی فرمایا کہ میں شیاطینِ اِنس وجان کو دیکھتا ہوں

کہ وہ عمر سے بھاگتے پھرتے ہیں (۹) اور یہ بھی فرمایا کہ یہ شخص (عمر بن الخطاب) میری اُمت میں بلند ترین مرتبہ ہوگا جنت ہیں (۱۰) اور فرمایا کہ عمر اہلِ جنت کے چراغ ہیں (۱۱) اور فرمایا کہ خدائے تعالیٰ اہلِ عرفہ کے ساتھ عموماً اور عمرِ فاروق کے ساتھ خصوصاً فخر کرتا ہے (۱۲) اور فرمایا کہ میرے بعد حق عمر کے ساتھ ہوگا جہاں کہیں بھی وہ ہوں گے (۱۳) عمر فاروق پیغمبر صاحب کے دعوے نبوت کے چھٹے برس مشرف باسلام ہوئے۔ قبولِ اسلام سے کچھ دنوں پہلے پیغمبر صاحب نے اِن کے حق میں بایں الفاظ دعا کی تھی اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَحَبِّ ھٰذَیْنِ الرَّجُلَیْنِ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَوْ بِاَبِیْ جَھْلِ بْنِ ھِشَامٍ یعنی خداوندا اِن دونوں شخصوں عمر بن الخطاب اور ابو جہل بن ہشام میں سے جو تجھے محبوب ہو اُس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اسلام کو غلبہ عنایت فرما۔ خدائے تعالیٰ نے پیغمبر صاحب کی دُعا عمر بن الخطاب کے حق میں قبول فرمائی۔ اور انھیں راہِ راست کے قبول کرنے کی توفیق عنایت کی

عمرِ فاروق کی اسلامی خدمات

(۱) عمرِ فاروق کے خلوص اور اسلامی خدمات کی قدر و وقعت خلیفہ کی جناب میں یہاں تک تھی کہ اُن کی رائے اُن کی تجویز اُن کی قرار داد کی تائید میں جناب پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا جس سے اُس زمانے کے لوگوں کو صاف معلوم ہوگیا تھا کہ عمرِ فاروق کی اکثر رائیں مصیب ہوتی ہیں۔ عمرِ فاروق کی رائے ہوئی کہ خانۂ کعبہ کے طواف سے فارغ ہونے کے بعد دو رکعت تحیۃ الطواف مقامِ ابراہیم کے پیچھے پڑھنی چاہیئے۔ نہ تمام حرم میں اور نہ تمام عرفات میں اور اس بارے میں جناب پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ سلم سے عرض کیا کہ لِاتَّخِذْنَا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھِیْمَ مُصَلًّی۔ اس پر آیہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھِیْمَ مُصَلًّی نازل ہوئی۔ پھر اُمہات المومنین کے بارے میں عمرِ فاروق کی رائے ہوئی کہ اِن کو پردے میں بیٹھنا چاہیئے اور جناب پیغمبر صاحب سے عرض کیا کہ آپ کے پاس نیک و بد سب ہی طرح کے لوگ آتے ہیں اگر آپ اُمہات المومنین کو پردے میں رہنے کا حکم فرمائیں تو بہت بہتر ہو خدائے تعالیٰ نے آیہ حجاب یعنی آیہ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی نازل فرمائی۔ بدر کے قیدیوں میں جب پیغمبر صاحب نے اصحاب سے مشورہ کیا کہ ان کو کیا کیا جائے تو بعضے لوگوں نے اس وجہ سے کہ قیدی مسلمانوں کے رشتے ناطے کے تھے۔ یہ رائے دی کہ تاوان لے کر چھوڑ دیا جائے مگر حضرت عمرِ فاروق کی رائے تھی کہ یہ لوگ مسلمانوں کے جانی دشمن ہیں رہائی پاکر پھر فساد کریں گے اِن کا قتل کر دینا ہی مناسب ہے خدائے تعالیٰ

ـــــــــــــــــــ

سلہ اور (پیغمبر کی بیبیو!) اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہو اور اگلے زمانۂ جاہلیت کے (سے) بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو ف

ف پیغمبر صاحب کے عہد میں مدینے کی ایسی حالت تھی جیسے ہماری یہاں دیہات کی۔ گھروں میں بیت الخلا نہیں تھے۔ شریف زادیاں قضائے حاجت کے لیے جھٹ پٹے کا وقت دیکھ کر آبادی کے باہر چلی جاتی تھیں اور بدوضع لوگ کسی کو آتے جاتے دیکھ پاتے تو اُس کو چھیڑ بیٹھتے اور اُن کو الاہنا دیا جاتا تو جواب دیتے کہ ہم نے لونڈی سمجھا تھا اس طرح کی چھیڑ چھاڑ کی انسداد کے لیے شروع میں یہ حکم دیا گیا کہ شریف زادیاں گھونگٹ نکال کر آیا جایا کریں پھر تو اسلامی ترقی کے ساتھ مدینہ بڑا شہر ہوگیا۔ لوگوں نے گھروں میں بیت الخلا بنالیے اور مستورات کو قضائے حاجت کے لیے بستی کے باہر جانے کی ضرورت باقی نہیں رہی ۱۲

نے ان کی رائے کے موافق آیۂ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ؕ نازل فرمائی - جنگ بدر میں جاتے وقت پیغمبر صاحب نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ حملہ آور مخالفوں سے مدینے میں رہ کر لڑنا چاہیئے یا مدینے کے باہر نکل کر عمر فاروق کی رائے تھی کہ مدینے کے باہر نکل کر لڑنا چاہیئے ان ہی کی رائے کے مطابق خدا سے تعالیٰ نے آیۂ

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ؕ انفال ۱۶ (اور لا پیغمبر مال غنیمت کے بارے میں ان لوگوں کو اسی طرح کی غلطی واقع ہوئی ہوئی) جیسے (جنگ بدر کے وقت واقع ہوئی تھی) کہ تمھارے پروردگار نے (لڑائی کے دو پہلوؤں میں سے) صحیح پہلو اختیار کرکے تم کو گھر سے نکلنے پر آمادہ کیا اور مسلمانوں کا ایک گروہ (تمھارے نکل کھڑے ہونے سے اس وقت بھی) ناخوش تھا ف

ف۵ نبی جب تک ملک میں (کافروں کو) اچھی طرح مار دھاڑ نہ لے اس کے آس پاس قیدیوں (کی بھیڑ) کا رہنا مناسب نہیں (مسلمانو!) تم تو مال متاع دنیا کے خواہاں ہو اور اللہ (تم کو) آخرت (کی نعمتیں دینی) چاہتا ہے اور اللہ زبردست (اور) با تدبیر ہے ف

ف بدر کی لڑائی میں دشمنوں کے ستر آدمی گرفتار ہو آئے تھے اور یہ لوگ مسلمانوں کے رشتے ناطے کے تھے مسلمانوں میں سلطنت کا اسلوب کچھ بیٹھا نہ تھا کہ ان قیدیوں کا معاملہ پیش آیا پیغمبر صاحب نے اصحاب سے مشورہ کیا کہ ان قیدیوں کو کیا کیا جائے - بعض نے رائے دی کہ تاوان لے کر چھوڑ دیا جائے عجب نہیں یہ لوگ رفتہ رفتہ اسلام کی خوبیوں کو سمجھ کر مسلمان ہو جائیں - اور چونکہ پیغمبر صاحب نہایت درجے کے رحم دل تھے انھوں نے بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ اتفاق کیا اور تاوان لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا - لیکن بعض اصحاب کی یہ رائے تھی کہ یہ لوگ مسلمانوں کے جانی دشمن ہیں رہائی پاکر پھر فساد کریں گے اب ہمارے بس میں ہیں ان کا قتل کر دینا مناسب ہے خدائے تعالیٰ نے مصلحت وقت کے اعتبار سے اسی رائے کی تصویب فرمائی مگر جو کچھ ہونا تھا ہو چکا تھا اس سے اتنا ہوا کہ مسلمانوں کو اپنی غلطی پر تنبیہ ہو گیا ظاہر میں یہ احکام سخت معلوم ہوتے ہیں لیکن جب تک آدمی لڑائی میں خود موجود نہ ہو وہ دشمنوں کی عداوت کا اندازہ کر نہیں سکتا - اور نہ مصلحت وقت کو سمجھ سکتا ہے بے شک ستر آدمیوں کی جان کا بچا دینا ظاہر مقتضائے رحم ہے لیکن یہ ستر مفسد شاید ستر ہزار آدمی کا خون کرا دیتے غرض یہ احکام اسی قسم کے ہیں جو انگریزوں میں مارشل لا یعنی فوجی قانون کہلاتے ہیں اور ان کی مصلحتوں کو حکام فوج ہی خوب سمجھتے ہیں ۱۲

ف اس آیت میں جنگ بدر کے قصے کی طرف اشارہ ہے اس کا مختصر حال یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کی ایذا دہی سے عاجز آکر مدینے تشریف لے آئے تھے اور مسلمانوں میں سے بھی جس جس کو موقع ملتا تھا مدینے چلا آتا تھا لیکن کفار مکہ اس پر بھی مسلمانوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے تھے اور بگاڑ کی بنیاد پڑ گئی تھی اتنے میں پیغمبر صاحب کو معلوم ہوا کہ کفار قریش کا قافلہ شام سے مال تجارت لے کر مکے کو جا رہا ہے - پیغمبر صاحب نے سوچا کہ آئندہ کے تحفظ کے لیے مسلمانوں کی فوجی قوت اور ان کی جرأت دکھانے کا یہ اچھا موقع ہے - آپ قافلے پر حملہ کرنے کے ارادے سے مسلمانوں کو لے کر نکلے ادھر اہل مکہ کو اپنے قافلے کی اور مسلمانوں کے ارادے کی خبر لگی تو ابوجہل بڑا لشکر جمع کر کے قافلے کی مدد کو چلا - قافلے والوں نے دریا کنارے کا رستہ اختیار کیا اور مسلمانوں کی زد سے بچ گئے مگر ابوجہل مقام بدر تک چڑھا چلا آیا تو مسلمانوں میں اختلاف ہوا بعض نے کہا ہم قافلے پر حملہ کرنے کی غرض سے آئے تھے ان ہی کا تعاقب کرنا چاہیئے اور پیغمبر صاحب کو یہ منظور ہوا کہ دشمن چھاتی پر چڑھا چلا آرہا ہے اس کا روکنا فرض ہے آخر پیغمبر صاحب کے سمجھانے بجھانے سے ابوجہل کے ساتھ لڑائی ٹھن گئی - اور باوجودیکہ مسلمان تھوڑے اور بے سامان تھے خدا نے ان کو کافروں پر فتح بھی دی ۱۲

نازل کی تحریم خمر کے بارے میں حضرت عمر نے جنابِ الٰہی میں اس طرح دعا کی اَللّٰھُمَّ بَیِّنْ لَنَا فِی الْخَمْرِ بَیَانًا شَافِیًا۔ یعنی خداوندا شراب کے بارے میں ہمارے لیے صاف صاف بیان فرماوے اس پر آیہ تحریم خمر یعنی۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ (المائدہ)

مسلمانو! شراب اور جوا اور بت اور پاسے ان میں کا ہر ایک کام تو بس ناپاک شیطانی کام ہو تو اس سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ شیطان تو بس یہی چاہتا ہو کہ شراب اور جوئے کی وجہ سے تمہارے آپس میں دشمنی اور بغض ڈلوادے اور تم کو یاد الٰہی سے اور نماز سے باز رکھے تو کیا (شیطان کے مکر پر اطلاع پائے پیچھے اب بھی) تم باز آؤ گے (یا نہیں) نازل ہوئی۔ جب رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَیّ مرا تو اس کے بیٹے نے جو خلوصِ قلب کے ساتھ مسلمان اور اسلام و پیغمبر اسلام کا ہی خواہ تھا پیغمبر صاحب کو ابن اُبَیّ کے جنازے کی نماز پڑھنے کے لیے بلایا۔ پیغمبر صاحب تشریف لے گئے اور نماز جنازہ پڑھنے کے ارادے سے کھڑے ہوئے تو عمرِ فاروق نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ دشمنِ خدا ابن اُبَیّ کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں جو آپ کی شان میں پرلے درجے کا گستاخ تھا۔ پیغمبر صاحب نماز کے لیے آگے بڑھتے جاتے اور عمرِ فاروق پیچھے پیچھے یہی کہتے جاتے تھے یہاں تک کہ آیہ

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ ط (التوبہ ع ۱۱)

اور (اے پیغمبر) اگر ان (منافقوں) میں سے کوئی مر جائے تو تم ہرگز اس (کے جنازے) پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر (جاکر) کھڑے ہونا ف

نازل ہوئی اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ کے قصۂ افک میں جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اصحاب سے مشورہ کیا۔ تو عمر فاروق نے کہا یا رسول اللہ عائشہ رض کو آپ کے نکاح میں دیا کس نے ہی۔ فرمایا خدا نے عمرِ فاروق نے کہا تو کیا آپ کا یہ خیال ہو کہ آپ کے خدا نے ان کے عیب آپ سے مخفی رکھے سُبْحَانَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ عمر فاروق کی رائے کے مطابق آیہ نور سُبْحَانَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ نازل ہوئی الغرض ایسے ایسے اکیس موقعوں پر عمرِ فاروق کی تجویز و رائے کے مطابق جناب پیغمبر صاحب پر قرآن نازل ہوا ہم نے کتاب کے بڑھ جانے کے خوف سے صرف ان ہی چند موافقات کو ذکر کیا ہی۔ اور باقی موافقات سیوطی کی تاریخ الخلفاء میں مذکور ہیں من شاء التفصیل فلیرجع الیہ۔

ف صحیح حدیثوں میں آیا ہو کہ عبداللہ بن اُبَیّ ایک منافق تھا وہ مرا تو اس کے بیٹے نے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ اس کے جنازے کی نماز پڑھا دیجیے پیغمبر صاحب راضی ہوگئے اور جنازے کی نماز پڑھانے کو کھڑے ہوگئے۔ عبداللہ تھا کٹا منافق اور اسلام کا بڑا سخت دشمن اور اس سے پیغمبر صاحب اور مسلمانوں کو بڑی بڑی سخت تکلیفیں پہنچی تھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیغمبر صاحب کو نماز پڑھانے سے روکا اور آیہ استغفر لھم او لا تستغفر لھم الخ یاد دلائی پیغمبر صاحب نے فرمایا خدا نے ستر بار کے لیے فرمایا ہی کہ میں منافقوں کے حق میں یہاں تک تمہاری دعا نہیں سنوں گا تو میں ستر بار سے زیادہ دعا کروں گا شاید قبول ہو یہ فرما کر عبداللہ کے جنازے کی نماز پڑھائی بلکہ اس کے کفن کے لیے اپنے پہننے کا ایک کرتہ بھی عنایت فرمایا نماز پڑھا چکے تھے کہ آیہ ولا تصل علی احد منھم الخ نازل ہوئی پیغمبر صاحب کے

(۱) عمر فاروق جس روز سے اسلام میں داخل ہوئے اسلام نے دن دُونی رات چوگنی ترقی کرنی شروع کی۔ اب تک جو شخص اسلام لاتا تھا اُسے مخالفوں کے ڈر سے اپنا اسلام چھپانا پڑتا تھا۔ عمر فاروق نے ایک منٹ کے لیے بھی اسلام کا چھپانا اپنے لیے پسند نہیں کیا۔ بلکہ قبولِ اسلام کے بعد ہی علانیہ اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا۔ اور مخالفوں کی ایذا اور تکلیف دہی کی ذرہ بھر پروا نہ کی۔ اب پیغمبر صاحب بھی علانیہ اور کُھلم کُھلا اسلام کی مُنادی کرنے لگے اور مسلمان بھی جو خانہ کعبہ میں گھسنے نہیں پاتے تھے۔ آزادی کے ساتھ نمازیں پڑھنے اور طوافِ کعبہ کرنے لگے۔ اور تھوڑی دُور آگے چل کر تو اُن کو اتنی جرأت ہو گئی کہ جو اُن پر بے جا سختی کرتا اُس سے اِنتقام لینے کے دَرپے ہوتے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ واللہ عمر فاروق کا اسلام ہمارے حق میں فتح اور اُن کی ہجرت ہمارے لیے مدد اور اُن کی خلافت ہمارے لیے رحمت تھی۔ ہم کو یہ بات کبھی فراموش نہ ہو گی کہ ابتدائے اسلام میں ہم لوگ خانہ کعبہ میں تو کُجا اُس کے آس پاس بھی نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ لیکن جب عمر فاروق مشرف باسلام ہوئے اور اُنھوں نے مخالفوں کو بڑی دلیری کے ساتھ تُرکی بہ تُرکی جواب دینا اور اُلٹا جھگڑنا شروع کیا تو مشرکینِ مکہ نے ہمیں تکلیف پہنچانے سے ہاتھ اُٹھا لیا اور ہم آزادی کے ساتھ خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے لگے۔

(۲) پیغمبر صاحب کے مدینے تشریف لے جانے سے کچھ پہلے آپ کی اجازت سے عمر فاروق نے مع چند مسلمانوں کے ترکِ وطن کا ارادہ کیا مکے سے چلتے وقت گلے میں تلوار لٹکائی۔ کمان کے چلّے چڑھائے اور ہاتھ میں تیروں کا مُٹھا لیے خانہ کعبہ میں آئے یہاں اِس وقت بہت سے رؤسائے قریش جمع تھے۔ عمر فاروق نے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر رؤسائے قریش کے حلقوں پر جُدا جُدا گزر کر فرمایا۔ شَاهَتِ الْوُجُوه۔ پھٹے سے مُنہ تم میں سے جس کسی کو اِس بات کی تمنّا ہو کہ اُس کی ماں اُس پر ماتم کرے۔ اُس کے بچے یتیم ہوں اُس کی جورو رانڈ رہ جائے اُس کو چاہیے کہ مکے کی چار دیواری سے باہر نکل کر میرے سامنے آئے۔ (عمر فاروقؓ نے یہ اِس لیے فرمایا کہ حرم کے اندر کُشت و خون اور لڑائی جھگڑا کرنا ممنوع اور دابِ کعبہ کے خلاف تھا) اور مجھے ہجرت سے روک دے رؤسائے قریش میں سے کسی بہادر کو بھی اتنی جرأت و ہمت نہیں ہوئی کہ عمر فاروق کو اِس کا جواب دیتا یا اُن کا پیچھا کرتا۔ عمر فاروق نہایت آزادی و دلیری کے ساتھ ہتھیار لگائے ہوئے مکّے سے باہر نکل مدینے تشریف لے گئے۔

(۳) مدینے پہنچ کر بھی عمر فاروق اسلام کی حمایت میں ویسی ہی گرم جوشی اور سرگرمی و دلیری سے کام لیتے تھے جیسی مخالفوں کے مقابلے میں وقتاً فوقتاً آپ سے ظاہر ہوتی رہتی یہاں تک کہ پیغمبر صاحب کے ساتھ ہر وقت ہر ایک خدمت میں حاضر رہتے۔ اور جنگ

[illegible] عمل ہے یہ نہ سمجھ لینا کہ [illegible] کے محاورے سے واقف نہ تھے [illegible] پیغمبر صاحب سراسر رافت و رحمت تھے اور آپ رحمۃ للعالمین [illegible] کی حلیت اور [illegible] رحم سے اُن کو بھی [illegible] پیغمبر صاحب کی طبیعت نے مشرک کے انتقال کا ایک حیلہ بنایا اور اپنا رحمۃ للعالمین ہونا ثابت کر دکھایا [illegible] تو کریمی در سوال [illegible] کہ ہمیشہ میان دو کریم [illegible] اور وہ جو عبداللہ کے کفن کے لیے کرتہ عنایت کیا تھا اُس کا ماجرا یہ ہے کہ حقیقت میں عبداللہ کے ایک احسان کا معاوضہ تھا کہ حضرت کے چچا عباسؓ مسلمان ہوئے تو اُس وقت اُن کے کپڑے بدلوانے [illegible] وہ آدمی تھے قد آور [illegible] اور عبداللہ کے کُرتے کے سوا کسی مسلمان کا [illegible] اُن کے بدن میں نہ آیا۔ اللہ اللہ کیسی عجیب طبیعت واقع ہوئی تھی کہ ایک کُرتے کے احسان کو بھی [illegible] یہی باتیں جو پیغمبر صاحب نے [illegible] ہماری عقیدت و محبت [illegible] ہیں!!

اُحد کے موقع پر جب کہ تمام صحابی منتشر ہوگئے تھے عمر فاروق پیغمبر صاحب سے ایک لمحہ کے لیے بھی جدا نہیں ہوئے۔ اور کفارِ قریش کو اپنی آبدار تیغ کے جوہر برابر دکھاتے رہے۔

(۴) یہ بالکل سچ ہے کہ عمرِ فاروق نے اسلام کو جس قدر ترقی دی اُس کی نظیر ہمیں کہیں ڈھونڈے نہیں ملتی۔ اور غالباً اسی ترقیِ اسلام میں کوشش اور مستعدی ظاہر کرنے کی وجہ سے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اِن کے حق میں فرمایا کہ لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ۔ عمرِ فاروق نے اسلامی مقاصد کی اشاعت میں کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا اور جس پہلو پر پڑا اُنھیں رواج دیا۔ مسلمانوں کی اِعانت و امداد میں مال اُنھوں نے خرچ کیا۔ اُن کو جسم و جان سے مدد اُنھوں نے پونہچائی یہاں تک کہ اُن کی حفاظت میں جان تک کی بھی پروا نہیں کی۔ اور زمانۂ خلافت میں تو سبحان اللہ اِن کی کوششوں سے اسلام ترقی کے دُھر زینے پر چڑھ گیا اور اُسے وہ عُروج حاصل ہوا جو نہ اَب تک ہوا تھا نہ آیندہ ہوا۔ حذیفہ جو ایک معمر اور جلیل القدر صحابی ہیں اور جنھوں نے پیغمبر صاحب کا اور پیغمبر صاحب کے بعد ابوبکر صدیقؓ اور عمرِ فاروقؓ کا زمانہ دیکھا ہے فرماتے ہیں کہ جب سے عمرِ فاروق اسلام میں داخل ہوئے اسلام اقبالمند آدمی کی طرح یوماً فیوماً اور وقتاً فوقتاً اور آناً فآناً لوگوں کے قریب ہوتا اور ترقی کرتا رہا لیکن اُن کے شہید ہوئے پیچھے اسلام اُس بدنصیب آدمی کے مانند ہوگیا جو روز بروز لوگوں سے دور ہوتا اور قعرِ تنزّل میں گرتا چلا جاتا ہے۔ حذیفہ کے اِس بیان کی اُس حدیث سے پُوری طرح تائید ہوتی ہے جو طبرانی نے اُبَیّ بن کعب سے بسند مرفوع روایت کی ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِيْ جِبْرِيْلُ لِيَبْكِ الْإِسْلَامُ عَلٰى مَوْتِ عُمَرَ۔ یعنی جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے جبرئیل نے کہا عمر کی موت پر اسلام کو رونا چاہیے۔

(۵) عمرِ فاروق کی اسلامی خدمتوں میں ایک بڑی اہم اور عظیم الشان خدمت یہ ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب مہاجرین و انصار میں ابوبکر صدیق کی خلافت میں اختلاف واقع ہوا اور انصار کے سرداروں نے اس راے پر بڑی سختی کے ساتھ زور دیا کہ صرف تنہا ابوبکر صدیق کو مستقل خلیفہ بنانا ضرور نہیں۔ بلکہ ایک امیر انصار میں سے اور ایک مہاجرین میں سے منتخب کرکے دونوں کو حاکم اور خلیفہ تسلیم کیا جائے۔ اِس اختلاف و نزاع نے یہاں تک طُول کھینچا کہ دونوں گروہ کُشت و خون کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ سچ پُوچھیے تو عمرِ فاروق نے بہت بڑا کام کیا کہ بھرے مجمع میں سب سے پہلے خود ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ابوبکر صدیق کہتے ہی رہے یَا عُمَرُ اُبْسُطْ یَدَكَ اُبَایِعْكَ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ اَنْتَ اَفْضَلُ مِنِّيْ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْبَكْرٍ اَنْتَ اَقْوٰى مِنِّيْ مگر عمرِ فاروق نے ایک نہ سُنی اور فوراً بیعت کرلی یعنی ابوبکر صدیق کو خلیفہ تسلیم کرلیا۔ اِن کا بیعت کرنا تھا کہ تمام مہاجرین بیعت کے لیے کھڑے ہوگئے اور اَب انصار کو بھی ابوبکر صدیق کی بیعت سے مفر نہیں رہا۔ اس طرح عمرِ فاروق نے مسلمانوں کو جان و مال کے نقصانات سے بچا لیا۔

(۶) اسلام کی ایک اور عظیم الشان خدمت جو عمرِ فاروق سے ظہور میں آئی قرآن کی جمع و تالیف ہے قرآن کی جمع و تالیف اگرچہ ابوبکر صدیق کے حکم سے ہوئی اور اُن ہی کے دورِ خلافت میں ہوئی اور اسی وجہ سے اہلِ سیر نے اِس خدمت کو ابوبکر صدیق کی طرف منسوب کیا ہے مگر چونکہ اِس خدمت کی ابتدائی تحریک عمرِ فاروق سے سرزد ہوئی اور وہی قرآن کی جمع و تالیف کے باعث و محرّک تھے اس لیے ہم اِس خدمت کو عمرِ فاروق ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے انتقال

سلہ عمر! ہاتھ پھیلاؤ کہ میں تم سے بیعت کروں۔ عمرِ فاروق نے فرمایا کہ (ابوبکر!) تم مجھ سے افضل ہو۔ ابوبکر نے کہا (عمر!) تم مجھ سے بڑھ کر قوت رکھتے ہو۱۲

کے بعد ابوبکر صدیق نے اپنی خلافت کے پہلے برس یعنی سلہ ہجری کے اخیر میں خالد بن الولید کو لشکرِ اسلام کا سپہ سالار مقرر کر کے مُسیلمہ الکذّاب سے جس نے جھوٹ دعویٰ نبوت کیا تھا مقابلہ کرنے کے لیے یمامہ کی طرف روانہ کیا - دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں اور مُسیلمہ چند روز محصور رہنے کے بعد وحشی کے ہاتھ سے مارڈالا گیا - مگر اس لڑائی میں مُسلمانوں کو بہت نقصان پُہنچا - سات سَو صحابی تو وہ شہید ہوئے جو حافظِ قرآن تھے اور جو قُرّاء کے نام سے مشہور تھے - لشکرِ اسلام مدینے واپس آیا تو عمر فاروق ابوبکر صدیق کے پاس گئے اور کہا امیر المؤمنین! یمامہ کی لڑائی میں پُورے سات سَو حافظِ قرآن شہید ہوگئے ہیں اور مجھے اندیشہ ہی کہ اگر چند اور معرکے اسی طرح کے پیش آگئے تو قرآن کا بڑا حصّہ ضائع ہوجائے گا مصلحت اِس میں ہی کہ آپ سارے قرآن کو ایک مصحف میں جمع کرنے کا حکم فرمائیں - تاکہ قرآن ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوجائے - ابوبکر صدیق نے عمر فاروق کی یہ گفتگو سُن کر زید بن ثابت کو بُلایا جو ایک نہایت جلیل القدر صحابی اور کاتبِ وحی اور فرائض کے بہت بڑے عالِم تھے - یہ آئے تو ابوبکر صدیق نے عمرِ فاروق کی تمام گفتگو اِن سے دُوہرائی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ جب عمر فاروق نے قرآن کی جمع و تالیف کی مجھ سے تحریک کی تو مَیں نے اُن کو جواب دیا کہ عمر! تم ایسی بات کی کیوں تحریک کرتے ہو جسے پیغمبر صاحب کسی مصلحتِ خاص کی وجہ عمل میں نہیں لائے اِس پر عمر نے کہا وَاللهِ هٰذَا خَيْرٌ یعنی قسم خدا کی قرآن کی جمع و تالیف میں سرتاسر خیریت ہی خیریت ہی - الغرض عمر فاروق مجھ سے اِس بارے میں بہت کچھ گفت و شنید کرتے اور معقول جواب دیتے رہے یہاں تک کہ خدا نے میرا سینہ کھول دیا اور جو بات عمرِ فاروق نے پسند کی تھی مجھے بھی بہت ہی عمدہ اور نتیجہ خیز معلوم ہوئی - حقیقت میں اس وقت قرآن کے دائمی تحفّظ کے لیے اِس سے بہتر اور کوئی تدبیر ہی نہیں - کہ سارا قرآن ایک مصحف میں نقل کردیا جائے - زید! تم نوجوان دانشمند ہو اور مدّتوں جناب پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے لیئے وحی لکھتے رہے ہو اور یُوں بھی سہو و غفلت کے ساتھ کبھی متّہم نہیں ہوئے لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اِس خدمت کو میری خاطر قبول کرو - اوّل قرآن کو تلاش کرو پھر جہاں پاؤ وہاں سے اخذ کرکے سب کو ایک جگہ جمع کردو - زید بن ثابت کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیق کا یہ تمہیدی بیان سُن کر مَیں تو حیرت میں رہ گیا - بہت سوچا کہ کیا جواب دوں مگر مَیں اُس وقت ایسا خالی الذہن تھا کہ کوئی بات سمجھ ہی میں نہیں آتی تھی خدا کی قسم اگر لوگ مجھے نقلِ جبال کی تکلیف دیتے تو وہ قرآن کی جمع و تالیف سے مجھ پر بہت آسان تھی - الغرض میں نے تھوڑے تامّل کے بعد اتنا تو عرض کیا کہ یا خلیفہ رسول اللہ آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں جو پیغمبر صاحب نے نہیں کیا ابوبکر صدیق نے جواب میں فرمایا هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ

یہ بھی زید کا بیان ہی کہ ابوبکر صدیق بار بار اسی کی تحریک کرتے اور مجھے اُبھارتے رہے یہاں تک کہ میری حالت میں ایک فوری تغیّر پیدا ہوگیا یعنی خدا نے میرا سینہ وَیسا ہی کھول دیا جیسا ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کا کھولا تھا اور مَیں نے بھی قرآن کی جمع و تالیف میں وہ مصلحت دیکھی جو اُن دونوں صاحبوں نے دیکھی تھی پس مَیں نے قرآن کو ڈھونڈنا اور کھجور کے پتوں اور کتّلوں اور جھلیوں سے نقل کرکے جمع کرنا شروع کیا - اور بڑی محنت اور جانکاہی سے ایک مصحف تیار کرکے ابوبکر صدیق کے حوالے کردیا - اِس سے پہلے قرآن مجید منتشر تھا کیونکہ اُن دنوں لکھنے پڑھنے کے دستور نے اچھی طرح رواج نہ پایا تھا اور پیغمبر صاحب خود لکھے پڑھے نہ تھے آپکا قاعدہ تھا کہ جب وحی نازل ہوتی اور کوئی لکھا پڑھا صحابی موجود ہوتا - تو اُسے حکم فرماتے کہ اِسکو قلمبند کرلو - اُس زمانے میں جب کتابت ہی کا رواج نہ تھا - تو سامانِ کتابت کہاں سے مہیا ہوتے - صحابی ویسے ہی بے سروسامانی کی حالت میں

کبھی کسی پتھر پر کبھی کسی جھلی پر کبھی ہڈیوں پر وحی قلمبند کر لیتے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے سب سے پہلے منتشر قرآن کو ایک جگہ جمع کرایا عمر فاروق نے اپنے زمانۂ خلافت میں جو کارِ نمایاں کیے کتبِ احادیث و سیر میں اس کثرت سے مذکور ہیں کہ اگر اُن میں سے فی صدی پانچ کا بھی انتخاب کیا جائے تو رسالۂ **اجتہاد** میں بالکل گنجائش نہ ہے صرف ایک فتوحات ہی کی اتنی لمبی فہرست ہے کہ اس کے لیے کئی جزو چاہییں۔ لیکن مختصر یہ ہے کہ عمر فاروق ۲۲۔ جمادی الاُخری ۱۳ھ ہجری کو منگل کے روز تختِ خلافت پر متمکن ہوئے اور ۱۴ھ کے آغاز میں دمشق پر چڑھائی کر کے اُسے فتح کر لیا۔ دمشق کا فتح ہونا تھا کہ حمص اور بعلبک دونوں صلحاً مُسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔

دمشق کے بعد بصرے پر فوج کشی کی اور چند ہی روز میں ابلّہ اور بصرہ دونوں پر اسلامی جھنڈا لہرانے لگا اسی برس عمر فاروق نے لوگوں کو نمازِ تراویح پر جمع کیا یعنی نمازِ تراویح جماعت کے ساتھ پڑھنے کا حکم فرمایا۔ ۱۵ھ ہجری میں اُردن کے تمام اضلاع پر اسلامی حکومت نے قبضہ کر لیا اور طبریہ صلحاً مُسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اسی برس یرموک اور قادسیہ کا واقعہ پیش آیا۔ اور ایک عام خونریزی کے بعد دونوں شہر عمرِ فاروق کی تیغِ برّاں کے آگے سرنگوں ہو گئے۔ اسی سنہ میں عمرِ فاروق نے دفاتر کا صیغہ جاری کیا اور جدا جُدا محکمے قائم کیے۔ ۱۶ھ ہجری میں اہواز اور مدائن فتح ہوئے اور سعد نے جو اِن دنوں افواجِ اسلام کے سپہ سالار تھے بڑی شان و شوکت کے ساتھ ایوانِ کسرےٰ میں جمعے کی نماز پڑھی۔ عراق کے سارے مُلک میں یہ پہلا جمعہ تھا جو سعد نے قائم کیا اسی برس کسرےٰ کا بیٹا یزدجرد عراق سے بھاگ کر رَے چلا گیا۔ اسی برس تکریت فتح ہوا اور عمرِ فاروق نے بیت المقدس کی چڑھائی کا فوراً ساز و سامان تیار کر کے فوج کو اُدھر روانہ کیا اور عقب سے خود بھی ایک جرّار لشکر ساتھ لے بیت المقدس پر حملہ آور ہوئے مخالفین شہر بند ہو گئے مگر عمرِ فاروق کی کوشش و تدبیر سے چند ہی روز میں بیت المقدس کے عالیشان گنبدوں پر اسلام کے شاندار پھریرے ہوا میں اُڑتے نظر آنے لگے بیت المقدس کے فتح ہونے کے بعد عمرِ فاروق نے جابیہ کی جامع مسجد میں اپنا مشہور خطبہ پڑھا جس میں پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد کے فتوحات مفصلاً مذکور تھے۔ اِسی سال قنسرین اور حلب و انطاکیہ و سروج اور قرقیسیا وغیرہ بہت سے شہر فتح ہوئے اور اسی برس عمرِ فاروق نے علی کرم اللہ وجہہٗ کے مشورے سے ہجرت سے تاریخ لکھنی شروع کی۔ ۱۷ھ ہجری کے آغاز میں عمرِ فاروق نے مسجدِ نبوی میں اضافہ کیا اور اسی برس ملکِ حجاز میں وہ مشہور قحط پڑا۔ جو بہت دنوں تک عرب کے بچے بچے کی زبان پر عام الرمادہ کے نام سے جستہ جستہ آتا رہا۔ عمرِ فاروق پیغمبر صاحب کے چچا عباسؓ کو ساتھ لے کر استسقاء کے لیے نکلے۔ ۱۸ھ ہجری میں جندیسابور اور حلوان فتح ہوئے اور اسی موقع پر طاعونِ عمواس پڑا اور اسی برس رُہا اور شمیساط اور حران اور نصیبین اور موصل اور اس کے اضلاع مُسلمانوں کے قبضے میں آئے۔ ۱۹ھ ہجری میں قیساریہ اور ۲۰ھ ہجری میں مصر اور تستر فتح ہوئے۔ اور اسی سال قیصرِ عظیم الروم مر گیا اور اسی سال فاروق اعظم نے یہود کو خیبر اور نجران سے جلاوطن کر دیا اور خیبر اور وادی القریٰ کو مسلمانوں میں تقسیم کیا۔

۲۱ھ ہجری میں اسکندریہ اور نہاوند فتح ہوئے۔ اور اب عجمیوں کی رہی سہی قوت و شوکت بھی خاک میں مل گئی۔ ۲۲ھ ہجری میں آذربیجان اور دینور اور ماسبذان اور ہمدان اور طرابلس اور رَے اور عسکر اور قومس یکے بعد دیگرے فتح ہوئے۔ اور ۲۳ھ ہجری میں کرمان سجستان۔ مکران۔ اصفہان اور اس کے اضلاع مُسلمانوں کے قبضے میں آئے۔ الغرض فتوحات کے لحاظ سے اِس کہنے میں ذرا بھی مبالغہ نہیں۔ کہ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ سلم نے اسلام کا بنیادی پتھر رکھا اور عمرِ فاروق نے

اُس پر بڑی شاندار عمارت بنا کھڑی کی مگر افسوس ہی کہ ایسا ہمدردِ اسلام - اس قدر جلد دنیا سے اُٹھا لیا گیا کہ تھوڑے روز بھی اُس نے اپنے ہاتھ کے لگائے ہوئے درخت کی بہار نہ دیکھی یعنی اسی ۲۳؁ ہجری کے آخر عمر فاروق تریسٹھ سال کی عمر میں دس سال چھ مہینے خلافت کی کُرسی پر رونق افروز رہ کر شہید ہو گئے - اور یہ اُن کی اُس دعا کا اثر تھا جو اُنھوں نے ایک موقع پر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر اِس طرح کی تھی اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِکَ یعنی خداوندا مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب کر اور میری موت اپنے پیغمبر کے شہر میں مقرر فرما -

سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ ۲۳؁ ہجری کے آخر میں جب عمر فاروق رج خانہ کعبہ سے لوٹے تو ابطح میں اپنی سواری بٹھائی اور زمین پر چت لیٹ کر آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اُٹھائے اور نہایت تضرع و تخشع کے لہجے میں کہا اَللّٰھُمَّ کَبُرَتْ سِنِّیْ وَضَعُفَتْ قُوَّتِیْ وَانْتَشَرَتْ رَغْبَتِیْ فَاقْبِضْنِیْ اِلَیْکَ غَیْرَ مُضَیِّعٍ وَّلَا مُفَرِّطٍ - یعنی خداوندا میری عمر بہت بڑی ہو گئی - اور میری قوت کم زور پڑ گئی اور میری رغبت منتشر ہو گئی تو تُو مجھے اپنی طرف اِس حال میں اُٹھالے - کہ نہ تو میں تیرے حقوق ضائع کرنے والا ہوں اور نہ اُن میں تقصیر کرنے والا - عمر فاروق کی شہادت کا سبب یہ تھا کہ مغیرہ بن شعبہ کے پاس جو عمر فاروق کی طرف سے کوفے کے صوبے تھے ایک بڑا اصناع مجوسی غلام تھا جس کو ابو لؤلؤ کہتے تھے - مغیرہ نے عمر فاروق سے اجازت لے کر غلام کو اِس خیال سے مدینے روانہ کیا کہ وہاں کے لوگ اِس کی دست کاری سے فائدہ اُٹھائیں گے یہ غلام نقاشی اور نجاری اور حدادی وغیرہ صنعتوں سے خوب واقف تھا اور اسی وجہ سے مغیرہ نے سو درہم ماہوار خراج کے اِس پر مقرر کر رکھے تھے - جب یہ مدینے آیا تو عمر فاروق سے مغیرہ کی شکایت کی کہ اُنھوں نے مجھ پر خراج بہت لگا رکھا ہی آپ اُن کو ہدایت کریں گے تو میرے خراج میں تخفیف ہو جائے گی اگرچہ عمر فاروق نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ مغیرہ کو ابو لؤلؤ کی کمیِ خراج کی بابت ہدایت کروں گا - مگر اُس کی شکایت کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ تیری اِن ہنرمندیوں اور آمدنی کے مقابلے میں تو خراج کی رقم کچھ ایسی بہت ہی نہیں - ابولو لو مجوسی یہ سن کر دل میں بہت ناخوش ہوا اور اُس کی مذہبی عداوت نے انتقام کی آگ اُس کے تن بدن میں پھونک دی چند روز کا بھلاوا دے کر ایک دن بہت سویرے زہر میں بجھا ہوا ایک خنجر چھپائے ہوئے اندھیرے اندھیرے مسجد کے ایک گوشے میں آچھپا - عمر فاروق دستور کے موافق بہت سویرے بیدار ہوئے اور لوگوں کو نماز کے لیے جگاتے پھرے - جب اُس مقام پر پہنچے جہاں ظالم ابو لؤلو چھپا بیٹھا تھا تو اُس ملعون نے نہایت بے رحمی کے ساتھ آپ کی کوک میں خنجر گھونپ دیا - لوگ پکڑنے کو دوڑے تو اُن میں سے بارہ آدمیوں کو زخمی کر ڈالا - آخر کار ایک عراقی نے اُس پر اپنا کپڑا ڈال دیا - اور جب اُس نے دیکھا کہ میں گرفتار ہو چلا تو خودکشی کر لی - بعض روایتوں میں آیا ہی کہ عمر فاروق صفوفِ جماعت درست کر رہے تھے - اِسی اثنا میں ابولو لو نے خنجر مارا - اور چلتے ہوئے اُن تیرہ ۱۳ آدمیوں کو بھی زخمی کیا جو اِس کے تعاقب میں تھے جن میں سے ۶ چھے آدمی انتقال کر گئے -

(۳) ابو عمرو عُثمان بن عفّان رض

اِن کا نام عثمان - کنیت ابو عمرو یا ابو عبد اللہ - لقب ذو النورین - یہ بھی قریشی ہیں - اور ان کا نسب جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم

کی چھٹی پشت میں جاملتا ہے۔ ان کی والدہ کا نام اروی ہے اور وہ بیٹی ہیں کُریز کی۔ آروی کی ماں اُمّ حکیم البیضاء عبدالمطلب کی بیٹی ہیں اور اُمّ حکیم البیضاء اور پیغمبر صاحب کے والد عبداللہ دونوں بہن بھائی جوڑواں پیدا ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے حضرت عثمانؓ کی والدہ جناب پیغمبر صاحب کی پھوپی کی بیٹی ہوئیں۔ عثمان ذوالنورینؓ عام الفیل کے چھٹے برس پیدا ہوئے۔ اور ابوبکر صدیق کی تعلیم وتلقین سے اسلام قبول کیا۔ اُن سے پہلے صرف تین مرد یعنی ابوبکر صدیقؓ علی مرتضیٰؓ اور زید بن حارثؓ داخل اسلام ہو چکے تھے جب یہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بغرض قبول اسلام حضرت ابوبکر صدیق کی ہمراہی میں آئے۔ تو پیغمبر صاحب نے ان کی طرف روئے سخن کر کے فرمایا عثمان! خدا کی جنت کی مہمانی قبول کرو۔ میں تمہاری اور خدا کی تمام مخلوقات کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پیغمبر صاحب اتنا ہی فرمانے پائے تھے کہ عثمان بے تاب ہو گئے۔ اور بے ساختہ اِن کی زبان سے نکلا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ان کے چچا حکم بن العاص کو ان کے مُسلمان ہونے کی خبر ہوئی تو اُس نے ان کو رسی سے جکڑ کر ایک کوٹھری میں بند کر دیا اور کہا تم نے اپنے آباؤ اجداد کا قدیم دین چھوڑ کر جدید مذہب کیوں اختیار کیا تا وقتیکہ تم اس نئے اور جدید مذہب کو ترک کر کے اپنے قدیم دین کی طرف عود نہ کر آؤ گے۔ اِس حبس شدید سے رہائی نہ پاؤ گے۔ مگر عثمان ذوالنورین نے اِس موقع پر نہایت استقلال اور ثابت قدمی ظاہر کی اور چچا سے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میں تو اس دین کو چھوڑنے والا ہوں نہیں تم سے جو کچھ کرتے بن پڑے کر گزرو۔ حکم بن العاص۔ عثمان ذوالنورین کے اس دل شکن جواب سے بالکل مایوس ہو گیا اور ان کی صلابت فی الدین اور استقلال کو دیکھ کر قید سے رہا کر دیا *

حضرت عثمانؓ کے مفاخر

(۱) عثمان رضی اللہ عنہ کے ذُوالنُّورین کے ساتھ ملقّب ہونے کی روایت بڑی دل چسپ ہے جو تقریباً تمام صحاح کی کتابوں میں جستہ جستہ مذکور ہے وہ یہ کہ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں جو بطن خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئی تھیں اور جن میں سے ایک کا نام بی بی رقیہؓ اور دوسری کا نام اُمّ کلثومؓ تھا۔ اِن کے نکاح میں یکے بعد دیگرے آئی تھیں بی بی رقیہؓ کا اِن سے نکاح پیغمبر صاحب کی ہجرت سے بہت پہلے ہو چکا تھا اور اُمّ کلثوم اپنی بہن کے انتقال کے بعد ۳ہجری میں عثمان کے نکاح میں آئیں۔ چونکہ پیغمبر کی دو بیٹیوں کے نکاح میں رکھنے کا شرف بجز عثمان رضہ کے اَور کسی کو میسّر نہیں ہوا۔ یعنی شروع زمانہ آدم سے جناب خاتم النبیین کے وقت تک یا یوں کہو کہ قیامت تک کوئی شخص ایسا نہیں ہوا جس کے نکاح میں پیغمبر کی دو بیٹیاں رہی ہوں۔ اِس سے اِن کا لقب ذُوالنُّورین ہوا۔

(۲) جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی اُمّ کلثوم کو ان کے نکاح میں دیا تو صاحبزادی سے فرمایا بیٹیا! تمہارے شوہر عثمان سب لوگوں میں تمہارے دادا ابراہیم اور تمہارے والد محمد سے صورت و سیرۃ میں مشابہ تر ہیں۔

(۳) جن دنوں بدر پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں پیغمبر صاحب کی بڑی صاحبزادی بی بی رقیہؓ سخت علیل تھیں۔ پیغمبر صاحب نے حضرت عثمان کو بی بی رقیہؓ کی بیمارداری کے لیے مدینے چھوڑا اور فتح کے بعد تقسیم مال غنیمت کے وقت ان کا حصہ لگا کر انھیں بدریوں کی جماعت میں شامل کر دیا۔

(۴) جب پیغمبر صاحب کی دوسری صاحبزادی اُمِ کلثومؓ کا انتقال ہوا تو پیغمبر صاحب نے اصحاب کو مخاطب کرکے فرمایا کہ عثمان کا نکاح کردو اگر میری تیسری بیٹی بے بیاہی ہوتی تو مَیں ضرور اُسے اِن سے بیاہ دیتا۔ اور مَیں نے اپنی دونوں لڑکیوں کو عثمان کے نکاح میں اپنی رائے سے نہیں دیا بلکہ خدا کی وحی اور اُس کے حکم سے دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ فرماتے ہیں مَیں نے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ اگر میرے چالیس بیٹیاں ہوتیں۔ تو بھی مَیں یکے بعد دیگرے عثمان سے بیاہتا جاتا یہانتک کہ ایک بھی باقی نہ رہتی۔

(۵) عثمان ذوالنورین نے پیغمبر صاحب کی اجازت سے سب سے پیشتر حبشے کی طرف ہجرت کی اس سفر میں ان کی بی بی حضرت رُقیہؓ بھی اِن کے ہمراہ تھیں۔ اِن کے ہجرت کرجانے کے بعد پیغمبر صاحب کو اِن کی مفارقت نے کئی روز تک بے چین رکھا آپ صبح سویرے مکے سے باہر رستے کے اُس ناکے پر جا کھڑے ہوتے جو حبشے کو جاتا تھا اور اُدھر کے آنے والوں سے اُن کی خیریت دریافت کرتے اور فرماتے خدا اُن دونوں کو سلامت رکھے بے شک عثمانؓ حضرت لُوطؑ کے بعد پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنی بی بی کے ساتھ راہِ خدا میں ترکِ وطن کیا۔

(۶) صلحِ حُدیبیہ کے مَوقع پر حضرت عثمان مُسلمانوں کی طرف سے پیامِ صلح لے کر اہلِ مکہ کے پاس گئے اِن کے لَوٹنے میں دیر ہوئی وہاں مشہور ہوگیا کہ عثمان کو اہلِ مکہ نے مار ڈالا۔ اِس پر پیغمبر صاحب نے مُسلمانوں سے لڑنے مرنے کی بیعت لی جو بیعتِ رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ جب لوگ پیغمبر صاحب سے بیعت کرچکے تو پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ عثمان خدا اور رسولِ خدا کے کام میں مکے گئے ہوئے ہیں۔ پھر ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا۔ یہ ہاتھ عثمان کا ہے۔

(۷) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مَفاخر میں سب سے بڑی منقبت صفتِ حیا ہے جو اِن کے تمام اوصاف و مناقب پر غالب تھی اور جس کی پیغمبر صاحب اور نہ صرف پیغمبر صاحب بلکہ خدا اور اُس کے مقرب فرشتے تک حد سے زیادہ قدر کرتے تھے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دن جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حُجرے میں پنڈلیاں کھولے کروٹ کے بَل لیٹے تھے اِتنے میں ابو بکر نے آنے کی اجازت مانگی۔ پیغمبر صاحب نے آنے کی اجازت دی اور اُسی ہیأت سے لیٹے رہے۔ پھر عمر فاروق آئے تو بھی پیغمبر صاحب پنڈلیاں کھولے لیٹے رہے۔ عثمان نے آنے کی اجازت مانگی تو پیغمبر صاحب جھٹ اُٹھ بیٹھے اور پنڈلیوں کو کپڑے سے چھپالیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب یہ تینوں صاحب چلے گئے تو مَیں نے پیغمبر صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ ابوبکر آئے تو آپ نے اُن کے لیے کوئی اہتمام نہیں کیا۔ عمر فاروق آئے تو بھی آپ بدستور لیٹے رہے مگر عثمان آئے تو آپ اُٹھ بیٹھے اور پنڈلیوں کو کپڑے سے چھپالیا۔ پیغمبر صاحب نے فرمایا عائشہ! بھلا میں ایسے آدمی سے کس طرح شرم نہ کروں جس سے خدا کے فرشتے شرم کرتے ہیں۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ عائشہ! عثمان بڑا شرمیلا آدمی ہے اگر مَیں اپنی اسی حالت میں اُس کو آنے کی اجازت دیتا۔ اور وہ مجھے اِس حال میں دیکھتا تو میرے پاس نہ آتا۔ ایک دفعہ پیغمبر صاحب کے پاس ایک فرشتہ بیٹھا ہوا تھا اتنے میں حضرت عثمان بھی آپہنچے فرشتے نے کہا اِن کو اِن کی قوم شہید کرے گی۔ اور ہم فرشتے ان سے شرم کرتے ہیں۔ ایک مَوقع پر حسنؓ کے سامنے حضرت عثمان کی حیا کا تذکرہ چل پڑا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ حضرت عثمان کی حیا کا یہ حال تھا کہ جب غسل کرتے تو گھر کی سب سے اندر کی کوٹھری میں تشریف لے جاتے اور دروازہ بند کردیتے مگر پھر بھی اُن کی حیا

سمیٹ لینے اور تن کر کھڑے ہونے سے مانع ہوتی تھی یعنی حیا کے مارے کُبڑے ہو کر نہاتے۔

(۸) جب لوگوں نے حضرت عثمان کے گھر کا ان کے شہید کرنے کے لیے محاصرہ کیا ہے تو انھوں نے اتمام حجت کے لیے مکان کے ایک نابدان سے سر باہر نکال کر اپنے بہت سے مفاخر اور خدماتِ اسلام کو بیان کیا منجملہ اُن کے ایک یہ بات تھی کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں میں نے کبھی راگ نہیں گایا اور نہ اُس کی خواہش میرے دل میں پیدا ہوئی اور جب سے میں نے جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ سے بیعت کی ہی اپنا دایاں ہاتھ ستر کو نہیں لگایا۔ نہ تو میں زمانہ جاہلیت ہی میں کبھی زنا اور چوری کا مرتکب ہوا اور نہ عہدِ اسلام ہی میں

(۹) ایک دن جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فتنوں اور لڑائیوں کا ذکر کرتے کرتے اُس فتنے کا بیان فرمانے لگے جو عنقریب واقع ہونے والا تھا اتنے میں ایک شخص سر پہ مقنعہ ڈالے ہوئے گزرا۔ پیغمبر صاحب نے فرمایا یہ شخص اُس روز ہدایت پہ ہوگا۔ مرّہ بن کعب جو ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ پیغمبر صاحب کا یہ ارشاد سُن کر اُٹھے اور اُس شخص کا مقنعہ ہٹا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ عثمان تھے اُنھوں نے حضرت عثمان کا چہرہ پیغمبر صاحب کی طرف کر کے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وہ یہی شخص ہے۔ پیغمبر صاحب نے فرمایا ہاں ہاں وہ یہی شخص ہے اس کے بعد پیغمبر صاحب نے فرمایا عثمان! اگر خدائے تعالیٰ تمھیں لباسِ خلافت عنایت فرمائے اور پھر منافقین اُس خلعت کو تمھارے جسم سے اُتارنا چاہیں تو تم اُسے اپنے جسم سے علٰحدہ نہ کرنا تا مرگ

حضرت عثمانؓ کی خدمات

(۱) حضرت عثمان ذوالنورین کی من جملہ اُور اسلامی خدمتوں کے ایک بڑی خدمت یہ ہے کہ انھوں نے جیشِ عُسرہ کے سامان مہیا کرنے میں اپنا بہت سا روپیہ خرچ کیا نو سو پچاس اُونٹ کجاووں اور پالانوں سمیت اور پچاس گھوڑے خرید کر مجاہدین کو عطا کیے جس کے صلے میں پیغمبر صاحب نے فرمایا مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ یعنی اس کے بعد عثمان جو کچھ بھی کریں اُس سے اِن کو کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ پھر اسی موقع پر حضرت عثمان نے ایک ہزار دینار نقد بھی دیے۔ ترمذی میں عبدالرحمٰن بن سمرہ سے مروی ہے کہ جب جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جیشِ عُسرہ کے سامان مہیا کرنے میں مصروف ہوتے تو عثمانؓ نے علاوہ اُور امداد کے ایک ہزار دینار لا کر آپ کی گود میں ڈال دیئے پیغمبر صاحب دیناروں کو اُچھالتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْیَوْمِ۔

(۲) بیرِ رُومہ[۵] کے خریدنے اور کھودنے میں بیس ہزار خرچ کیے اور اُسے مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔

(۳) مسجدِ نبوی میں نمازیوں کی کثرت سے گنجایش نہ رہی تو حضرت عثمان رضؓ نے مسجد کے آس پاس کے مکان پچیس ہزار کو خرید کر مسجد کی توسیع[۶] کر دی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دفن ہونے کے تین روز بعد عثمان ذُوالنُّورین کی خلافت پر بیعت ہوئی۔ حضرت عمر فاروق نے خلافت کے لیے کسی شخص کو متعین نہیں کیا تھا۔ بلکہ مسلمانوں کی رائے پر چھوڑ دیا تھا اور چھ جلیل القدر دانشمندان صحابہ کو منتخب کر کے خلافت کی باگ اُن کے ہاتھوں میں دے دی تھی کہ باہمی مشورے سے جسے چاہیں خلیفہ بنا دیں۔ عمر فاروق کے انتقال کے بعد اہلِ شُوریٰ نے عبدالرحمٰن بن عوف کو اپنا سرپنچ مقرر کیا اور اُنھوں نے عام مسلمانوں کی رائے ٹٹول کر حضرت عثمان کو خلافت کے لیے منتخب

[۵] یہ یہود کا ایک کنواں تھا جسے حضرت عثمان نے پیغمبر صاحب کی حیات بابرکات کے زمانے میں اپنے ذاتی روپیہ سے خرید کر وقف کر دیا تھا ۱۲

[۶] مسجدِ نبوی کے پڑوس میں جیتے انصار بستے تھے حضرت عثمان نے پیغمبر صاحب کی حیات بابرکات کے ملنے پر اُن سے مکان اپنے ذاتی سرمائے سے خرید کر مسجد میں شامل کر دیئے ۱۲

کیا۔ سب سے پہلے خود عبدالرحمن بن عوفؓ نے بیعت کی پھر مہاجرین نے اور مہاجرین کے بعد انصار نے۔ خلافت کے زمانے میں حضرت عثمان رضہ سے جو کارنمایاں اور اسلامی خدمتیں ظہور میں آئیں اُن میں سے چند یہ ہیں۔

(۴) ۲۴ھ ہجری میں کہ یہی آپ کی خلافت کا پہلا سال ہے ملک رَے کا وہ حصہ جو عہدِ فاروق میں فتح ہونے سے رہ گیا تھا مسلمانوں کے قبضے میں آیا اسی برس نکسیر کا مرض عام پھیلا۔ اور اسی وجہ سے یہ برس سنۃ الرعاف کے نام سے مشہور ہوا۔ حضرت عثمان رضہ خود اس مرض میں چند روز مبتلا رہے اور اس سبب سے کتے حج کو نہ جاسکے۔ اسی سال روم کے بہت سے قلعے فتح ہوئے۔ اور اسی سال عثمان ذوالنورینؓ نے سعد بن ابی وقاص کو کوفے کا گورنر مقرر کرکے مغیرہ بن شعبہ کو جو عمر فاروق کے عہد سے کوفے کے گورنر تھے معزول کردیا۔ مگر پھر بہت ہی جلد یعنی ۲۵ھ میں سعد کو بھی معزول کردیا۔ اور اپنے اخیافی بھائی ولید بن عقبہ کو کوفے کی گورنری مستقل طور پر دے دی اور یہ پہلا موقع تھا جس سے لوگوں میں عثمانؓ کی طرف سے بددلی پیدا ہوئی۔ کیونکہ انھوں نے اپنے اقارب کو بحیثیت قرابت اُن لوگوں پر ترجیح دی جو بحیثیتِ فضیلت ان سے بہت بہتر اور لائق تر تھے۔ ولید بن عقبہ تھا تو صحابی مگر وہ کچھ ایسا محتاط اور پاکباز نہ تھا جس کو سعد بن ابی وقاص جیسے پاکباز بے نفس نیک نہاد صحابی پر ترجیح دی جاتی۔ ولید اکثر مخمور رہا کرتا تھا اور کبھی کبھی نماز کی حالت میں بھی لوگوں نے اسے مست پایا۔ خلیفۂ وقت یعنی عثمان ذوالنورینؓ سے اس کی شکایت کی۔

(۵) ۲۶ھ ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد الحرام میں ایک معتد بہ اضافہ کیا یعنی مسجد الحرام کے گرداگرد کے مکانات خرید کر مسجد میں شامل کردیئے جس سے مسجد کا صحن بہت فراخ ہوگیا۔ اسی برس سابور فتح ہوا۔

(۶) ۲۷ھ میں معاویہ کو فوج کا سپہ سالار مقرر کرکے قبرس کی طرف روانہ کیا۔ اور اُنھوں نے بڑی ہوشیاری سے بحری راستہ طے کرکے قبرس کو فتح کرلیا۔ اسی برس ارّجان اور دارابجرد فتح ہوئے۔ اور اسی برس حضرت عثمان نے عمرو بن العاص کو مصر سے معزول کرکے اُن کی جگہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مقرر کیا۔ جس نے افریقیہ کو اول سے آخر تک فتح کرلیا۔ اس فتح میں لشکر کے ایک ایک آدمی کو تین تین ہزار دینار ملے۔ پھر اسی برس اندلس فتح ہوا۔

(۷) ۲۹ھ میں اصطخر فتح ہوا۔ اور اسی سال عثمان ذوالنورینؓ نے مسجد مدینہ کی توسیع کی۔ مسجد کو منقوش پتھروں سے بنایا اور پتھر کے عمدہ ستون کھڑے کرکے اُن پر ساج کی لکڑی کی چھت پاٹ دی۔ اب مسجد کا طول ایک سو ساٹھ گز اور عرض ایک سو پچاس ہوگیا

(۸) ۳۰ھ میں جور اور ملک خراسان کے بہت سے شہر فتح ہوئے۔ اور نیشاپور صلحاً مسلمانوں کا ماتحت ہوگیا۔ طوس اور سرخس بھی صلحاً مسلمانوں کے قبضے میں آگئے۔ اور مرو اور بیہق بھی۔ جب اس قدر ممالک مسلمانوں کے قبضے میں آگئے تو عثمان ذوالنورینؓ کے پاس عُشر اور خراج کا اس قدر مال آیا کہ اُس کے رکھنے کو جگہ نہیں ملی اور اب اُنھیں خزانوں اور دفتروں کے قائم کرنے کی ضرورت ہوئی۔ لوگوں کے وظائف مقرر ہوئے اور تمام مسلمان دولت سے مالا مال ہوگئے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ ۳۵ھ ہجری میں ذی الحجہ کی گیارہویں تاریخ جمعے کے دن شہید کیے گئے اور ہفتے کی شب کو مابین المغرب والعشاء بقیع میں مدفون ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ سال خلافت کی۔ ان میں سے پہلے چھے سال تو نہایت اطمینان سے گزرے اور کوئی خرخشہ پیش نہیں آیا۔ مگر پچھلے چھے سالوں میں طرح طرح کے اختلافات اور جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اکثر لوگوں کو حضرت عثمان کی شکایت کا موقع ملا۔ شکایت اور عام ناراضگی کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عثمان نے تمام بڑے بڑے عہدے اور مناصب اپنے

رشتے داروں میں تقسیم کر رکھے تھے۔ مروان کو افریقیہ کا خمس بخش دیا۔ اور اپنے خاندان کے لوگوں کو بے کسی استحقاق کے بے انتہا دولت بخش دی۔ لوگوں نے جب اِس کی بابت دریافت کیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ مَیں خدا کے فرمانے کے مطابق صلۂ رحمی کرتا ہوں۔ اس پر اعتراض کیا گیا کہ پھر ابوبکر و عمر نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ عثمان نے جواب دیا کہ اُنھوں نے اپنا وہ حق چھوڑ دیا جو اُن کے لیے مقرر تھا اور میں نے اپنے حق کو اپنے رشتے داروں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت عثمان کی اس تاویل کو اُس وقت کے اکثر لوگوں نے ناپسندیدگی کی آنکھ سے دیکھا اور یہیں سے طرح طرح کی بدگمانیاں اور فسادات پیدا ہونے شروع ہوئے۔

اِس عام شورش کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان نے اپنے خاندان بنو اُمیّہ میں سے اُن لوگوں کے ہاتھوں میں حکومتیں دے رکھی تھیں جن کو پیغمبر صاحب کی صحبت مُیسّر نہیں ہوئی تھی اور اکثر مواقع پر اُن سے وہ باتیں ظہور میں آتی تھیں جن کو اصحاب رسول اللہ ناپسند رکھتے تھے۔ جب جب حضرت عثمانؓ سے ان کی شکایت کی جاتی تو وہ اِن کو معزول تو نہ کرتے ہاں اِن کی طرف سے معذرت کر کے شکایت کرنے والوں کے آنسو پُونچھ دیتے۔ دراصل یہ ساری خرابیاں مروان کی ذات سے پیدا ہوئیں کہ وہ شروع سے مفسد اور فتنہ انگیز تھا اُس نے عثمانؓ کو اپنے قبضے میں یہاں تک کر لیا تھا کہ جو یہ کہتا وہ کرتے۔ اور اسی کی وجہ سے مدینے کے قبیلوں میں عام بغاوت و شورش پیدا ہو گئی۔ عمرو بن العاص کو مصر سے معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن ابی سرح کو عامل مصر قرار دینا ہی اہل مصر کی برہمی کا باعث تھا مگر جب عبداللہ نے رعایا کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ برتے اور اہل مصر کی شکایتوں پر بھی حضرت عثمان نے عبداللہ کو مصر سے علیحدہ نہیں کیا تو اِس سے لوگوں میں ایک ایسا زہریلا جوش پیدا ہوا کہ ہزار روکے نہ رُکا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مصر کا ایک شخص حضرت عثمان کے پاس آیا اور عبداللہ بن ابی سرح کے بے انتہا مظالم بیان کیے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ کو ایک بڑا تہدید آمیز فرمان لکھا۔ اور رعایا کے ساتھ انصاف کرنے کی تاکید کی۔ مگر عبداللہ نے اِن کے فرمان کی تعمیل نہیں کی اور جس نے شکایت کی تھی اُسے قتل کر ڈالا۔ اِس پر سات سو آدمی مصر سے نکل کر مدینے آئے۔ اور مسجد نبوی میں اُترے تمام اصحاب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو جمع کر کے ہر نماز کے موقع پر لگے عبداللہ بن ابی سرح کے مظالم سُنانے۔ طلحہ بن عبیداللہ مع چند دیگر صحابیوں کے حضرت عثمان کے پاس گئے۔ اور نہایت سختی اور تیزی کے ساتھ اس بارے میں اُن سے باتیں کیں ادھر اُمّ المومنین حضرت عائشہ نے حضرت عثمان کو یہ پیام دیا کہ پہلے بھی تمہارے پاس جناب پیغمبر صاحب کے صحابی اس غرض سے آئے تھے کہ تم عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کر دو مگر تم نے اِس کی طرف کچھ توجہ نہیں کی۔ اَب عبداللہ نے ناحق ایک شخص کو مار ڈالا ہے اُس کا قصاص لینے کو پیغمبر صاحب کے اصحاب پھر تمہارے پاس آتے ہیں تو تم اپنے عامل کے بارے میں انصاف سے کام لو۔ اِس کے ساتھ ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت عثمان کے پاس گئے اور کہا امیرالمؤمنین! اصحاب محمد صلے اللہ علیہ وسلم آپ سے صرف اتنا چاہتے ہیں کہ آپ عبداللہ کو معزول کر دیں اور اُس نے جو ایک شخص کو قتل کر ڈالا ہے اگر اُس کا ثبوت ہو جائے تو اُس سے قصاص لے لیں۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ اچھا تم لوگ ایک ایسے شخص کو منتخب کر دو جو عبداللہ کی جگہ مقرر کیا جائے۔ مصریوں نے کہا ابوبکر صدیقؓ کے فرزند محمد کو مصر کا عامل بنا دیجیے۔ حضرت عثمان نے فوراً اُن کے ... کا فرمان لکھ ... اور وہاں کا والی مقرر کر دیا یہ لوگ مصر کی طرف روانہ ہو گئے اور مدینے کے چند انصار و مہاجرین بھی محمد بن ابی بکر کے ساتھ مصر کی جانب چل نکلے۔ مدینے سے تین دن کی مسافت پر ... کو ایک حبشی غلام ملا جو اونٹ کو مار مار کر بے تحاشا ... سے بھگائے چلا جاتا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی کی تلاش میں جا رہا ہو

یا کوئی اس کی تلاش میں آتا ہے۔ محمد بن ابی بکر کے ہمراہی صحابیوں نے غلام سے کہا کہ اِس پریشانی اور بے چینی کے ساتھ کہاں جاتا ہے کیا کسی کو تلاش کرنے آیا ہے یا کسی سے بھاگ کر جاتا ہے۔ غلام نے کہا میں امیرالمؤمنین کا غلام ہوں اور اُن کے ارشاد کے مطابق عاملِ مصر کے پاس جاتا ہوں کسی نے کہا کہ مصر کے حاکم تو محمد بن ابو بکر صدیق ہیں۔ اور وہ یہیں موجود ہیں کہا میں اِن کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ یہ کہہ کر آگے چلا محمد بن ابی بکر کو جب یہ خبر پونہچی تو اُنھوں نے ایک شخص کو اِس کے تعاقب میں بھیجا اور تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ وہ غلام کو پکڑ لایا۔ محمد بن ابی بکر نے پوچھا تو کون ہے۔ غلام نے کہا میں امیرالمؤمنین کا غلام ہوں۔ محمد نے کہا کہ تو کس کے پاس بھیجا گیا ہے۔ غلام نے کہا عاملِ مصر کے پاس کہا کوئی زبانی پیام دینا ہے یا خط لیئے جاتا ہے۔ غلام نے جواب دیا کہ زبانی پیام کہنا ہے مگر جب اُس کے اسباب کی تلاشی لی گئی۔ تو ایک چھوٹے سے خشک مشکیزے میں خط نکلا۔ خط کے لفافے پر یہ الفاظ درج تھے۔ مِنْ عُثْمَانَ اِلَی ابْنِ اَبِی سَرح۔ لفافہ پڑھ کر محمد بن ابی بکر نے اپنے ہمراہی مہاجرین وانصار اور مصر کے لوگوں کو جمع کر کے سب کے سامنے خط کی مُہر توڑی اور لفافے میں سے خط نکال کر پڑھنا شروع کیا اس میں لکھا تھا کہ جب محمد اور فلاں فلاں آدمی تیرے پاس پونہچیں تو کسی حیلے سے اُنھیں قتل کر ڈال اور محمد سے میرا فرمان لے کر پھاڑ دے جب تک میرا دوسرا حکم نہ پونہچے تو اپنے عُہدے پر برقرار رہ جو لوگ تیری شکایت لے کر میرے پاس آتے ہیں اُنھیں قید کر دے۔ اور کسی سے کسی بات کا خوف نہ کر" لوگوں نے یہ خط سُنا تو نہایت ناگواری کے ساتھ مدینے کی طرف لوٹے۔ مدینے آئے تو طلحہ اور زبیر اور علی اور جتنے اصحاب مدینے میں موجود تھے سب کو جمع کیا اور غلام حبشی کا قصّہ اور خط کا واقعہ بیان کر کے خط سب کے سامنے ڈال دیا۔ طلحہ اور زبیر اور علی رضی اللہ عنہم کو خط کا مضمون پڑھ کر سخت طیش آیا اور مدینے میں کوئی صحابی ایسا نہ تھا جس کو حضرت عثمان کی طرف سے رنج نہ تھا۔ عبداللہ بن مسعود اور عمار بن یاسر اور ابوذر کی حضرت عثمانؓ سے پہلے ہی کشیدگی تھی اور اِن کی ناراضگی کی وجہ سے بنو ہذیل اور بنو زہرہ اور بنو غفار اور بنو مخزوم وغیرہ بہت سے قبائل بگڑ بیٹھے تھے اِس واقعے کو سُن کر تمام قبائلِ مدینہ میں عام شورش پیدا ہو گئی۔ اور محمد بن ابی بکر کی حمایت میں قبیلۂ تیم وغیرہ کے لوگ حضرت عثمان کے مکان پر چڑھ آئے اور مکان کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت علی نے درحقیقت اس نہایت نازک اور خطرناک موقع پر بڑا کام کیا کہ طلحہ اور زبیر اور سعد اور عمار اور اور اصحابِ محمد صلے اللہ علیہ سلم کو ساتھ لے کر حضرت عثمان کے پاس پونہچے اور تمام بلوائیوں کو منتشر کر دیا۔ بلوائیوں کی شورش میں کمی ہوئی تو حضرت علی نے غلام حبشی اور اُونٹ اور خط تینوں کو حضرت عثمان کے سامنے پیش کر کے کہا امیرالمؤمنین! کیا یہ حبشی غلام آپ کا غلام ہے۔ حضرت عثمان نے فرمایا ہاں۔ علی نے کہا اور یہ اُونٹ فرمایا اُونٹ بھی میرا ہے۔ کہا یہ خط آپ ہی نے لکھا ہے۔ حضرت عثمان نے خدا کی قسم کھا کر فرمایا کہ یہ میرا خط نہیں ہے۔ نہ میں نے یہ خط لکھا نہ کسی سے لکھوایا نہ مجھے اِس کا علم نہ میں نے اس غلام کو مصر بھیجا۔ حضرت علی نے کہا اچھا یہ مُہر کس کی ہے۔ فرمایا میری ہی کہا تو بھلا اِس کا یقین کس طرح ہو کہ آپ کو اس کا علم نہیں۔ غلام آپ کا۔ اونٹ آپ کا۔ خط پر مُہر آپ کی۔ حضرت عثمان نے فرمایا میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ میں نے خط لکھا نہ کسی کو لکھنے کا حکم کیا نہ اِس غلام کو مصر بھیجا۔ حضرت عثمان کی اس تقریر سے لوگوں کو کچھ تسلّی ہوئی اور اُنھوں نے خط پہچان کر صاف کہہ دیا کہ بے شک حضرت عثمان کا اس میں کچھ قصور نہیں۔ یہ خط مروان کا ہے اور اسی نے یہ مفسدہ اُٹھایا ہے۔ حضرت علی اور اُن کے ہمراہیوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ مروان حضرت عثمان کے زنانخانے میں مخفی ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ امیرالمؤمنین! آپ مروان کو ہمارے حوالے کر دیجئے۔ پھر آپ سے ہمیں کچھ سروکار نہیں۔ لیکن حضرت عثمان نے مروان کو اِن کے

حوالہ کرنے سے انکار کر دیا اور یہ لوگ رنجیدہ خاطر حضرت عثمان کے گھر سے نکل آئے۔ بلوائیوں نے یہ سُن کر کہ یہ ساری کارروائی مروان کی ہے اور مروان حضرت عثمان کے گھر میں مخفی ہے پھر شورش پیدا کر دی اور حضرت عثمان کا مکان آگھیرا اور پیام دیا کہ مروان کو ہمارے حوالے کر دیا جائے حضرت عثمان نے اُن کو بھی یہی جواب دیا کہ میں مروان کو اپنے جیتے جی تو تمھارے حوالے کرنے کا نہیں بلوائیوں نے بڑی سختی کے ساتھ مکان کا محاصرہ کیا اور پانی کا ایک قطرہ تک اندر نہ جانے دیا۔ حضرت عثمان جب پیاس سے بہت تنگ ہوئے تو آپ نے مکان کے ایک روشن دان سے سر باہر نکالا۔ اور بلوائیوں کی طرف روئے سخن کر کے فرمایا کیا تم میں علی موجود ہیں؟ جواب ملا نہیں فرمایا اچھا سعد ہیں؟ جواب میں کہا گیا نہیں اس کے بعد حضرت عثمان تھوڑی دیر خاموش رہ کر فرمانے لگے کہ کیا کوئی شخص علی کو میرا یہ پیام پہنچا سکتا ہے کہ میں سخت پیاسا ہوں تھوڑا سا پانی مجھے بھیج دو۔ حضرت علی کو یہ پیام پہنچا تو انھوں نے پانی کی بھری ہوئی تین مشکیں حضرت عثمان کے پاس بھیجیں۔ پانی حضرت عثمان تک پہنچا تو سہی مگر بڑی مشکل سے کئی غلام بنی ہاشم کے اور کئی غلام بنی اُمیّہ کے مجروح ہوئے۔ اور دو تین غلاموں کو بلوائیوں نے قتل کر دیا۔ حضرت علی کو جب معلوم ہوا کہ بلوائی حضرت عثمان کو شہید کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے نہایت افسوس و حسرت کے لہجے میں فرمایا کہ ہم تو عثمان سے مروان کو مانگتے تھے نہ کہ خود عثمان کا قتل چاہتے تھے۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنے دونوں فرزندوں حسن و حسین کو بلا کر فرمایا کہ تم دونوں تلواریں لے کر حضرت عثمان کے دروازے پر جا کھڑے ہو اور جو شخص اُن کے پاس بُری نیّت سے جانا چاہے فوراً قتل کر دو۔ علیٰ ہذا القیاس طلحہ نے اپنے بیٹے کو اور زبیر نے اپنے فرزند کو اور ان کے علاوہ اور بہت سے صحابیوں نے اپنے اپنے فرزندوں کو حضرت عثمان کی مدد کے لیے بھیجا اور تاکید کر دی کہ کسی کو اُن کے مکان میں جانے نہ دیں۔ بلوائیوں نے جب یہ دیکھا تو حضرت عثمان پر تیر پھینکنے شروع کیے۔ کئی تیر حضرت حسن اور محمد بن طلحہ اور قنبر[1] کے بھی لگے یہ تینوں صاحب اگرچہ لہو میں سر سے پاؤں تک بھیگ گئے تھے۔ مگر دروازے کی چوکھٹ سے ایک انچ بھر بھی نہیں سرکے۔ بلوائیوں نے حضرت حسن اور محمد بن طلحہ کو خون آلود دیکھا تو اُن کو سخت اندیشہ ہوا کہ اگر بنو ہاشم کو یہ بات معلوم ہوتی ہے تو ابھی سب بگڑ بیٹھتے ہیں اور بگڑ بیٹھیں گے تو اُن کا مقابلہ کسی سے نہیں ہو سکے گا اس سے بہتر یہ ہے کہ غفلت اور بے خبری میں عثمان کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ محمد بن ابی بکر دو شخصوں کو ساتھ لے کر مکان کی ایک دیوار پر چڑھ گئے اور نہایت آہستگی سے اُتر کر اندر پہنچے دیکھا تو حضرت عثمان تنہا بیٹھے ہیں اور اُن کی بی بی اُن کے قریب بیٹھی رو رہی ہیں۔ محمد بن ابو بکر نے حضرت عثمان کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ مگر پھر حضرت عثمان کے اس کہنے سے کہ تیرا باپ اگر یہ موقع دیکھتا تو اُسے تیری یہ حرکت انتہا سے زیادہ بُری معلوم ہوتی فوراً چھوڑ دی۔ اور اِن کے دونوں ہمراہیوں نے حضرت عثمان کو شہید کر ڈالا۔ حضرت علی اور طلحہ اور زبیر اور سعد بلکہ جس قدر صحابی مدینے میں موجود تھے اِس خبر سے سب کے ہوش و حواس جاتے رہے اور کسی کی عقل برجا نہ رہی۔ علی اور طلحہ وغیرہ بڑی مشکل سے اُفتاں و خیزاں حضرت عثمان کے مکان میں آئے دیکھا تو انھیں مقتول پایا۔ حضرت علی نے حسین و حسن سے بڑی سختی اور غصّے کے لہجے میں فرمایا کہ جب تم دروازے پر تھے تو عثمان کس طرح مقتول ہو گئے۔ بلکہ حسن کے چہرے پر زور سے ایک طمانچہ اور حسین کے سینے پر گھونسا مارا اور محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر کو بُرا بھلا کہتے ہوئے غصّے میں کپکپاتے گھر تشریف لے گئے۔

[1] حضرت علی کے غلام کا نام ہے۔ ۱۲

حضرت علی بن ابی طالبؓ

ان کا نام علی۔ کنیت ابو الحسن یا ابو تراب یا ابو الریحانتین۔ لقب حیدرہ۔ یہ بھی قریشی ہیں اور ان کا سلسلہ نسب صرف دوسری پشت میں جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ یہ رشتے میں پیغمبر صاحب کے چچازاد بھائی بھی ہیں اور داماد بھی۔ پیغمبر صاحب پر سب سے پہلے خدیجہؓ کے بعد ہی ایمان لائے۔ یعنی پیر کے روز پیغمبر صاحب خلعت نبوت سے سرفراز ہوئے۔ اور دوسرے دن منگل کو علی کرم اللہ وجہہ نے قبول ایمان کا شرف حاصل کیا۔ اس وقت ان کی آٹھ یا دس برس کی عمر تھی۔ اصل میں ان کے والد ابو طالب کثیر العیال تھے اور گو ہمیشہ سے تجارت کرتے تھے مگر بعد کو اُن کی تجارت بالکل تھک گئی تھی۔ اور اس وجہ سے اکثر مفلس رہا کرتے تھے۔ اُن کے خاندان کے لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ اُن سے اپنی عیال کا بوجھ نہیں اُٹھایا جاتا سب نے مل کر تھوڑا تھوڑا بوجھ بٹانا چاہا اور ابو طالب سے کہا کہ اپنی تمام چھوٹی اولاد ہمیں دے دو۔ ہم اُن کی تربیت و پرورش کے متکفل ہوتے ہیں۔ ابو طالب نے کہا کہ عقیل اور طالب کو تو میں دینے کا نہیں۔ ان کے سوا جس کو چاہو لے لو۔ چنانچہ پیغمبر صاحب نے علی کو اپنی سرپرستی میں لے لیا اور ان کی پرورش کے خود متکفل ہو گئے۔ پیغمبر صاحب مبعوث ہوئے تو گھر کے گھر ہی میں علیؓ آپ پر ایمان لے آئے اور آپ کی رسالت کی بے تردد تصدیق کی۔ اس خصوصیت میں صرف ایک حضرت علی ہی متفرد ہیں کہ طفولیت کے زمانے سے پیغمبر صاحب کی وفات تک ہمہ وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہے اور جب تک زندہ رہے اسلام اور پیغمبر اسلام کی خدمت پر فدا رہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مفاخر

(۱) حضرت علیؓ کے مفاخر میں سب سے اعلےٰ درجے کی منقبت یہ ہے کہ پیغمبر صاحب نے اپنی سب سے چھوٹی صاحبزادی جناب فاطمۃ الزہرا کے لیے جن کے حق میں آپ نے فرمایا ہے فَاطِمَۃُ سَیِّدَۃُ نِسَاءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ اور فَاطِمَۃُ بِضْعَۃٌ مِّنِّی فَمَنْ اَغْضَبَھَا اَغْضَبَنِی اور یُرِیْبُنِی مَا اَرَابَھَا وَیُؤْذِیْنِی مَا اٰذَاھَا وغیرہ وغیرہ ان کو منتخب کیا۔ اگرچہ حضرت ابو بکر صدیق اور عمر فاروق نے کئی مرتبہ پیغمبر صاحب سے حضرت فاطمہ کی خواستگاری کی تھی مگر پیغمبر صاحب نے یہ کہہ کر معذرت کر دی۔ کہ فاطمہ ابھی کم عمر ہیں۔ حضرت علی نے درخواست کی تو پیغمبر صاحب نے ان کی درخواست کو منظور کر لیا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت علی کی لونڈی آزاد اُمّ ایمن نے ان سے کہا کہ تم فاطمہ سے بیاہ کرنے کی درخواست جناب پیغمبر صاحب سے کیوں نہیں کرتے وہ تو تمہارے بھائی ہیں۔ حضرت علی نے فرمایا کہ مجھے تو اس قسم کی درخواست کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ شدہ شدہ پیغمبر صاحب کو بھی یہ خبر پہنچ گئی اور آپ نے اپنی رضامندی ظاہر فرمائی ادھر حضرت علی نے پیغمبر صاحب کی رضامندی کی خبر سن کر پیام دیا اور پیغمبر صاحب نے حضرت فاطمہ کا ان سے نکاح کر دیا۔

(۲) ان کے ابو تراب کے ساتھ مشہور ہونے کی بابت ایک نہایت دلچسپ حکایت بخاری نے سہل بن سعد سے روایت کی ہے کہ ایک دن فاطمۃ الزہرا کسی بات پر ان سے ناراض ہو گئیں۔ اور یہ بھی خفا ہو کر گھر سے نکل مسجد کی ایک دیوار کے سائے میں فرش زمین پر جا لیٹے۔ پیغمبر صاحب مسجد میں تشریف لائے تو ان کی پیٹھ کو گرد آلود دیکھ کر فرمایا اِجْلِسْ اَبَا تُرَابٍ۔ یعنی ابو تراب اٹھ بیٹھو آپ ان کی پیٹھ سے مٹی پونچھتے جاتے اور بار بار دہرائے جاتے تھے اِجْلِسْ اَبَا تُرَابٍ اِجْلِسْ اَبَا تُرَابٍ +

(۳) پیغمبر صاحب کو غزوہ تبوک کا سفر پیش آیا اور یہ پیغمبر صاحب کا آخری غزوہ تھا - تو آپ نے اہل بیت کی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے حضرت علی کو مدینے میں اپنا جانشین مقرر کیا - جب پیغمبر صاحب ان کو مدینے میں چھوڑ کر غزوہ تبوک میں جانے لگے تو انھوں نے مدینے سے باہر نکل کر روتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ مجھے عورتوں و بچوں میں چھوڑ جانا پسند کرتے ہیں حالانکہ میں آپ کی معیّت اور ہم رکابی کو دوست رکھتا ہوں - پیغمبر صاحب نے فرمایا علی! کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم میری نسبت ایسے ہو جیسے موسیٰ کی نسبت ہارون یعنی تم ہارون کے منزلے میں ہو صرف اتنا فرق ہے کہ وہ موسے کے بعد نبی ہوئے اور تم نبی نہیں ہو سکتے - کیونکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں -

(۴) پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے کمال اتحاد و اتصال اور اخلاص و یگانگی ظاہر کرنے کے لیے فرمایا کہ علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے - یعنی میرا اُن کا خون گوشت پوست ایک ہے -

(۵) یہ بھی فرمایا کہ خداوندا جس کا مُولیٰ (یعنی محبوب مددگار) میں ہوں اُس کا مُولیٰ (محبوب مددگار) علی ہیں - خداوندا جو علی کو دوست رکھے تو اُس کو دوست رکھ اور جو اُن سے دشمنی کرے تو اُس سے دشمنی کر - جو اُن کی مدد کرے تو اُس کی مدد کر اور جو اُن کو چھوڑ دے تو اُس کو چھوڑ دے اور جہاں کہیں وہ ہوں حق اُن کے ساتھ ہے -

(۶) پیغمبر صاحب مدینے تشریف لائے تو آپ نے غربا مُہاجرین اور یُوں بھی تمام مہاجرین و انصار میں بھائی چارا کرا دیا - یعنی ایک مہاجر کو ایک انصاری کے اور ایک انصاری کو ایک مہاجر کے ساتھ لگا دیا - حضرت علی نے جب دیکھا کہ پیغمبر صاحب نے میرا کسی سے بھائی چارا نہیں کرایا تو روتے ہوئے پیغمبر صاحب کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اپنے تمام اصحاب کا تو بھائی چارا کرا دیا اور مجھے یُوں ہی تنہا چھوڑ دیا - پیغمبر صاحب نے فرمایا علی! تم میرے بھائی ہو دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی -

(۷) یہ بھی فرمایا کہ مَیں حکمت کا گھر ہوں اور علی اُس کا دروازہ ہیں یا مَیں علم کا شہر ہوں اور علی اُس کا دروازہ -

(۸) پیغمبر صاحب نے ایک موقع پر اسلامی لشکر بھیجا اس لشکر میں حضرت علی بھی تھے - لشکر کو لوٹنے میں ہوئی دیر تو پیغمبر صاحب بار بار آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر فرماتے تھے اَللّٰھُمَّ لَا تُمِتْنِیْ حَتّٰی تُرِیَنِیْ عَلِیًّا یعنی خداوندا جب تک تُو مجھے علی کو نہ دکھا دے مجھے موت نہ دیجیو

حضرت علیؓ کی اسلامی خدمتیں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اسلامی خدمات کے بارے میں اتنا لکھنا بس کرتا ہے کہ اُن کی ساری زندگی یعنی لڑکپن کے زمانے سے خاتمے تک اسی میں صرف ہوئی - اُن کے واقعات زندگی اور پیغمبر اسلام کی سچی اور بے ریا خدمتوں سے کتب سیر و احادیث بھری ہیں ہم اس موقع پر معدودے چند خدمات کا ذکر کرتے ہیں

(۱) حضرت علی کے ذاتی حالات کو پڑھ کر ہر ایک شخص فی البدیہہ یہ نتیجہ تو نکال ہی سکتا کہ ان کی طبیعت میں ابتدا ہی سے کچھ عجیب طور کی جوانمردی اور شجاعت واقع ہوئی تھی - اور پیغمبر صاحب کی محبت سے ایسے بھرپور تھے کہ آپ کی تھوڑی سی دل شکنی بھی ان کو سخت ناگوار اور رنج دہ ہوتی تھی بعثت کے شروع زمانے میں جناب پیغمبر صاحب نے بحکم آیہ وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ اپنے خاندان کے لوگوں کو جو تعداد میں کم و بیش چالیس تھے - اور جن میں آپ کے چچا ابو طالب اور حمزہ اور عباس اور ابولہب

بھی تھے۔ سب کو ضیافت کی تقریب سے جمع کیا۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو پیغمبر صاحب نے کھڑے ہو کر فرمایا اے بنو عبدالمطلب میں تمہارے پاس ایک چیز لے کر آیا ہوں جو دنیا و آخرت دونوں میں فلاح و بہبود کی باعث ہے میں تمہیں باور کراتا ہوں کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اُس کی فرماں برداری کی طرف بلاؤں۔ پس تم میں کون ایسا شخص ہے جو اس کام میں میری مدد کو کھڑا ہو جائے اور اس اہم اور عظیم الشان کام میں میرا بوجھ بٹائے۔ اتنا کہہ کر پیغمبر صاحب خاموش ہو گئے اور آپ کے خاموش ہوتے ہی سارے مجمع پر سکوت و خاموشی کا سناٹا چھا گیا۔ بھرے مجمع میں کسی کو اتنی جرأت نہیں ہوئی کہ ہاں یا نا کا جواب دیتا۔ تھوڑی دیر تک مجلس کا یہی رنگ رہا اور جب کسی نے بھی جنبش نہیں کی تو حضرت علیؓ جو ابھی نوخاستہ جوان تھے۔ اِس حیرت و شک اور حقارت آمیز سکوت کی برداشت نہ کر سکے فوراً اٹھ کھڑے ہو گئے۔ اور نہایت استقلال و دلیری کے لہجے میں بولے کہ اے رسولِ خدا اگرچہ اس مجلس میں میں سب سے کم عمر اور ناتجربہ کار ہوں مگر آپ کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار ہوں۔ میں آپ کی اس اہم اور عظیم الشان اور سخت مشکل خدمت کو بجا لاؤں گا۔ اور جہاں تک بن پڑے گا آپ کی حمایت و نصرت سے پہلو تہی نہیں کروں گا۔ پیغمبر صاحب نے اپنے چچازاد بھائی علی کی گردن میں کمال شفقت سے ہاتھ ڈال کر فرمایا بے شک یہ میرا بھائی اور میرا مددگار ہے۔ اس پر سارے مجمع نے ایک قہقہہ لگایا۔ کیونکہ ان لوگوں کو ایک اَن پڑھ معمولی طور کے آدمی اور ایک نہایت کم عمر لڑکے کا یہ فیصلہ کرنا کہ وہ دونوں ملکر سارے جہان کے خیالات کے خلاف کوشش کریں گے اور اس کوشش میں کامیاب ہوں گے۔ ایک ہنسی اور ٹھٹھے کی بات معلوم ہوئی۔

(۲) اسلام اور پیغمبر اسلام کی اس سے بڑھ کر خدمت اور کیا ہوگی کہ جس رات جناب پیغمبر صاحب کفارِ مکہ کے نرغے سے نکل کر غارِ ثور میں تشریف لے گئے علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے بستر پر اپنی چادر اُڑھا کر سُلا گئے اور یہ بہادر شیر دل پیغمبرِ اسلام کا فدائی بے ہراس آپ کے بستر پر سو گیا جب کہ اس کو معلوم تھا کہ مخالفین پیغمبر صاحب کے دھوکے میں مجھے قتل کر دیں گے۔ پیغمبر صاحب نے چُپ چُپاتے ہجرت کی تھی اور آپ کے پاس لوگوں کی کچھ امانتیں اور وصیتیں محفوظ تھیں۔ امانتوں اور وصیتوں کو ادا کرنا ضرور تھا اور اس کے لیے کوئی ایسا شخص چاہیے تھا جو اُن لوگوں سے واقف ہوتا جن کی امانتیں تھیں لہٰذا پیغمبر صاحب نے اس مُہم کے سر کرنے کے لیے علی کرم اللہ وجہہ کو منتخب فرمایا جو اس خدمت سے سبکدوشی حاصل کر کے پیغمبر صاحب سے مدینے جا ملے۔

(۳) جنگِ اُحد میں جب بعض مسلمانوں کی بے تدبیری سے لڑائی بگڑی اور اکثر لوگ اُس ہلاچلی کے وقت پیغمبر صاحب سے الگ ہو گئے تو عمرِ فاروقؓ اور علیِ مرتضیٰ پیغمبر صاحب کے لیے سپر بن گئے اور اس موقع پر حضرت علی کے جسم پر تیر و تلوار کے سولہ زخم کاری لگے زخم پر زخم کھائے اور پیغمبر صاحب کی حفاظت سے مُونہہ نہ موڑا اور آپ کے جسمِ شریف پر آنچ نہ آنے دی۔

(۴) خیبر کا واقعہ پیش آیا تو پیغمبر صاحب نے کئی صحابیوں کو یکے بعد دیگرے لڑائی کا جھنڈا دے کر علم برداری کے معزز منصب سے ممتاز فرمایا اور ہر ایک نے لڑائی کے مار لینے میں اَن تھک کوشش بھی کی۔ مگر خدا کا کرنا کسی کی کوشش پیش نہ گئی۔ اور خیبر فتح نہیں ہوا کئی روز جب اسی طرح گزر گئے تو پیغمبر صاحب نے فرمایا کل میں ایک ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھوں پر خدا خیبر کو فتح کرے گا وہ خدا اور رسول خدا کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسولِ خدا اُس کو دوست رکھتے ہیں۔ لشکرِ اسلام کے افسروں نے پیغمبر صاحب کا یہ ارشاد سُن کر ساری رات اسی حیث و بحث میں گزار دی کہ دیکھیں صبح کو علمِ جنگ کسے دیا جاتا ہے۔ صبح ہوئی تو سب لوگ پیغمبر صاحب کے پاس جمع ہوئے اور ہر ایک شخص بجائے خود اس بات کا اُمیدوار تھا کہ لڑائی کا جھنڈا مجھے دیا جائے گا۔ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ سب لوگ جمع ہو گئے ہیں تو آپ نے فرمایا علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا اُن کی آنکھیں دُکھتی ہیں فرمایا کسی کو بھیج کر اُنھیں بُلاؤ۔ علی مرتضیٰ آئے تو پیغمبر صاحب نے اپنا لُعابِ دہن اُن کی آنکھوں میں ڈال دیا۔ لُعابِ دہن کے ڈالتے ہی آنکھیں اچھی ہو گئیں اور ایسی اچھی ہو گئیں کہ گویا کبھی دُکھی ہی نہ تھیں۔ پیغمبر صاحب نے اِن کو جھنڈا دے کر قلعۂ خیبر کی طرف روانہ کیا۔ چلتے وقت اِنھوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ کی اجازت ہے کہ جب تک اہلِ خیبر مسلمان نہ ہوں میں اُن سے لڑتا رہوں؟ پیغمبر صاحب نے فرمایا علی! آہستگی اور نرمی کے ساتھ رستہ طے کرو۔ اور جب اُن کے میدان میں پُہنچو تو سب سے پہلے اُنھیں اسلام کی طرف بُلاؤ اور جو خدا نے اُن پر واجب کیا ہے اُس کی اُنھیں خبر دے دو۔ خدا کی قسم اگر اُن میں کا ایک آدمی بھی تمھاری وجہ سے ہدایت پائے گا تو یہ تمھارے لیے سُرخ اُونٹوں[۱] سے بھی بہتر ہوگا۔ غرض کہ علی کرم اللہ وجہہ لشکرِ اسلام کو لے کر بڑھے۔ اہلِ خیبر کو اسلام کی دعوت دی اُنھوں نے دعوتِ اسلام کو قبول نہیں کیا۔ لڑائی ہوئی اور خیبر علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر فتح ہو گیا۔

علی کرم اللہ وجہہ حضرت عثمان کی شہادت کے دوسرے روز تختِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ اور چونکہ صحابہ کے نزدیک اِن کی خلافت پر پہلے ہی سے اجماع قائم ہو چکا تھا کہ اہلِ شوریٰ نے باتفاقِ رائے حضرت عمر فاروق کی شہادت کے بعد خلافت کو صرف عثمان اور علی رضی اللہ عنہما دو شخصوں میں دائر کر دیا تھا اور جب حضرت عثمان خلیفہ بنائے گئے تو صرف حضرت علیؓ کے حق میں خلافت باقی رہی۔ شہادتِ عثمان کے بعد صحابہ نے بے چُون و چرا اِن کی خلافت پر بیعت کی۔ اور اِن کو خلیفۂ برحق تسلیم کیا۔ مگر عراق و شام اور مصر کے چند قبیلوں نے اِن کی خلافت پر بیعت نہیں کی۔ اِن کے زمانۂ خلافت میں کچھ ایسے فتوحات نہیں ہوئے۔ کیونکہ شروع ہی میں چند اِس طرح کی باہمی خانہ جنگیوں اور اندرونی و بیرونی ریشہ دوانیوں نے ہاتھ پاؤں پھیلائے تھے۔ جن سے حضرت علیؓ کو ایک لحہ کے لیے بھی فتوحات کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہیں ملی۔ علاوہ بریں اِن کی خلافت کا زمانہ تھا ہی کتنا صرف چار برس نو مہینے ۳۵ھ ہجری کے آخری مہینے ذی الحجہ میں تختِ خلافت پر بیٹھے۔ اور بیٹھتے ہی طلحہ اور زبیرؓ اِن سے ناراض ہو کر مکّے اور مکّے سے بصرے چلے گئے۔ طلحہ اور زبیر کی ناراضگی کی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص لینے میں جلدی کرتے تھے اور حضرت علی مصلحتاً اس بارے میں کچھ مُہلت چاہتے تھے۔ اِن کا خیال تھا کہ بیعت کا سلسلہ تمام شہروں میں تمام و کمال کو پُہنچ جائے اور امرِ خلافت اچھی طرح اپنے پاؤں جمالے۔ تو قاتلینِ عثمان کے بارے میں تفتیش کی جائے اور اگر ابھی سے اِس مقدمے کی تفتیش کی جائے گی اور قاتلینِ عثمان سے قصاص لیا جائے گا تو عام شورش کی آگ جو ذرا مدہم پڑ گئی ہے فوراً بھڑک اُٹھے گی۔ اور ایسی بھڑکے گی کہ پھر اُس کا دبانا سخت مشکل پڑ جائے گا۔ طلحہ اور زبیر اور شام و مصر اور عراق کے بہت لوگ جنھوں نے ابھی تک حضرت علی کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا تھا کہتے تھے کہ خدا نے قرآن میں اخذِ قصاص کو فرض و واجب کہا ہے اور ہم حکمِ خدا میں تاخیر کرنے کی وجہ سے گنہگار ٹھیرتے ہیں۔ اِس لیے سب سے پہلے ہمیں قاتلینِ عثمان سے قصاص لینا ضرور ہے۔ بات تو صرف اتنی ہی تھی مگر بیچ والوں کی ناجائز ریشہ دوانیوں نے اُس کا بتنگڑ بنا کھڑا کیا۔ یہاں تک کہ دونوں فریقوں کو لڑوا کر تیرہ ہزار آدمیوں کا خُون کرا دیا۔ حضرت طلحہ اور زبیر اور شام و عراق کے کچھ لوگ مکّے پُہنچے اِس موقع پر اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ مکّے ہی میں تشریف رکھتی تھیں۔ لوگ اُمّ المؤمنین کو ساتھ لے بصرے پُہنچے۔ یہاں لوگوں نے اُڑا دیا کہ طلحہ اور زبیر اور اُمّ المؤمنین عائشہؓ فوج کے فراہم کرنے

---

[۱] عرب میں سُرخ اُونٹ بڑی قدر و قیمت کی چیز ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا دی مال و متاع سے بہتر ہے ۱۲

اور حضرت علی سے مقابلہ کرنے کی غرض سے بصرے گئے ہیں۔ اور عنقریب افواجِ کثیرہ کے ساتھ مدینے پر حملہ آور ہوتے ہیں حالانکہ حضرت طلحہ اور زبیر اور اُمّ المؤمنین عائشہ کا یہ منشاء ہرگز نہ تھا بلکہ صرف قاتلینِ عثمان سے قصاص لینا اور بلوائیوں کو اُن کے جرم کی سزا دینا مقصود تھا۔ حضرت علیؓ یہ افواہ سُن کر مدینے سے باہر نکلے اور بڑی جمعیت کے ساتھ عراق پہنچے۔ بصرے میں دونوں لشکروں کی اتفاقی مُٹھ بھیڑ ہوگئی۔ اور بے قصد لڑائی ٹھن گئی۔ اس لڑائی کے برپا کرانے میں زیادہ حصّہ اُن ہی لوگوں نے لیا جو قتلِ عثمان میں شریک تھے۔ الغرض دونوں طرف سے صف بندی ہوئی۔ اور صبح سے لے کر عصر کے وقت تک بڑے گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ طلحہ اور زبیر کے ساتھ اس لڑائی میں تیئس ہزار آدمی تھے اور علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ بیس ہزار۔ آخرکار طلحہ اور زبیر شہید کیے گئے اور اُن کے لشکر کو شکست ہوئی۔ دونوں طرف کے تیرہ ہزار آدمی کام میں آئے جن میں بہت سے عُبّاد اور زُہّادِ صحابہ اور ابناءِ صحابہ تھے۔ یہ واقعہ ۱۵۔ جمادی الاُخریٰ ۳۶ھ کو پیش آیا اور اس کا نام واقعۂ جمل رکھا گیا۔ کیونکہ اس معرکے میں اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا ایک اُونٹ پر سوار ہو کر شریکِ جنگ تھیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دونوں طرف کے مقتولوں پر نمازِ جنازہ پڑھی اور تین روز بصرے میں رہ کر کوفے تشریف لے آئے اور جریر بن عبداللہ کو ایک خط دے کر اہلِ شام اور معاویہ کی طرف روانہ کیا خط کا مضمون یہ تھا کہ جب پیغمبر صاحب کے تمام مہاجرین انصار اصحاب نے میری خلافت پر بیعت کر لی ہے اور مجھے خلیفۂ برحق تسلیم کر چکے ہیں تو تم کو بھی بیعت میں داخل ہونے کی تکلیف دی جاتی ہے۔ معاویہ اور اہلِ شام نے خط کے اس مضمون کو پڑھ کر قاصد کو صاف جواب دے دیا کہ جب تک قاتلینِ عثمان سے قصاص نہ لوگے ہم بیعت نہیں کریں گے۔ جریر ناکام واپس آیا تو علی کرم اللہ وجہہ ستر ہزار فوج ساتھ لے شام کو روانہ ہوگئے۔ اُدھر معاویہؓ ساٹھ ہزار فوج لے کر شام سے نکلے موضعِ **صِفّین** میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور شروع ذی الحجہ ۳۶ھ سے آغازِ محرم ۳۷ھ تک معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں۔ محرّم کے سارے مہینے میں لڑائی ملتوی رہی۔ صفر کے شروع ہوتے ہی پھر لڑائی شروع ہوگئی غرض کہ پُورے سو یا ایک سو بیس روز تک دونوں فریق نہایت کوشش و کشش سے لڑتے رہے اس کے بعد حضرت معاویہ کا لشکر بالکل بے دل ہوگیا اور قریب تھا کہ میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ جائے اتنے میں معاویہؓ کے سرداروں نے قرآن مجید کو نیزوں پر اُٹھا کر کہا کہ ہم میں اور تم میں کتاب اللہ فیصلے کے لیے بس ہے یعنی کتاب اللہ میں حکم ہے کہ باہمی اختلاف کے وقت ہر فریق اپنا ایک پنچ کھڑا کر دے۔ پھر دونوں پنچ جس کے حق میں فیصلہ دے دیں۔ دوسرے فریق کو بے چُون و چرا اُس کا فیصلہ مان لینا چاہیے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے سرداروں سے کہا بھی کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کچھ نہ کچھ خدع اور مکر ضرور ہے مگر اُن کے سرداروں نے صاف کہہ دیا کہ ہم تو کلامِ الٰہی چھوڑتے نہیں بنتا۔ آخرکار لڑائی موقوف ہوگئی اور معاویہؓ کی طرف سے عمرو بن العاص رض اور علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے ابو موسیٰ اشعریؓ حَکَم مقرر ہوئے۔ فریقین کی طرف سے صلح نامہ لکھا گیا اور یہ بات طے ہوگئی کہ اب تو نہیں سالِ آیندہ کے آغاز میں فریقین کے دانشمند اور اصحاب الرائے موضع اَذرُح میں جمع ہوں اور اُمّتِ محمّدیہ کے حق میں جو بات بہتر ہو عمل میں لائیں۔ اس قرارداد کے بعد سب لوگ منتشر ہوگئے۔ معاویہ ملکِ شام کو چلے گئے اور حضرت علی کوفے تشریف لے آئے۔ حضرت علی کو کوفے آئے ہوئے چند ہی روز گزرے تھے کہ خوارج نے سر اُبھارا اور یہ

کہہ کر کہ علیؓ نے ابا موسٰے کو حکم مقرر کرکے اپنی گردن سے خلافت کا طوق نکال دیا - بلکہ دائرۂ اسلام سے اپنے تئیں خارج کر دیا کیونکہ لَا حکمَ اِلّا للہِ - بغاوت انگیز شورش ہر طرف برپا کردی اور موضع حروراء میں لشکرِ جرار جمع کیا - یہ سب لوگ وہ تھے جو واقعۂ جمل اور صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور اُن کے اصحاب سردار شمار کیے جاتے تھے - حضرت علی کو اس کی خبر ہوئی - تو انھوں نے خوارج کو سمجھانے اور حجت تمام کرنے کی غرض سے حضرت ابن عباس کو اُن کے پاس بھیجا ابن عباس نے اُن کو بہت سمجھایا اور عقلی و نقلی دلائل سے اُن کے تمام شکوک رفع کردیے - اس پر بھی کچھ لوگ تو نادم ہو کر حضرت علی کی خدمت میں واپس آگئے مگر اکثر لوگ اپنے اُسی اصرار پر جمے رہے ناچار حضرت علی کو اُن کے قلع و قمع کے لیے فوج کشی کرنی پڑی - اور نہروان میں ۳۸ھ کو ایک سخت اور عظیم الشان معرکہ ہوا -

اسی برس کے آخر شعبان کے مہینے میں لوگ حسبِ وعدہ اذرح میں جمع ہوئے - اس مَوقع پر سعد بن ابی وقاص اور ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے - عمرو بن العاص نے جو معاویۂ کے وزیر تھے اِس مَوقع پر بڑی چالاکی سے کام لیا - یعنی ابو موسٰی اشعری سے مل کر کہا کہ مصلحت اِس میں ہے کہ علیؓ اور معاویۂ دونوں خلافت سے علٰحدہ کردیئے جائیں اور پھر ہم اور تم اپنے مشورے سے جس کو چاہیں خلیفہ بنائیں تو تم علی کو خلافت سے علٰحدہ کرنے کی رائے دو اور مَیں معاویہ کے علٰحدگی کی - ابو موسٰی اشعری بھولے بھالے آدمی تھے اُنھوں نے سیدھے سبھاؤ عمرو بن العاص کی اس رائے کو پسند کیا - اور عین مَوقع پر جب کہ عمرو بن العاص نے ان کو بھرے جلسے میں کھڑا کر دیا تو یہ تھوڑی دیر تک عام مجمع میں ایک تمہیدی مضمون بیان کرتے رہے جس کا نتیجہ آخر میں یہ نکالا کہ حضرت علی مستحقِ خلافت نہیں ہیں - پھر عمرو بن العاص کھڑے ہوئے اور بڑے زور سے معاویہ کیلیے استحقاقِ خلافت ثابت کرکے بھرے مجمع میں اُن سے بیعت کرلی - اور اِن کے بیعت کرتے ہی اَور لوگ بھی معاویہ کی بیعت پر جھک پڑے - یہ ساری کارروائی حضرت علی کے بالکل خلاف تھی - اور اسی وجہ سے اُنھیں اِس موقع پر وہ کوفت اُٹھانی پڑی - جس کی کچھ انتہا نہیں - وہ ایک تنہا گوشے میں بیٹھے ہوئے انتہائے غیظ و غضب سے اپنی انگلیاں چباتے اور فرماتے تھے غضب ہے کہ لوگ میری نافرمانی کریں اور معاویہ کی اطاعت خوارج جیسے حضرت علی سے جلے ہوئے تھے ویسے ہی معاویۂ سے بھی ناراض تھے اور رات دن اسی کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ کسی طرح اِن دونوں کا کام تمام کردیا جائے چنانچہ اُن میں کے تین شخصوں نے مکے میں جمع ہو کر باہم عہد و پیمان کیا کہ تا وقتیکہ ہم تین شخص تین شخصوں کو قتل نہ کرلیں گے پیٹ بھر کر روٹی اور سیر ہو کر پانی نہ پییں گے - عبد الرحمٰن بن مُلجم نے قسم کھا کر کہا کہ مَیں علی بن ابی طالب کو قتل کروں گا - اور برک بن عبد اللہ نے معاویہ کے قتل کا بیڑا اُٹھایا - اور عمرو بن بکیر نے عمرو بن العاص کا قتل اپنے ذمہ لیا - چنانچہ عبد الرحمٰن بن مُلجم مدینے آیا - اور رمضان کی سترھویں تاریخ ۴۰ھ کو صبح کے اندھیرے میں جب کہ حضرت علی نمازِ صبح کو تشریف لیے جاتے تھے اُسی طرح شہید کر ڈالا جس طرح ابو لؤلؤ مجوسی نے عمرِ فاروق کو -

خلافت اور اسلامی سلطنت کے بارے میں اس سے زیادہ لکھنا اگرچہ ہمارے مبحث سے خارج ہے کیونکہ ہمارے بیان کا موضوع صرف عشرۂ مبشرہ کے مختصر واقعاتِ زندگی کا قلمبند کرنا تھا - لیکن یہاں تک پہنچ کر اِس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ہمیں عام لوگوں کو اتنا تو بتا دینا چاہیئے کہ خلفاءِ اربعہ کے بعد خلافتِ راشدہ کا زمانہ کس پر منتہی ہوا اور کیونکر ہوا اور خلافتِ راشدہ کے بعد اسلامی سلطنت جو خلافت کے نام سے شہرت پذیر رہی کب تک چلی اور کب اُس کا خاتمہ ہوا -

واضح ہے کہ رمضان کی سترھویں تاریخ سنہ ۴۰ ہجری کو حضرت علی مرتضیٰ شہید ہوئے - اور یہ اُن لوگوں میں سب سے اخیر تھے جو خلفاءِ اربعہ کے ممتاز لقب سے مشہور ہیں - اُن کی خلافت کا زمانہ اگرچہ چار سال نو مہینے بتایا گیا ہے - اور واقع میں یہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے دوسرے روز سے اپنی شہادت کے وقت تک خلیفہ برحق تھے بھی - مگر شامیوں کے تفرقہ ڈال دینے اور معاویہؓ کے خود خلیفہ بن بیٹھنے نے اِن کی خلافت میں بہت کچھ ضعف پیدا کر دیا تھا - جس کے دوسرے معنے یہ ہو سکتے ہیں کہ اس زمانے میں دو عملی ہوگئی تھی - اور حضرت علیؓ برائے نام خلیفہ رہ گئے تھے - تاہم مدینے اور کوفے وغیرہ کے اکثر لوگ اِن کو خلیفہ برحق تسلیم کیے ہے مگر ان کی شہادت کے بعد بہت کم لوگوں کا خیال تھا کہ اِن کے فرزند اکبر حسن رضی اللہ عنہ کرسیِ خلافت پر متمکن ہوں گے اور ایسا ہی ہوا بھی کہ حضرت علی کے بعد کوفیوں نے حضرت حسنؓ سے خلافت پر بیعت کی - لیکن انھیں تختِ خلافت پر بیٹھے ہوئے کچھ اُوپر چھے مہینے گزرے تھے کہ معاویہؓ اِن کے مقابلے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے - اور انھوں نے مسلمانوں کی خونریزی سے بچنے کے لیے صلح کر لی - معاویہ کو لکھ بھیجا کہ مَیں خلافت بایں شرط تمھارے حوالے کرتا ہوں کہ تمھارے بعد خلافت میری طرف عَود کرے اور حجاز و عراق کے باشندے اُن ممالک و اراضی میں سے مجھ سے کچھ طلب نہ کریں - جو میرے والد کے زمانے میں اُن[ع] کے قبضے میں تھے - علاوہ بریں جس قدر قرضے میرے والد کے ذمّے ہیں سب اَدا کر دیئے جائیں - معاویہؓ نے ان سب باتوں کو منظور کر لیا - اور دونوں میں صلح ہوگئی - الغرض سنہ ۴۱ھ ربیع الاول کے مہینے میں حضرت حسنؓ کرسیِ خلافت پر سے اُتر گئے اور اَب سے معاویہ مستقل خلیفہ ہوگئے - اِس کے نو سال بعد یعنی سنہ ۵۰ھ ربیع الاول کے مہینے میں حضرت حسنؓ کا انتقال ہوگیا اس مقام پر پیغمبر صاحب کی دو نہایت زبردست پیشین گوئیوں کا ذکر کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا ایک یہ کہ آپ نے فرمایا اَلْخِلَافَةُ ثَلَاثُوْنَ عَامًا ثُمَّ یَکُوْنُ بَعْدَ ذٰلِکَ مُلْکًا یعنی خلافتِ راشدہ صرف تیس برس تک رہے گی - پھر سلطنت ہو جائے گی - اس پیشین گوئی کی تصدیق خلفاءِ اربعہ اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی چند روزہ خلافت نے کر دی - یعنی حضرت صدیق اکبر نے دو سال تین مہینے خلافت کی اور عمر فاروق نے دس سال چھے مہینے - عثمان ذوالنورین نے بارہ سال - علی مرتضےٰ نے چار سال نو مہینے - حضرت حسنؓ نے چھے مہینے کچھ دن - اِن سب کو جمع کرنے سے پُورے تیس برس ہوتے ہیں -

دوسری یہ کہ پیغمبر صاحب نے حسنؓ کے حق میں فرمایا تھا یُصْلِحُ اللّٰهُ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ یعنی خدائے تعالیٰ حسن کے سبب سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا - یہ پیشین گوئی حضرت حسنؓ کے تختِ خلافت سے اُترنے پر پُوری ہوئی حضرت حسنؓ کے انتقال کے بعد معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کی خلافت پر لوگوں سے بیعت لینے کی کوشش کی اور اُسے اپنا ولیعہد مقرر کیا لیکن بہت لوگوں نے اِس سے پہلوتہی کی اور معاویہ نے بھی اِس پر کچھ اتنا زور نہیں دیا - سنہ ۶۰ھ میں معاویہ کا انتقال ہوگیا تو یزید تختِ حکومت پر بیٹھا اور لوگوں کو بیعت کی تکلیف دی - تمام شامیوں نے طوعاً اس سے بیعت کی مگر مدینے کے اکثر مشاہیر نے انکار کر دیا - جن میں عبد اللہ بن الزبیر اور حسین بن علی اور عبد اللہ بن عمر وغیرہ بھی تھے - جس روز یزید کا بھیجا ہوا عامل مدینے پُہنچا عبد اللہ بن الزبیر اور حسین بن علی اُسی روز مدینے سے مکّے چلے آئے - اور یہاں آکر حسینؓ نے یزید کے مقابلے میں دعویِ خلافت کا جھنڈا اُونچا کرنا چاہا - عہد شکن بیوفا کوفیوں نے اگرچہ معاویہؓ کی زندگی ہی میں کئی مرتبہ امام حسینؓ کو اُن سے مقابلہ کرنے پر آمادہ کیا - مگر امام حسین ہمیشہ کوفیوں کے جوش کو دودھ کا اُبال سمجھتے رہے لیکن اس موقع پر

[ع] یعنی میرے والد کے ۱۲

جب کوفیوں نے انتہا سے زیادہ اظہارِ ہمدردی کیا تو بھولے بھالے امام اُن کے کہے ہیں آکر دعویِ خلافت کر بیٹھے اور اپنے خاندان کے کچھ مَردوں اور عورتوں اور بچّوں کو لے کر عراق کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ یزید نے عراق کے حاکم عبیداللہ بن زیاد کو لکھ بھیجا کہ حسین بن علی سے میری خلافت پر بیعت لو۔ نہیں تو اُن سے لڑنے کی تیاری کرو۔ عبیداللہ نے عمرو بن سعد بن ابی وقاص کی سرکردگی میں چار ہزار لشکر دے کر حسینؓ سے لڑنے کو روانہ کیا۔ کوفیوں نے اپنی عادت کے مطابق اس مرتبہ بھی عہد شکنی کی اور حسینؓ کی مدد سے پہلو تہی کر کے علیحدہ ہو گئے۔ آخرِ کار امام حسینؓ اپنے خاندان کے سولہ ساتھیوں سمیت دسویں محرم ۶۱ھ کو میدانِ کربلا میں شہید کر دیئے گئے۔

عبداللہ بن الزبیر نے اگرچہ یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تھا مگر اُنھوں نے دعویِ خلافت بھی نہیں کیا اور نہ کسی کو اپنی بیعت پر ترغیب دی ۶۳ھ ہجری میں جب یزید کی بے دینی اور فسق و فجور کا شہرہ ہوا تو اہلِ مدینہ نے اپنی بیعت واپس لے لی اور خروج کا ارادہ کیا۔ یزید نے یہ خبر سُن کر ایک عظیم الشان لشکر مدینے روانہ کیا۔ اور بابِ طیبہ پر بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ کثیر التعداد صحابہ شہید ہوئے اور سارا مدینہ لُوٹ لیا گیا۔ پھر یہ لشکر عبداللہ بن الزبیر سے لڑنے کے لیے مکّے کی طرف متوجہ ہوا۔ اور ۶۴ھ صفر کے مہینے میں مکّے کا محاصرہ کیا گیا۔ اُونچی اونچی پہاڑیوں پر سے منجنیق (گوپھن) کے ذریعے سے سنگ باری کی گئی۔ اور پتھروں کے شراروں نے خانۂ کعبہ کے پردے اور چھت کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔

ربیع الاول کی پندرہ تاریخ کو یزید مر گیا۔ اور اُس کی خبرِ مرگ سے محاصرین نے محاصرہ اُٹھا کر شام کی راہ لی۔ اب ابن الزبیر نے عَلمِ خلافت اُونچا کیا اور اپنی خلافت پر لوگوں سے بیعت لی۔ اور امیر المؤمنین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ لیکن شامیوں نے یزید کے مرتے ہی اُس کے بیٹے معاویہ کو تختِ حکومت پر بٹھا دیا۔ اور سب نے اُس کی خلافت پر بیعت کر لی۔ معاویہ پہلے ہی سے بیمار تھا اور ایسا بیمار تھا کہ تختِ حکومت پر بیٹھ کر نہ کبھی دربار کر سکا۔ اور نہ کوئی حکم احکام جاری کرنے کی نوبت آئی۔ یہاں تک کہ اسی بیماری میں باپ کے مرنے کے چالیسؔ روز بعد بیس یا اکیس برس کی عمر میں انتقال کر گیا۔

حجاز و یمن اور عراق و خراسان کے تمام باشندے تو یزید بن معاویہ کے مرتے ہی عبداللہ بن الزبیر کی اطاعت میں آ گئے تھے صرف شام اور مصر کے لوگ یزید کے بعد اُس کے بیٹے معاویہ کے حلقہ بگوش تھے مگر اُس کے انتقال کرتے ہی یہ بھی ابن الزبیر کی اطاعت میں آ گئے اور اَب مستقل طور پر ابن الزبیر خلیفہ تسلیم کیے جانے لگے۔ لیکن جب بنو اُمیّہ نے دیکھا کہ معاویہ بن یزید کے بعد شاہی خاندان میں کوئی شخص خلافت کا اہل باقی نہیں رہا اور اَب حکومت ہمارے ہاتھ سے نکل چلی۔ اِدھر تمام لوگ حتّیٰ کہ شام و مصر کے باشندے بھی ابن الزبیر کے مطیع ہو گئے تو مروان بن حکم نے جو معاویہ بن ابی سفیان کا رشتے میں چچازاد بھائی تھا اور معاویہ کے وقت سے بڑے بڑے مناصب سے ممتاز ہوتا چلا آتا تھا خروج کیا اور زبردستی شام و مصر کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ اور دوسرے علاقوں کو اپنا ماتحت بنانے میں کوشش کرتا رہا یہاں تک کہ ۶۵ھ ہجری میں مر گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک حکمراں ہوا اور اُس نے عراق کو از سرِ نو اپنا ماتحت کر لیا۔ پھر چالیس ہزار جرّار فوج عبداللہ بن الزبیر کے مقابلے کے لیے تیار کی اور حجّاج بن یوسف کو سپہ سالار مقرّر کر کے مکّے روانہ کیا۔ حجّاج ایک مہینے تک مکّے کا محاصرہ کیے رہا اور دُور دُور سے سنگ باری ہوتی رہی۔ انجامِ کار عبداللہ بن الزبیر کے ساتھیوں نے اِن کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور حجّاج سے جا ملے۔ ۷۳ھ جمادی الاولیٰ کی تیرہ تاریخ روز سہ شنبہ کو حجّاج نے عبداللہ

بن الزبیر کو قتل کرکے اُن کی لاش کو سُولی پر لٹکا دیا۔ عبداللہ بن الزبیر کے بعد بنو اُمیہ کے لیے میدان بالکل صاف ہوگیا۔ اور اَب عبدالملک بلا شرکتِ غیرے خلیفہ تسلیم کیا گیا۔ اور پُورے بیس سال حکومت کرکے ۸۶ھ میں مرگیا۔

عبدالملک کے بعد اس کا بیٹا ولید خلیفہ ہوا۔ اور دس سال تختِ خلافت پر بیٹھ کر ۱۵۔ جمادی الاُخریٰ ۹۶ھ کو اکیاون برس کی عمر میں دُنیا سے کوچ کرگیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی **سُلیمان** تخت نشین ہوا یہ تمام ملوکِ بنی اُمیہ میں نیک صورت نیک سیرت اور جوانِ صالح عابد و زاہد تھا۔ کچھ کم تین سال حکومت کرکے دسویں صفر ۹۹ھ روزِ جمعہ کو انتقال کرگیا۔

سلیمان کے انتقال کے بعد ان کے چچازاد بھائی **عمر بن عبدالعزیز** تختِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ یہ خلفاءِ راشدین میں پانچویں خلیفہ ہیں اور ان کے عدل و انصاف اور مذہبی تشرع و تدین اور نیکی اور خلوصِ نیت اور خدماتِ اسلام کے واقعات و حکایات سے کتبِ سیر و تواریخ بھری ہیں۔ اُن کی خلافت میں زمانے نے بالکل وہی رنگ اختیار کرلیا تھا۔ جو قرنِ اوّل و ثانی میں دیکھا جاتا تھا لیکن افسوس ہے کہ ان کی خلافت کا زمانہ بہت تھوڑا ہوا۔ یعنی تین برس بھی نہیں۔ اس سے بھی کم کیونکہ ۹۹ھ میں تختِ خلافت پر بیٹھے اور ۲۵۔ رجب ۱۰۱ھ میں ۳۹ سال چھے مہینے کی عمر میں انتقال کرگئے۔

ان کے انتقال کے بعد عبدالملک کا تیسرا بیٹا **یزید** حکمران ہوا جو کچھ کم چار برس سلطنت کرکے اواخر شعبان ۱۰۵ھ کو دنیا سے کوچ کرگیا۔ اور اس کے بعد اس کا بھائی **ہشام** بن عبدالملک سلطان قرار دیا گیا۔ جو بیس برس حکمرانی کرکے ۱۲۵ھ میں مرگیا۔ اور اسی سنہ میں ہشام کا بھتیجا یزید کا بیٹا عبدالملک کا پوتا **ولید** بادشاہ بنایا گیا۔ ولید کا باپ یزید جب مرنے کو ہوا تو اُس نے حکومت کی باگ تو اپنے بھائی ہشام کے ہاتھ میں دی اور وصیت کی کہ ولید ابھی کم عمر ہے۔ اس وجہ سے میں اس کو حکمران نہیں قرار دیتا لیکن تم اپنے مرے پیچھے اس کو بادشاہ بنا جانا چنانچہ ہشام نے بھائی کی وصیت کی تعمیل کی۔ اور مرتے وقت ولید کو تخت نشین کردیا۔ یہ شخص کثرت سے شراب پیتا اور بدکاری میں مصروف رہتا تھا ۱۲۶ھ میں مرگیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یزید الناقص[1] ابو خالد تخت نشین ہوا جو ۳۵ برس کی عمر میں صرف چھے مہینے حکومت کرکے مرگیا۔ اور اس کے مرے پیچھے اس کا بھائی ابراہیم تختِ سلطنت پر بیٹھا مگر صرف ستر دن مصروفِ سلطنت رہ کر تخت سے اُتر گیا۔ کیونکہ مروان بن محمد نے جو اس کا بھائی تھا اس پر خروج کیا دونوں میں لڑائی ہوئی اور ابراہیم شکست کھاکر بھاگا۔ مگر پھر چند روز کے بعد آکر مروان بن محمد سے بیعت کی اور اس کی اطاعت میں آگیا۔ مروان بن محمد پر خلافتِ بنو اُمیہ کا خاتمہ ہوگیا۔ جو ۱۲۷ھ میں تخت نشین ہوکر ۱۳۲ھ مارڈالا گیا۔ **الغرض** ۴۱ھ سے ۱۳۲ھ تک پورے ہزار مہینے[2] یعنی تراسی برس چار مہینے بنو اُمیہ میں خلافت دائر رہی اور اس کے بعد دولتِ عباسیہ کا دَور دورہ ہوا۔

خلفاءِ بنو العباس کا سب سے پہلا خلیفہ **سفّاح** ہے جو تین واسطوں سے پیغمبر صاحب کے چچا عباس بن عبدالمطلب سے جا ملتا ہے یعنی عبداللہ (سفّاح) بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب۔ بنو العباس کے اِس عروج و ترقی کا محرک جناب پیغمبرِ خدا

---

[1] اِس کا لقب الناقص اس سے ہوا کہ لوگوں کے جو وظائف مقرر تھے اس نے اُن میں کمی کردی تھی ۱۲

[2] ایک سو بتیس ۱۳۲ میں سے چالیس کو منہا کیا جائے تو حسابی قاعدے کی رُو سے ۹۲ باقی رہتے ہیں مگر جب عبداللہ بن الزبیر کی خلافت کے ۸ سال ۸ مہینے نکال دیے جائیں تو ٹھیک تراسی برس چار مہینے آکر ٹھیرتے ہیں ۱۲ ✣

[3] یہاں ایک لطیفہ قابلِ ذکر ہے کہ بعض لوگوں نے سورۂ قدر کی آیت لیلۃ القدر خیر من الف شہر سے بنو اُمیہ کا زمانۂ خلافت مستنبط کیا ہے یہ ہے تو ایک لطیفہ مگر استنباط نہایت عمدہ ہے ۱۲

صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہو جو ابن جریر طبری نے نقل کیا ہو کہ پیغمبر صاحب نے اپنے چچا عباس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ چچا ایک وقت خلافت تمہاری اولاد میں رجوع کرے گی۔ اس سے بنو العباس ہمیشہ اس وقت کے متوقع تھے۔ یہاں تک کہ سفاح کے والد محمد بن علی نے اس کی تحریک شروع کی۔ اور محمد بن علی کے انتقال کے بعد ان کے فرزند اکبر سفاح کے بھائی ابراہیم نے اس کا بیڑا اٹھایا جن کو مروان بن محمد نے قتل کرادیا۔ ابراہیم کے قتل ہوئے پیچھے سفاح نے اپنی قوم کو جمع کرکے تیسری ربیع الاول سنہ ۱۳۲ھ کو کوفے میں اپنی خلافت پر بیعت لی۔ اور خلیفہ کے نام سے مشہور ہوا۔ مروان بن محمد نے سُنا تو سفاح سے لڑنے اُٹھا لو موصل کے قریب خوب جم کر لڑائی ہوئی۔ مگر انجام کار مروان بھاگ کھڑا ہوا پہلے شام اور پھر مصر میں پونہچا۔ لیکن تعاقب کرنے والوں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا حتے کہ قریہ بوصیر میں قتل کیا گیا۔ سفاح سنہ ۱۳۶ھ ذوالحجہ کے مہینے میں چیچک کے مرض سے مرگیا اور اس کے مرے پیچھے المنصور ابوجعفر عبداللہ اس کا بھائی خلیفہ ہوا۔ الغرض بنو العباس میں ۵۲ باون شخص یکے بعد دیگرے تاجدار ہوئے جنھوں نے نہایت شان و شوکت اور وقار و تمکنت کے ساتھ سات سو اکتر برس حکمرانی کی مگر آخر کار نویں صدی کے آغاز میں دولت عباسیہ کا خاتمہ ہوگیا۔ اور ہمیشہ کے لیے ان سے حکومت نکل کر تاتاریوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ بنو العباس کے اُن باون ۵۲ خلفاء کے نام درج ذیل کیے جاتے ہیں۔ جو امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین کے ممتاز لقب سے پکارے جاتے۔ اور جن کی عظمت و جلال کے جھنڈے صدیوں تک ہر طرف گڑے نظر آتے تھے ٭

نمبر شمار	نام خلیفہ	کس سنہ میں تخت نشین ہوا	کب انتقال ہوا
۱	ابوالعباس عبداللہ بن محمد المعروف بہ سفاح -	سنہ ۱۳۲ ہجری	سنہ ۱۳۶ ہجری
۲	المنصور ابوجعفر عبداللہ برادر سفاح	سنہ ۱۳۶ ہجری	سنہ ۱۵۸ ہجری
۳	المہدی ابوعبداللہ بن المنصور	سنہ ۱۵۸ ہجری	سنہ ۱۶۹ ہجری
۴	الہادی ابومحمد موسیٰ بن المہدی	سنہ ۱۶۹ ہجری	سنہ ۱۷۰ ہجری
۵	الرشید ہارون ابوجعفر برادر الہادی -	سنہ ۱۷۰ ہجری	سنہ ۱۹۳ ہجری
۶	الامین محمد ابوعبداللہ بن الرشید -	سنہ ۱۹۳ ہجری	سنہ ۱۹۸ ہجری
۷	المامون عبداللہ ابوالعباس برادر الامین	سنہ ۱۹۸ ہجری	سنہ ۲۱۸ ہجری
۸	المعتصم باللہ ابواسحاق محمد بن الرشید -	سنہ ۲۱۸ ہجری	سنہ ۲۲۷ ہجری
۹	الواثق باللہ ہارون بن المعتصم	سنہ ۲۲۷ ہجری	سنہ ۲۳۲ ہجری
۱۰	المتوکل علی اللہ جعفر بن المعتصم	سنہ ۲۳۲ ہجری	سنہ ۲۴۷ ہجری
۱۱	المنتصر باللہ محمد ابوجعفر بن المتوکل	سنہ ۲۴۷ ہجری	سنہ ۲۴۸ ہجری
۱۲	المستعین باللہ ابوالعباس بن المعتصم	سنہ ۲۴۸ ہجری	سنہ ۲۵۲ ہجری
۱۳	المعتز باللہ محمد بن المتوکل	سنہ ۲۵۲ ہجری	سنہ ۲۵۵ ہجری

نمبر خلیفہ	نام خلیفہ	کس سنہ میں تخت نشین ہوا	کب انتقال ہوا
۱۴	المہتدی باللہ بن الواثق	سنہ ۲۵۵ ہجری	سنہ ۲۵۶ ہجری
۱۵	المعتمد علی اللہ ابو العباس بن المتوکل۔	سنہ ۲۵۶ ہجری	سنہ ۲۷۹ ہجری
۱۶	المعتضد باللہ احمد بن المتوکل	سنہ ۲۷۹ ہجری	سنہ ۲۸۹ ہجری
۱۷	المکتفی باللہ ابو محمد بن المعتضد باللہ	سنہ ۲۸۹ ہجری	سنہ ۲۹۵ ہجری
۱۸	المقتدر باللہ ابو الفضل بن المعتضد باللہ	سنہ ۲۹۵ ہجری	سنہ ۳۲۰ ہجری
۱۹	القاہر باللہ ابو منصور بن المعتضد باللہ	سنہ ۳۲۰ ہجری	سنہ ۳۳۹ ہجری
۲۰	الراضی باللہ ابو العباس بن المقتدر	عہ سنہ ۳۲۲ ہجری	سنہ ۳۲۹ ہجری
۲۱	المتقی للہ ابو اسحاق بن المقتدر	سنہ ۳۲۹ ہجری	سنہ ۳۵۷ ہجری
۲۲	المستکفی باللہ ابو القاسم بن المکتفی بن المعتضد	سنہ ۳۳۳ ہجری	سنہ ۳۳۸ ہجری
۲۳	المطیع للہ ابو القاسم بن المقتدر	سنہ ۳۳۴ ہجری	سنہ ۳۶۴ ہجری
۲۴	الطائع للہ ابو بکر بن المطیع	سنہ ۳۶۳ ہجری	سنہ ۳۹۳ ہجری
۲۵	القادر باللہ ابو العباس بن اسحٰق بن المقتدر	سنہ ۳۸۱ ہجری	سنہ ۴۲۲ ہجری
۲۶	القائم بامر اللہ ابو جعفر بن القادر باللہ	سنہ ۴۲۲ ہجری	سنہ ۴۶۷ ہجری
۲۷	المقتدی بامر اللہ ابو القاسم بن محمد بن القائم بامر اللہ	سنہ ۴۶۷ ہجری	سنہ ۴۸۷ ہجری
۲۸	المستظہر باللہ ابو العباس بن المقتدی باللہ	سنہ ۴۸۷ ہجری	سنہ ۵۱۲ ہجری
۲۹	المسترشد باللہ ابو منصور بن المستظہر باللہ	سنہ ۵۱۲ ہجری	سنہ ۵۲۹ ہجری
۳۰	الراشد باللہ ابو جعفر بن المسترشد	سنہ ۵۲۹ ہجری	سنہ ۵۳۲ ہجری
۳۱	المقتفی لامر اللہ ابو عبد اللہ بن المستظہر باللہ	سنہ ۵۳۲ ہجری	سنہ ۵۵۵ ہجری
۳۲	المستنجد باللہ ابو المظفر بن المقتفی لامر اللہ	سنہ ۵۵۵ ہجری	سنہ ۵۶۴ ہجری
۳۳	المستضیٔ بامر اللہ الحسن بن المستنجد باللہ	سنہ ۵۶۴ ہجری	سنہ ۵۷۵ ہجری
۳۴	الناصر لدین اللہ احمد بن المستضیٔ بامر اللہ	سنہ ۵۷۵ ہجری	سنہ ۶۲۱ ہجری
۳۵	الظاہر بامر اللہ ابو نصر بن الناصر لدین اللہ	سنہ ۶۲۱ ہجری	سنہ ۶۲۳ ہجری
۳۶	المستنصر باللہ ابو جعفر بن الظاہر بامر اللہ	سنہ ۶۲۳ ہجری	سنہ ۶۴۰ ہجری
۳۷	المستعصم باللہ ابو احمد بن المستنصر باللہ	سنہ ۶۴۰ ہجری	سنہ ۶۵۶ ہجری
۳۸	المستنصر باللہ احمد بن الظاہر بامر اللہ	سنہ ۶۵۶ ہجری	سنہ ۶۶۰ ہجری
۳۹	الحاکم بامر اللہ ابو العباس بن ابی علی۔	سنہ ۶۶۰ ہجری	سنہ ۷۰۱ ہجری

عہ جہاں جہاں ایک خلیفہ کا سنہ انتقال اُسکے بعد کے دوسرے خلیفہ کے سنہ جلوس سے مسلسل نہیں ہے وہاں اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ مثلاً خلیفہ اپنے انتقال سے پہلے معزول ہوگیا اس کے جیتے جی جانشین ہوگیا ۱۲

نمبر شمار	نام خلیفہ	کس سنہ میں تخت نشین ہوا	کب انتقال ہوا
۴۰	المستکفی باللہ ابو الربیع بن الحاکم بامر اللہ	سنہ ۷۰۱ ہجری	سنہ ۷۴۰ ہجری
۴۱	الواثق باللہ ابراہیم - بن ولی العہد المتمسک باللہ	سنہ ۷۴۱ ہجری	سنہ ۷۴۲ ہجری
۴۲	الحاکم باللہ ابو العباس بن المستکفی باللہ	سنہ ۷۴۲ ہجری	سنہ ۷۵۳ ہجری
۴۳	المعتضد باللہ ابو الفتح بن المستکفی باللہ	سنہ ۷۵۳ ہجری	سنہ ۷۶۳ ہجری
۴۴	المتوکل علے اللہ ابو عبد اللہ بن المعتضد باللہ	سنہ ۷۶۳ ہجری	سنہ ۸۰۸ ہجری
۴۵	الواثق باللہ عمر - بن ابراہیم -	سنہ ۷۸۵ ہجری	سنہ ۷۸۸ ہجری
۴۶	المستعصم باللہ زکریا - بن ابراہیم -	سنہ ۷۸۸ ہجری	۱ حاشیہ
۴۷	المستعین باللہ ابو الفضل - بن المتوکل علی اللہ	سنہ ۸۰۸ ہجری	سنہ ۸۳۳ ہجری
۴۸	المعتضد باللہ ابو الفتح - بن المتوکل علے اللہ	سنہ ۸۱۵ ہجری	سنہ ۸۴۱ ہجری
۴۹	المستکفی باللہ ابو الربیع - بن المتوکل علے اللہ	سنہ ۲ ہجری	سنہ ۸۵۱ ہجری
۵۰	القائم بامر اللہ ابو البقاء - بن المتوکل علے اللہ	سنہ ۸۵۱ ہجری	سنہ ۸۶۳ ہجری
۵۱	المستنجد باللہ ابو المحاسن - بن المتوکل علے اللہ	سنہ ۸۶۳ ہجری	سنہ ۸۸۴ ہجری
۵۲	المتوکل علے اللہ ابو العز - بن یعقوب بن المتوکل -	سنہ ۸۸۴ ہجری	سنہ ۹۰۳ ہجری

(۵) ابو محمد طلحہ بن عبید اللہ

اِن کا نام طلحہ - کنیت ابو محمد - یہ بھی قریشی اور سابقین فی الاسلام میں ہیں - یعنی صرف سات آدمی ان سے پہلے داخلِ اسلام ہو چکے تھے - حضرت ابو بکر صدیقؓ کی سچی تعلیم اور بے ریا تلقین نے اِن پر وہ اثر کیا کہ پیغمبر صاحب کے سامنے ہوتے ہی کھلم کھلا مسلمان ہو گئے - اُن کا سلسلۂ نسب دو واسطوں سے حضرت ابو بکر صدیق اور چھے واسطوں سے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف سے جا ملتا ہے -

طلحہؓ کے مفاخر

(۱) عشرۂ مبشرہ کے بشارت بہشت کے ساتھ مخصوص ہونے کی توجیہ میں اوپر ایک لمبی حدیث کا مذکور ہوا ہے اُس میں یہ بھی ہے کہ وَطَلحَةُ فِی الجَنَّةِ یعنی پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ طلحہ جنتی ہیں -

(۲) جنگ اُحد کے موقع پر جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اِن کی خدمت اور کارِ نمایاں کے صلے میں فرمایا اَوْجَبَ طَلْحَةُ یعنی طلحہ نے اپنے حق میں جنت واجب کر لی اور اِس کی کچھ تفصیل آگے آتی ہے -

ؔ۱ اسکا سنہ انتقال باوجود تحقیق کے معلوم نہیں ہوا ۱۲

ؔ۲ اس کا سنہ جلوس معلوم نہیں ہوا ۱۲

(۳) پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کے حق میں فرمایا کہ جو شخص زمین پر چلتے پھرتے جیتے جاگتے شہید کو دیکھنا چاہے وہ طلحہؓ بن عُبَیدُاللہ کو دیکھے۔

(۴) پیغمبر صاحب کی ہجرت کی خبر سُن کر سب سے پہلے حضرت طلحہ نے ہجرت پر آمادگی ظاہر کی۔ اور مدینے پُونہچ کر تمام غزوات میں پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر رہے ہاں معرکۂ بَدر میں شریک نہیں ہوسکے۔ اور اس کی وجہ بعض روایات میں یہ بیان کی گئی ہی کہ جناب پیغمبر صاحب نے اِنھیں اور سعید بن زید کو مشرکینِ مکّہ کی ٹوہ اور تجسُّس اخبار کے لیئے بھیج رکھا تھا۔ اسی وجہ سے پیغمبر صاحب نے اِن کا نام بَدریوں کی فہرست میں شامل کیا اور مالِ غنیمت میں سے اِن کا حصہ اُٹھا رکھا۔

طلحہؓ کی اسلامی خدمتیں

(۱) جنگِ اُحد کے موقع پر جو اسلامی خدمت حضرت طلحہ سے ظاہر ہوئی خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہی۔ میدانِ اُحد میں جب مُسلمان پیغمبر صاحب سے علٰحدہ ہوگئے اور کافروں نے ہر چہار طرف سے نرغہ کیا۔ تو پیغمبر صاحب مسلمانوں کی جمعیت فراہم کرنے کی غرض سے آگے بڑھے اور گھبراہٹ کی وجہ سے ایک گڑھے میں گر گئے۔ اس موقع پر طلحہؓ موجود تھے انھوں نے پیغمبر صاحب کو گڑھے میں گرتے دیکھا تو نہایت بیتاب ہوئے اور باوجودیکہ اِن کا جسم زخموں سے چُور چُور ہو رہا تھا۔ نہایت دلیری کے ساتھ پیغمبر صاحب کو گڑھے سے نکالنے میں کوشش کرنے لگے۔ خود گھٹنوں کے بَل بیٹھ گئے اور پیغمبر صاحب کو چِڈھی پر چڑھا ایک اُونچے ٹیلے پر لے جا نہایت آرام سے بٹھا دیا۔ کافروں نے دیکھا تو ہر طرف سے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ طلحہؓ پیغمبر صاحب کی سِپَر بن گئے اور ہر جانب سے کفّار کے حملے روکتے رہے۔ جو تیر سامنے سے آتا طلحہ اُسے اپنے ہاتھ سے روکتے اور اُس کی زد سے پیغمبر صاحب کو بچاتے یہاں تک کہ ان کا ہاتھ بہت جگہ سے چھِد کر شل ہوگیا۔ اُس روز طلحہؓ کے جسم پر تلوار اور برچھے اور تیر کے کچھ اُوپر سَتّر زخم آئے تھے اور اسی موقع پر پیغمبر صاحب نے اِن کے حق میں فرمایا تھا اَوْجَبَ طَلْحَۃُ یعنی طلحہ نے اپنے لیئے جنّت واجب کرلی۔ ابو بکر صدیقؓ کے رُوبرو جب جنگِ اُحد کا مذکور ہوتا تو وہ فرمایا کرتے ذٰلِکَ یَوْمٌ کُلُّہٗ لِطَلْحَۃَ یعنی یہ دن سب کا سب طلحہ کے لیئے تھا۔

(۲) سیرۃ ابن ہشام میں لکھا ہی کہ طلحہ نے جنگِ اُحد کے علاوہ اَور کئی معرکوں میں پیغمبر صاحب پر جان نثاری اور فدائیت کا کھلا ثبوت دیا اور آخر کار اُن کی بے انتہا خدمتوں اور جان نثاریوں نے پیغمبر صاحب کی زبانِ مبارک سے یہ کلمے نکلوا ہی دیئے مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی شَہِیْدٍ یَّمْشِیْ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی طَلْحَۃَ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰہِ

طلحہ رضی اللہ عنہ ۳۶ھ ہجری کو معرکۂ جمل میں شہید ہوئے۔ علی کرّم اللہ وجہہ کے لشکر میں سے ایک تیر آیا اور ان کے پاؤں میں عرق النسا[۱] کے موضع پر لگا۔ اور اسی سے اُن کا کام تمام ہوگیا۔ کتبِ تواریخ و سِیَر میں لکھا ہی کہ معرکۂ جمل میں جب دونوں طرف سے فوجیں صف آرا ہوئیں تو علی کرّم اللہ وجہہ نے طلحہؓ کو بُلا کر ان کی قدیم خدمات اِن کو یاد دلائیں۔ اس پر طلحہ فوج سے بھرے علیحدہ ہوگئے اور اسی حالت میں اِن کے ایک تیر آ لگا اور انھوں نے جاں بحق تسلیم کی۔ علی کرّم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا تو وہ ان

[۱] پاؤں کی ایک رگ کا نام ہی ۱۲ عـــہ اسکا ترجمہ اوپر گزر چکا ۱۲

کی لاش کے پاس گئے اور اپنے کرتے کے دامن سے اِن کی ڈاڑھی کا غبار پونچھنے لگے - غبار پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے یا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ الْيَوْمِ بِعِشْرِينَ سَنَةً - یعنی اے کاش میں آج سے بیس برس (یعنی پیغمبر صاحب کی زندگی میں) پہلے مرچکا ہوتا کہ یہ روزِ بد مجھے دیکھنا نصیب نہ ہوتا - اِس وقت طلحہؓ کی عمر ساٹھ برس کی تھی - اِن کی قبر بصرے میں مشہور و معروف یادگاہ ہے ٭

(۶) ابو عبداللہ زبیر بن العوام

اِن کا نام زبیر - کنیت ابو عبداللہ یا ابو الطاہر - یہ بھی قریشی ہیں - اور اِن کا سلسلۂ نسب چار واسطوں سے پیغمبر صاحب کے نسب سے جاملتا ہے - یہ عبد المطلب کی بیٹی پیغمبر صاحب کی پھوپی صفیہؓ کے اکلوتے فرزند اور اُم المومنین خدیجہؓ کے بھتیجے اور ابوبکر صدیقؓ کی بڑی صاحبزادی اسماء کے شوہر ہیں - کتبِ سِیَر میں لکھا ہے کہ حضرت زبیر نے ایک دن اپنے فرزند عبداللہ سے کہا بیٹا! تم جانتے ہو کہ مجھ میں اور جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم میں بہت ہی پاس کی قرابت داری ہے تمھاری ماں اسماء میری بیوی اُم المومنین حضرت عائشہ کی بہن اور پیغمبر صاحب کی سالی ہیں اور اِس لحاظ سے میں اور پیغمبر صاحب دونوں ہم زُلف ہوئے - تمھاری خالہ اُم المومنین بی بی عائشہ پیغمبر صاحب کی بیوی تمھاری ماں کی طرف سے میری سالی ہیں - میرے والد (عوام) کی پھوپی اُم حبیبہ بنت اسد پیغمبر صاحب کی دادی ہیں - اور میری ماں صفیہ اُن کی پھوپی - پیغمبر صاحب کی والدہ آمنہ بنت وہب اور میری دادی ہالہ بنت وہب دونوں بہنیں ہیں - اور پیغمبر صاحب کی بیوی اُم المومنین خدیجہؓ میری پھوپی -

حضرت زبیر اور اِن کی والدہ صفیہؓ دونوں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تعلیم و تلقین سے مشرف باسلام ہوئے اُس وقت زبیرؓ کی سولہ برس کی عمر تھی اور بقولِ بعض پچیس برس کی - اُن کے چچا کو اِن کے مسلمان ہونے کی خبر ہوئی - تو اُس نے اِنھیں ایک کوٹھری میں بند کر کے دھوئیں سے سخت تکلیف پہنچائی - مگر جب اِن کے استقلال میں کسی طرح کی بھی لغزش نہ پائی تو مجبور ہو کر چھوڑ دیا

زبیرؓ کے مفاخر

(۱) راہِ خدا میں سب سے پہلے حضرت زبیر ہی نے تلوار اُٹھائی - اور اِس کا قصہ یوں ہے کہ آغازِ اسلام میں کفارِ مکہ کی شورش دن رات دن ہی رہتی تھی اور نو مسلموں کو ایک لمحہ کے لیے بھی اطمینان میسر نہ تھا - مخالفوں کے خوف سے اِدھر اُدھر چھپتے پھرتے تھے ایک روز مکے میں یہ خبر بھی اُڑ گئی - کہ پیغمبر صاحب گرفتار کر لیے گئے - اور اپنے دعوے سے دست برداری نہ کی تو قتل بھی کیے جائیں گے - زبیر کے کان میں بھنک پڑی تو اُن کے تن بدن میں آتشِ غیظ بھڑک اُٹھی - برہنہ تلوار عَلَم کیے ہوئے پیغمبر صاحب کے مکان کی طرف دوڑے - پیغمبر صاحب نے اِن کی یہ حالت دیکھ کر بہت کچھ تسلی کی اور اِن کی اور اِن کے تلوار کے حق میں دعا کر کے اِنھیں اپنے پاس بٹھا لیا -

(۲) زبیرؓ اُن معزز اور سربرآوردہ لوگوں میں ہیں جنھوں نے دو ہجرتیں کیں اور دو قبلوں (یعنی کعبہ اور بیت المقدس) کی طرف نماز پڑھی اور پیغمبر صاحب کے بعد جن کے ہاتھوں میں خلافت کی باگ رہی کہ اپنے مشورے سے جسے چاہیں خلیفہ بنائیں

٭ حضرت عمر فاروقؓ کے حالات میں مذکور ہوا ہے کہ اُنھوں نے اپنے انتقال کے وقت چھ شخصوں یعنی عثمانؓ علیؓ طلحہؓ زبیرؓ عبدالرحمٰن بن عوف سعد بن زید کو منتخب کر کے [illegible]

(۳) معرکۂ بدر میں پیغمبر صاحب نے اِن کو اپنا نیزہ عطا فرمایا۔
(۴) جس رات جنّوں کا وفد پیغمبر صاحب کے پاس آیا اور پیغمبر صاحب اُن کی تبلیغ کے لیئے مدینے کے سنسان جنگل میں تشریف لے گئے تو اُس رات آپ کے رفیقِ طریق حضرت زبیرؓ ہی تھے۔

زبیرؓ کی اسلامی خدمتیں

(۱) زبیر رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر رہے۔ احزاب کی لڑائی میں جو اسلام اور پیغمبر اسلام کی خدمت اِن سے ظہور میں آئی خاص کر قابلِ ذکر ہے۔ معرکۂ احزاب پیش آیا۔ اور قریش مکّہ نے یہودِ بنی قریظہ اور بنی نضیر کے ساتھ سازباز کر کے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھائی کی تو پیغمبر صاحب کو اِن کی خبر دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ اس لڑائی میں کن کن قبیلوں نے مشرکینِ مکّہ کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی ہے اس لیئے آپ نے باآوازِ بلند فرمایا مَنْ يَأْتِيْنِيْ بِخَبَرِ الْقَوْمِ یعنی مخالفین کے لشکر کی خبر میرے پاس کون شخص لا سکتا ہے۔ چونکہ دشمنوں کی فوجیں سب طرف پھیلی ہوئی تھیں اور رستے میں آمدورفت بہت مشکل تھی پیغمبر صاحب کی اس ندا کا بجز سکوت و خاموشی کے اور کچھ جواب نہ ملا تو آپ نے ایک چھوڑ تین تین مرتبہ باآوازِ بلند فرمایا مگر کسی نے کچھ جواب نہ دیا اِلّا زبیر نے پیغمبر صاحب کی ہر ندا کے جواب میں لبیک کہا یعنی اس بہادر شیر دل نے ہر موقع پر عرض کیا کہ میں خدمت کو حاضر ہوں۔ چنانچہ پیغمبر صاحب کی اجازت سے گئے اور مخالفوں کی خبریں دریافت کر کے جیسی کی تیسی پیغمبر صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں۔ اِسی موقع پر پیغمبر صاحب نے فرمایا اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ۔ یعنی ہر نبی کا ایک حواری (دوستِ خالص) ہوتا ہے۔ میرے حواری زبیر ہیں۔ آخر کار کفارِ قریش شکست کھا کر بھاگے۔ پیغمبر صاحب یہاں سے فارغ ہو کر بنو قریظہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ یہودی تھے اور مدینے کے باہر تین میل کے فاصلے پر آباد تھے۔ وہیں اِن کی گڑھیاں اور بستیاں تھیں۔ پیغمبر صاحب پندرہ روز تک اِن کی گڑھی کا محاصرہ کیے رہے اور یہاں بھی فرمایا کہ کوئی شخص ہے جو ان لوگوں کے حالات اخبار دریافت کر کے لائے۔ زبیر پیغمبر صاحب کا یہ ارشاد سنتے ہی مسلح ہو گئے۔ اور بے ہراس دشمنوں کی طرف چل کھڑے ہوئے واپس آئے تو پیغمبر صاحب نے اِن کی طرف روئے سخن کر کے فرمایا فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ یعنی زبیر! میرے ماں باپ تم پہ قربان ہوں پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد جو مآثرِ جمیلہ فتوحات میں حضرت زبیر سے صادر ہوئے۔ کتبِ سیر میں جستہ جستہ مذکور ہیں۔ ہم اُن کو جمع کر کے اپنی کتاب کو بڑھانا نہیں چاہتے۔ زبیر دسویں جمادی الاخریٰ ۳۶ھ روز پنجشنبہ کو ۷۰ سال کی عمر میں واقعۂ جمل میں شہید ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت زبیر علی کرّم اللہ وجہہٗ کے لشکر کے مقابلے میں آئے تو علی مرتضیٰ نے عبداللہ بن عباس کو اِن کے پاس بھیجا۔ عبداللہ بن عباس نے اِن کو علی مرتضیٰ کا پیام دیا۔ کہ تمہارے خالہ زاد بھائی (علی) کہتے ہیں کہ تم مجھے حجاز میں تو پہچانتے تھے اور عراق میں آکر انجان ہو گئے۔ اِتنا سن کر زبیر کا دل بھر آیا اور وہ اہلِ بصرہ سے الگ ہو گئے یہاں بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی اور طرفین کے بہت سے آدمی تیر و تلوار کے شکار ہوئے۔ زبیر یہاں سے چل کر وادی سباع میں پہنچے یہاں اُتر کر وضو کیا اور مصروفِ نماز ہوئے۔ ابھی نماز ہی میں تھے کہ علی مرتضیٰ کے ایک لشکری ابن جرموز نامی نے پیچھے سے آکر تلوار ماری اور زبیرؓ نے حالتِ نماز میں جان بحق تسلیم کی۔

ابن جرموز نے زبیرؓ کی تلوار حضرت علی کے سامنے رکھ دی - اور کہا امیرالمومنین کو قتلِ زبیر کی بشارت ہو - علی کرم اللہ وجہہ زبیرؓ کی تلوار پہچان کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے - اور فرمایا اوعنی! مجھے آتشِ دوزخ کی بشارت ہو - ابن جرموز نے یہ سُن کر اُسی وقت خودکشی کر لی - اور بعض کہتے ہیں کہ ابن جرموز اِس واقعے کے بعد بہت دنوں زندہ رہا یہاں تک کہ جب زبیرؓ کے فرزند مصعب بصرے کے حاکم ہوئے تو ابن جرموز زبیرؓ کے قصاص میں مارے جانے کے خوف سے اِدھر اُدھر چھپتا پھرا آخرکار مصعب نے گرفتار کرا لیا اور اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالا -

عبداللہ بن زبیر کا بیان ہے کہ جمل کے دن جب میرے والد زبیر مسلح ہو کر میدان میں آئے تو مجھے پاس بُلا کر کہا بیٹا! آج بجز ظالم اور مظلوم کے تیسرا کوئی شخص قتل نہیں کیا جائے گا اور مجھے خیال ہوتا ہے کہ میں آج ہی مظلوم قتل کیا جاؤں گا *

(۷) عبدالرحمٰن بن عوف الزہری

اُن کا نام عبدالرحمٰن - کنیت ابو محمد - یہ بھی قریشی ہیں - اور اِن کا سلسلۂ نسب پانچ واسطوں سے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے جا ملتا ہے - اُن کی والدہ شِفا بنت عبدِ عوف نے جناب پیغمبر صاحب کی ولادت کے وقت بی بی آمنہ کے ساتھ انتہا درجے کی ہمدردی کا اظہار کیا تھا اور قابلہ کے سارے کام اپنے ذمے لے لیے تھے - اور اُسی وقت سے اِن کو پیغمبر صاحب سے ایک طرح کی محبت و ارادت پیدا ہو گئی تھی - جس کا آگے چل کر یہ اثر ہوا کہ پیغمبر صاحب نے اسلام کی مُنادی شروع کی تو بے کسی کی تعلیم و تلقین کے مشرف باسلام ہو گئیں - اور پیغمبر صاحب کے ساتھ مدینے ہجرت کر آئیں -

عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا نام جاہلیت میں عبدِ عمرو یا عبدالحارث یا عبدِ کعبہ تھا - پیغمبر صاحب نے اِن کا اسلامی نام عبدالرحمٰن رکھا عام الفیل کے دس برس بعد پیدا ہوئے - اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعلیم و تلقین سے آغازِ اسلام میں مسلمان ہو گئے - حبشے میں دو مرتبہ ہجرت کی اور بعد کو پیغمبر صاحب کی ہجرت کر جانے پر ترکِ وطن کر کے مدینے جا بسے -

عبدالرحمٰنؓ کے مفاخر

(۱) اِن کے مفاخر و فضائل کتبِ احادیث و سِیر میں بکثرت مذکور ہیں لیکن سب میں بڑی فضیلت جس میں کوئی صحابی عبدالرحمٰنؓ کے ساتھ دعوے شرکت نہیں کر سکتا یہ ہے کہ غزوۂ تبوک یا کسی اور سفر میں پیغمبر صاحب نے اِن کے پیچھے نماز پڑھی اور یہ اِس طرح ہوا کہ نماز کا وقت آیا تو پیغمبر صاحب کو لوگوں نے نہ پا کر اِن کو امام بنا دیا - یہ ایک رکعت پڑھ چکے تھے کہ پیغمبر صاحب تشریف لے آئے - پیغمبر صاحب اِن کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئے - اور اِن کے نماز سے فارغ ہوئے پیچھے پیغمبر صاحب نے مسبوق کی طرح ایک رکعت علیحدہ پڑھ لی - اس سے لوگوں کو پیغمبر صاحب کی ناخوشی کا خیال ہوا - تو آپ نے فرمایا اَصَبْتُمْ و اَحْسَنْتُمْ یعنی تم نے اچھا کیا یہ کوئی بُری بات نہ تھی - پیغمبر صاحب کے مرضِ وفات میں ابوبکر صدیقؓ بھی کئی روز تک امام بن کر لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے ایک روز پیغمبر صاحب کے مرض میں کچھ تخفیف ہوئی تو آپ مسجد میں تشریف لائے - یہاں ابوبکر صدیق نماز پڑھا رہے تھے پیغمبر صاحب کو آتے دیکھا تو لگے پیچھے ہٹنے - مگر پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ پیچھے ہٹنے کی ضرورت نہیں اور آپ نے اُن کے

پہلو میں بیٹھ کر نماز شروع کی۔ تو پیغمبر صاحب امام تھے ابوبکر کے اور ابوبکر امام تھے لوگوں کے۔ غرضکہ پیغمبر صاحب نے عبدالرحمٰن بن عوف کے علاوہ کسی اور کے پیچھے نماز نہیں پڑھی۔ اور یہ اُس پیشین گوئی کی تصدیق تھی۔ جو اِس سے بہت پہلے ایک موقع پر پیغمبر صاحب نے کی تھی۔ کہ کوئی نبی اُس وقت تک وفات نہیں پاتا۔ جب تک وہ اپنی اُمت کے کسی صالح اور نیک آدمی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔ الغرض صرف ایک یہی خصوصیت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ میں ایسی موقّر اور باوقعت اور وزنی ہے جس کی مثال ہم کسی صحابی میں نہیں پاتے +

(۲) پیغمبر صاحب نے اِن کے حق میں فرمایا کہ عبدالرحمٰن زمین میں بھی امین ہیں اور آسمان میں بھی اور سادات مُسلمین کے سردار ہیں۔

(۳) اور فرمایا کفاک اللّٰہ امر دُنیاک واما اٰخرتک فانا لھا ضامنٌ یعنی عبدالرحمٰن! تمھارے دُنیاوی کام تو خدا نے (تمھاری خواہش کے مطابق) سب نکال دیئے رہی آخرت تو اُس کا ذمہ دار میں ہوں۔

(۴) اور فرمایا کہ خدا عبدالرحمٰن بن عوف کو سلسبیل جنّت کے پانی سے سیراب کرے۔

عبدالرحمٰنؓ کی اسلامی خدمتیں

(۱) عبدالرحمٰنؓ تمام غزوات میں پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر رہے مگر غزوۂ تبوک میں کسی وجہ سے حاضر نہ ہوسکے اور اِس عدم حاضری کی تلافی میں اِنھوں نے چار ہزار دینار راہِ خدا میں خیرات کیے اور پھر چالیس ہزار دینار فقراءِ صحابہ کو مرحمت فرمائے پانسو گھوڑے اور پانسو اُونٹ ساز و سامان سمیت غازیوں کو عنایت کیے۔

(۲) معرکۂ اُحد میں نہایت استقلال کے ساتھ پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر رہے اُس دن اِن کے جسم پر تلوار و نیزے کے بیس گہرے زخم لگے مگر اِن کی اُولوالعزمی اور ثابت قدمی میں ذرا بھی لغزش نہ آئی۔

(۳) دُومۃ الجندل کے سر کرنے کے لیے پیغمبر صاحب نے اِن ہی کو منتخب فرمایا تھا۔ جب یہ پیغمبر صاحب سے رخصت ہونے آئے تو آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اِن کے سر پر عمامہ باندھا۔ اور دونوں شانوں کے درمیان شملہ چھوڑا اور فرمایا بسم اللہ جاؤ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر خدا انھیں دومۃ جندل پر فتحیاب کرے۔ تو وہاں کے سردار کی بیٹی کو اپنے نکاح میں لے آنا چنانچہ جب عبدالرحمٰنؓ نے دومۃ الجندل کو فتح کیا تو اصبع کلبی کی بیٹی تماضر سے شادی کرلی۔

(۴) عبدالرحمٰنؓ مدینے میں ہجرت کر آئے ہیں تو نہایت مفلس اور تنگدست تھے۔ پیغمبر صاحب نے سعد بن الربیع انصاری سے اِن کا بھائی چارہ کرادیا وہی انصاری کھانے پانی سے اِن کی مدد کرتا۔ یہ تھے غیور اِنھوں نے پرائے ٹکڑوں سے پیٹ پالنے کو پسند نہیں کیا اور انصاری بھائی کے مشورے سے بازار میں گھی اور مکھن کی تجارت شروع کردی۔ خدا نے اِن کی تجارت میں وہ برکت دی کہ پیغمبر صاحب کی زمانۂ زندگی ہی میں اِن کا شمار اغنیاءِ صحابہ میں ہونے لگا۔ لکھا ہے کہ شروع شروع میں ایک دفعہ چار ہزار درہم جناب پیغمبر صاحب کی خدمت میں مسلمانوں کی امداد میں پیش کیے اور عرض کیا کہ میرے پاس آٹھ ہزار تھے۔ چار ہزار اپنی اہل و عیال کے لیے گھر چھوڑ آیا اور چار ہزار اپنے خدائے عزّوجل کو قرض دیتا ہوں۔ پیغمبر صاحب نے فرمایا

بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْمَا اَمْسَكْتَ وَفِيْمَا اَعْطَيْتَ یعنی عبدالرحمٰن! جو تم چھوڑ آئے ہو اُس میں اور جو تم نے دیا ہی اُس میں دونوں میں خدا انھیں برکت دے- پیغمبر صاحب کی اِس دُعا کا یہ اثر ہوا کہ چند ہی روز میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ بڑے مال دار اور امیر کبیر ہوگئے ایک جہاد میں اِنھوں نے چالیس ہزار دینار نقد دیئے اور پانسو گھوڑے پانسو اُونٹ مع ساز و سامان مجاہدین کو عطا فرمائے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا-

(۵) پیغمبر صاحب کے انتقال کے بعد اُمّہات المومنین کے ساتھ جو مواساۃ اور مالی خدمت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے ظہور میں آئی خصوصیّت کے ساتھ قابلِ ذکر ہی- اُنھوں نے پیغمبر صاحب کے انتقال کے بعد اپنا ایک باغ جو بعد کو چالیس ہزار کو بیچا گیا- اُمّہات المومنین کے نام نذر کر دیا تھا- اِس باغ کی آمدنی سے جب تک باغ رہا سب اُمہات المومنین برابر کا حصہ لیتی رہیں اور جب فروخت ہوا تو سب میں کُل رقم برابر تقسیم ہوگئی- اور یہ اُس پیشین گوئی کی تصدیق تھی- جو ایک مرتبہ پیغمبر صاحب نے تمام اُمّہات المومنین کو مخاطب کر کے کی تھی کہ اِنَّ اَمْرَكُنَّ مِمَّا يُهِمُّنِيْ مِنْ بَعْدِيْ وَلَنْ يَّصْبِرَ عَلَيْكُنَّ اِلَّا الصَّابِرُوْنَ الصِّدِّيْقُوْنَ یعنی مجھے اِس بات کا زیادہ اندیشہ اور فکر ہی کہ میرے بعد تم عورتوں کا کیا حال ہوگا لوگ تمھارے ساتھ کیسا معاملہ برتیں گے اور کس طرح پیش آئیں گے اور تمھاری مہمات معیشت کا کون متکفل ہوگا- مگر ساتھ ہی اِس بات سے مجھے تسلّی بھی ہوتی ہی کہ جو لوگ ادائے حقوق اور صدقِ معاملہ اور صبر میں کامل ہیں- اُن سے تو تمھاری تکلیف پر صبر ہو نہیں سکے گا اور وہ ضرور تمھارا انتقادِ احوال کریں ہی گے- پیغمبر صاحب کے اِس بیان کی تصدیق آگے چل کر اُمّ المومنین عائشہؓ نے کر دی اور نہایت وضاحت سے ثابت کر دیا کہ پیغمبر صاحب کی مراد الصابرون اور الصدّیقون سے عبدالرحمٰن بن عوف تھے جیسا کہ اُنھوں نے عبدالرحمٰنؓ کے انتقال کے بعد ایک موقع پران کے بیٹے ابوسلمہ سے عبدالرحمٰنؓ کی شکر گزاری اور منّت داری ظاہر کرنے کو فرمایا سَقَى اللّٰهُ اَبَاكَ مِنْ سَلْسَبِيْلِ الْجَنَّةِ یعنی ابوسلمہ! تیرے باپ عبدالرحمٰن کو خدا سلسبیلِ جنت سے سیراب کرے

(۶) ایک دن کا ذکر ہی کہ عبدالرحمٰنؓ نے اُمّ المومنین اُمِّ سلمہؓ سے اپنے کثرتِ مال کی شکایت کی- اور کہا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مال کی کثرت مجھے ہلاک نہ کر دے اُنھوں نے فرمایا بیٹا! جو تیرے پاس ہو راہِ خدا میں خرچ کر ڈال یہ سُن کر عبدالرحمٰنؓ نے اپنا ہاتھ کھول دیا- اور ایک دن میں تیس غلام خرید کر آزاد کیے اور جتنے بدری صحابی اُس زمانے میں باقی رہے تھے ہر ایک کے لیے چار چار سو دینار کی وصیّت کی- تلاش کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ سو بدری صحابی موجود ہیں- تو سب کو چالیس ہزار دینار دیئے گئے +

(۷) ایک دن اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضؓ سے یہ حدیث سُن کر کہ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو دیکھا کہ وہ جنت میں اِس طرح چلتے ہیں جیسا چھوٹا بچّہ سُرین کے بَل چلتا ہی اپنا وہ تمام قافلہ جو شام سے آیا تھا یعنی سات سو اُونٹ مع پالان وغیرہ خیرات کر دیئے-

اِن کا انتقال حضرت عثمان ذو النورین کی خلافت ۳۱ھ یا ۳۲ھ میں ہوا- انتقال کا سبب یہ بیان کیا گیا ہی کہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ ایک دفعہ بیمار پڑے تو اُنھوں نے حضرت عبدالرحمٰن کے لیے خلافت نامہ لکھا- اِن پر یہ امر اِس قدر شاق گزرا اور خلافت کے بارے اتنے خوف زدہ ہوئے کہ خدا سے بایں الفاظ دعا کی کہ خداوندا! مجھے امیر المومنین عثمان سے پہلے ہی دنیا

سے اُٹھائے تاکہ خلافت کے بارگراں کو وہ مجھ پر پیش ہی نہ کرسکیں - چنانچہ اس دُعا کے چھے مہینے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ انتقال کے بعد حضرت عثمان نے اِن کے جنازے کی نماز پڑھی - اور موضع بقیع میں دفن کیا - بیان کیا جاتا ہو کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضہ نے عبدالرحمٰن بن عوف کو اُن کے مرضِ وفات میں کہلا بھیجا کہ اگر تم چاہو تو جناب پیغمبر صاحب اور اُن کے دونوں یاروں ابوبکر و عمر کے جوار میں تمہارے دفن ہونے کے لیئے جگہ تجویز کردی جائے - عبدالرحمٰنؓ نے جواب دیا کہ میں آپ کے گھر کو تنگ کرنا نہیں چاہتا - مَیں عثمان بن مظعون سے عہد کرچکا ہوں کہ ہم دونوں میں جو پہلے مرے دوسرا اُس کے پہلو میں دفن ہو - اِن کے انتقال کی خبر سُن کر علی کرم اللہ وجہہ نے نہایت حسرت و افسوس کے لہجے میں کہا ای ابن عوف صاف اور نتھرا ہوا پانی تو تم پی گئے اور تلچھٹ ہمارے لیے چھوڑ گئے۔

(۸) سعد بن ابی وقاص القرشی الزہریؓ

اِن کا نام سعد - کُنیت ابو اسحاق - یہ بھی قریشی ہیں اور ان کا سلسلۂ نسب چھے واسطوں سے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف تک پونہچ جاتا ہی - سترہ یا اُنیس برس کی عمر میں مشرّف باسلام ہوئے ان سے پہلے چھے شخص اسلام کے شرف سے بہرہ یاب ہوچکے تھے - اسلام میں داخل ہونے کا سبب یہ خود اپنی زبان سے اِس طرح بیان کرتے ہیں کہ مَیں ایک رات سوتا تھا خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک نہایت تیرہ و تاریک جنگل میں چلا جا رہا ہوں - چاروں طرف اندھیرا چھا رہا ہی اور تاریکی ہی کہ ہر کونے سے اُٹھی چلی آرہی ہی اتنے میں ایک طرف سے مہتاب نمودار ہوا - اور اُس کی نورانی چمک نے ہر طرف روشنی پھیلادی - مَیں یہ دیکھ کر چاند کی طرف دَوڑا - آگے چل کر دیکھتا ہوں تو ابوبکر صدیق اور علی اور زید بن حارثؓ مجھ سے پہلے چاند کے پاس پونہچ چکے ہیں - جب مَیں بیدار ہوا تو پیغمبر صاحب کو تلاش کرتا ہوا شعبِ اجیاد میں پونہچا اور وہاں اسلام قبول کیا۔

سعد بن ابی وقاصؓ کے مفاخر

(۱) سعد بن ابی وقاص مہاجرین اوّلین میں سے ہیں - پیغمبر صاحب نے اِن کی کمال بہادری و شجاعت کی وجہ سے اِن کو فارس الاسلام کا معزّز و ممتاز لقب عنایت فرمایا تھا۔

(۲) ایک مرتبہ پیغمبر صاحب نے کسی سفر میں شب کے وقت فرمایا کاش میرے اصحاب میں سے کوئی صالح اور نیک مزاج رات کو میری حفاظت کرتا - اُسی وقت سعد بن ابی وقاصؓ آموجود ہوئے - پیغمبر صاحب نے اِن کے حق میں دعا کی۔

(۳) جنگ ... میں پیغمبر صاحب نے اِن کو مخاطب کرکے فرمایا اِرْمِ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ یعنی کفار پر تیر پھینکو میرے ماں باپ دونوں تم پر قربان ہوں

(۴) پیغمبر صاحب نے ایک عظیم الشان مجمع میں انھیں فخراً اپنا ماموں فرمایا - چنانچہ ترمذی میں جابر رضہ سے روایت ہی کہ ایک موقع پر پیغمبر صاحب ایک بڑے چبوترے پر تشریف رکھتے تھے - اور چاروں طرف سے صحابی آپ کو حلقہ کیے ہوئے تھے اتنے میں سعد بن ابی وقاصؓ آئے تو پیغمبر صاحب نے فرمایا یہ میرے ماموں ہیں پھر صحابہ کی طرف روئے سخن کرکے فرمایا فلا...

میں کا کوئی ایک شخص بھی میرے ماموں جیسا اپنا ماموں دکھا سکتا ہے۔ سعد بن ابی وقاص اصل میں بنی زہرہ میں سے تھے اور بنی زہرہ قریش کے اُس محلّے کا نام تھا۔ جس میں کلاب کی بیٹی زہرہ کی اولاد بستی تھی۔ پیغمبر صاحب کی والدہ بھی اسی قبیلے میں سے تھیں اس وجہ سے پیغمبر صاحب نے سعد کو اپنا ماموں فرمایا۔

(۵) امیر المؤمنین عمر فاروقؓ ان کا بہت ادب کیا کرتے اور ہمیشہ تسلّی اور دلاسے سے پیش آتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میرے بعد اگر سعد کو خلیفہ بنایا جائے تو وہ خلافت کے اہل ہیں۔

(۶) عمر فاروقؓ اکثر اوقات اِن کی شجاعت و بہادری کی تعریف کیا کرتے اور اپنے زمانۂ خلافت میں لشکر کی سپاہ سالاری کے لیے سب سے پہلے ان ہی کو منتخب کرتے چنانچہ جن لشکروں نے قادسیہ اور جلولا کو فتح کیا اور اہلِ فارس کو فاش شکستیں دیں اور عراق میں مدائنِ کسریٰ کو زیر و زبر کیا اُن کے سپہ سالار سعد بن ابی وقاص ہی تھے۔

سعد بن ابی وقاصؓ کی اسلامی خدمتیں

(۱) یہ تمام غزوات میں پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر رہے۔ مغازی اور سفروں میں پیغمبر صاحب کی خدمتِ حفاظت ان ہی کے متعلق تھی۔ پیغمبر صاحب مدینے آتے آتے ہیں تو کسی غزوے میں ایک رات اعدائے دین کے خوف سے بیدار رہے اور فرمایا لَیْتَ رَجُلًا صَالِحًا یَحْرُسُنِیْ۔ یعنی کاش کوئی نیک مرد میری حفاظت کرتا۔ اتنے میں آلاتِ جنگ کی جھنجھناہٹ سُنائی دی۔ پیغمبر صاحب نے چونک کر فرمایا یہ کون ہے آواز آئی میں ہوں سعد ابو وقاص کا بیٹا۔ پیغمبر صاحب نے فرمایا تم اس وقت یہاں کیوں آئے۔ عرض کیا میرے دل میں خود بخود یہ بات پیدا ہوئی کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم تنہا ہیں مبادا اعدائے دین اُن سے مکر کریں اور کسی طرح کی تکلیف پہنچائیں۔ پس میں خدمتِ عالی میں اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کی نگہبانی کی خدمت بجا لاؤں۔ پیغمبر صاحب نے ان کے حق میں دُعا کی اور خود اطمینان سے سو رہے۔

(۲) عرب میں جس شخص نے سب سے پہلے راہِ خدا میں تیر پھینکا۔ سعد بن ابی وقاصؓ ہیں کہ ہجرت کے پہلے سال پیغمبر صاحب نے ابو عبیدہ بن الحارث کی سرکردگی میں ساٹھ مسلمانوں کو ابو سفیان بن حرب اور مشرکینِ مکّہ کے مقابلے میں روانہ کیا ان ساٹھ مسلمانوں میں سعد بن ابی وقاص بھی تھے۔ دونوں طرف سے صف آرائی ہوئی۔ تو معلوم ہوا کہ مشرکینِ مکّہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ اِس لیے سعد بن ابی وقاصؓ کے مشورے سے مسلمانوں نے سینہ بسینہ ہوکر لڑنا تو مناسب نہیں سمجھا دُور ہی دُور سے لڑائی کی تیاریاں کرتے رہے۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے اِس قدر تیر برسائے کہ تھوڑی ہی دیر میں مخالفوں کے مونہہ موڑ دیئے اور میدانِ جنگ سے اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ پس سعد بن ابی وقاص عرب میں پہلے تیرانداز تھے۔ جنھوں نے راہِ خدا میں تیراندازی کی۔

(۳) جنگِ اُحد کے موقع پر جو کارِ نمایاں سعد بن ابی وقاصؓ سے ظاہر ہوئے۔ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ جب مشرکینِ مکّہ مسلمانوں کے سردار جبیر بن مطعم کو جو پہاڑ کی ایک سکڑی سی گھاٹی کے ناکے پر متعین تھے ہٹا کر اندر گھس آئے اور بے خبر مسلمانوں پر دفعۃً ٹوٹ پڑے تو سعد بن ابی وقاصؓ نے مخالفوں کی فوج پر اس قدر تیر باری کی کہ اُن کے اُبھرے ہوئے

حوصلے پست ہو گئے اور تھوڑے عرصے میں سارا مجمع منتشر ہو گیا۔ پیغمبر صاحب ترکش سے تیر نکال نکال کر دیتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے اِرْمِ فِدَاكَ اَبِي وَاُمِّي یعنی سعد! تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں تیر پھینکے جاؤ اور کبھی فرماتے اِرْمِ اَيُّهَا الْغُلَامُ الْحَزَوَّرُ یعنی اے توانا اور زور مند لڑکے تیر پھینکے جا۔ پھر اسی موقع پر پیغمبر صاحب نے ان کے حق میں دُعا کی اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ رَمْيَتَهٗ وَاَجِبْ دَعْوَتَهٗ یعنی خداوندا سعد کی تیر اندازی کو قوی اور مضبوط کر اور اس کی دُعا قبول فرما اس لڑائی میں سعد بن ابی وقاص کے جسم پر بہت زخم آئے۔ جن کی تکلیف کو انھوں نے صبر کے ساتھ برداشت کیا۔

(۴) آخر زمانے میں امیر المؤمنین عمر فاروق نے ان کو کوفے کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔ مگر اہلِ کوفہ نے ان کی گورنری کو پسند نہیں کیا اور جھوٹی شکایتیں امیر المؤمنین سے جا لگائیں۔ خلیفۂ وقت نے مصلحتاً ان کو کوفے سے معزول کر دیا۔ اور اپنی طرف سے ایک معتبر کمیشن تحقیقات کے لیے متعین کی۔ اہلِ کوفہ کا ایک سردار ابو سعدہ نام کمیشن کو جواب دینے کے لیے منتخب ہوا اور اس نے بیان کیا کہ سعد فصلِ خصومات میں انصاف سے کام نہیں لیتے۔ اور اہلِ مقدمات کے ساتھ ناجائز سختیوں سے پیش آتے ہیں۔ اس پر سعد نے آسمان کی طرف مُونہ اُٹھا کر کہا خداوندا! اگر تیرا یہ بندہ (ابو سعدہ) جھوٹ کہتا ہی اور یقیناً جھوٹ کہتا ہی تو اس کی عمر دراز کر اور اس کی آنکھوں کی روشنی سلب کرے اور افلاس و فقر کی ذلت اس پر مسلط کرے اور اسے فتنوں کا نشانہ بنائے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ابو سعدہ اس قدر عمر دیا گیا کہ اُس کی بھویں جھڑ پڑیں اور وہ دینی فتنے میں مبتلا ہو گیا۔ اور پکار پکار کر کہنے لگا اَنَا شَيْخٌ مَفْتُوْنٌ اَصَابَتْنِيْ دَعْوَةُ سَعْدٍ یعنی میں بوڑھا مبتلائے فتنہ ہوں (اور) سعد کی بد دُعا مجھے لگ گئی ہی۔

سعد بن ابی وقاصؓ کی اس معزولی کا قصہ شیخین نے قیس بن ابی حازم تابعی سے اس طرح نقل کیا ہی کہ جب بنو اسد نے ان کی شکایت عمر فاروق سے کی کہ وہ نماز اچھی طرح نہیں پڑھاتے۔ تو عمر فاروق نے انھیں ایک تہدیدی فرمان لکھ بھیجا اور انھوں نے خود عمر فاروق کے پاس آکر حقیقتِ حال بیان کر دی۔ عمر فاروق نے ان کے بیان کی تصدیق کی اور فرمایا میرا گمان تمھارے ساتھ ایسا ہی ہی جیسا تم کہتے ہو اس موقع پر سعد بن ابی وقاص نے فخراً نہیں بلکہ اظہاراً للحالہ بھرے مجمع میں کہا کہ عرب میں سب سے پہلا میں ہی وہ شخص ہوں جس نے راہِ خدا میں تیر اندازی کی اور میں نے اپنے تئیں اور دیگر اصحابِ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہی کہ ہم پیغمبر صاحب کے ساتھ ہو کر کفار سے جہاد کرتے تھے۔ اور ہمارے سیئے بجز کیکر کے پتوں کے اور کچھ کھانے کو میسر نہ تھا اور ہم میں کا ہر ایک شخص بکریوں کی مینگنی جیسا خشک براز کرتا تھا اب بنو اسد اس رتبے کو پہنچ گئے کہ مجھے نماز پڑھنی سکھاتے ہیں۔ اگر ہم نماز بھی اچھی طرح نہ جان سکے تو ہمارے سارے عمل گئے گزرے ہو گئے۔ اور ہم سخت گھاٹے میں آگئے اور جب یہ ہی تو ہم کو فلاح کی کیا اُمید ہو سکتی ہی۔

امیر المؤمنین عمر فاروق نے اپنی رحلت کے وقت اصحابِ شوریٰ سے فرمایا کہ اگر میرے بعد خلافت کی باگ سعد بن ابی وقاص کے ہاتھ میں پہنچے فہو المراد ورنہ ان سے اس بارے میں مدد لی جائے کہ وہ اپنے مشورے سے تم میں سے کسی ایک کو خلیفہ مقرر کر دیں میں نے اُن کو کوفے کی گورنری سے اُن کی کسی خیانت اور عجز کی وجہ سے نہیں بلکہ مصلحتاً معزول کر دیا تھا ورنہ وہ میرے نزدیک اور نہ صرف میرے نزدیک بلکہ خدا اور رسولِ خدا کے نزدیک امانت دار اور خیر خواہِ اسلام ہیں سعد بن ابی وقاصؓ کا انتقال

ھ۵۵ یا ھ۵۸ کو اٹھتی یا تہتّے سال کی عمر میں موضعِ عقیق میں ہوا جو مدینے سے باہر ۹ میل کے فاصلے پر واقع ہی مگر پھر ان کا جنازہ مدینے میں لایا گیا اور مسجدِ نبوی میں مروان بن الحکم نے جو اُن دنوں والیِ مدینہ تھا نمازِ جنازہ پڑھی کہا جاتا ہی کہ اس وقت مہاجرین میں یہی ایک مہاجر باقی تھے۔

(۹) سعید بن زیدؓ قرشی عدوی

اُن کا نام سعید۔ کُنیت ابوالاعور یا ابوثور۔ یہ بھی قریشی ہیں اور ان کا سلسلۂ نسب پندرہ واسطوں سے پیغمبر صاحب کے نسب شریف تک پونہچتا ہی۔ یہ عمر بن الخطاب کے بھتیجے بھی ہیں۔ اور بہنوئی بھی۔ بھتیجے اس سے کہ عمرِ فاروق بیٹے ہیں خطاب کے اور خطاب نفیل کے اور سعید بیٹے زید کے اور زید عمرو کے اور عمرو نفیل کے۔ تو عمرِ فاروق کے والد خطاب اور سعید کے دادا عمرو دونوں بھائی بھائی ہوئے۔ اور سعید کے والد زید۔ عمرِ فاروق کے چچا۔ پس سعید عمر رضہ کے بھتیجے ہوئے۔ اور بہنوئی اس سے کہ عمرِ فاروق کی بہن خطاب کی بیٹی اُمِّ جمیل فاطمہ۔ سعید کے نکاح میں تھیں۔ سعید اور ان کی بی بی فاطمہ قدیم الاسلام ہیں یعنی پیغمبر صاحب کے دارِ ارقم میں تشریف لے جانے سے پہلے دونوں مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ عمر فاروق اِن دونوں کو اِن کے مُسلمان ہونے کی وجہ سے سخت سخت تکلیفیں پونہچاتے تھے۔ لیکن خدا کا کرنا کہ یہی دونوں عمر فاروق کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب ہوئے کہ ان کو قرآن پڑھتے سُنا اور اُس کا دل پر اس درجہ اثر ہوا کہ بے تاب ہوکر بہن بہنوئی سے کہا مجھے پیغمبر صاحب کے پاس لے چلو اور پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی مُسلمان ہو گئے۔

سعید بن زیدؓ کے مفاخر

(۱) پیغمبر صاحب نے اِن کو جنّت کی خوش خبری دی جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا۔

(۲) یہ مُجاب الدّعوۃ تھے جیسا کہ اُس مشہور واقعے سے ثابت ہوتا ہی جو مروان بن الحکم کے زمانے میں اِن کو ارویٰ بنت اُوَیس کے ساتھ پیش آیا کہ اَروی نے مروان سے اِن کی شکایت کی کہ سعید نے میرے مکان کا ایک حصّہ غصب کر لیا ہی انھوں نے کہا خداوندا! اگر یہ عورت جھوٹی ہی اور تُو جانتا ہی کہ یقیناً جھوٹی ہی۔ تو اس کو اندھا کر دے پس اروی فوراً اندھی ہو گئی اور اپنے ہی گھر کے کنوئیں میں گر کر مر گئی۔

سعید بن زید کی خدماتِ اسلام

(۱) سعید نے پیغمبر صاحب کے ساتھ مدینے ہجرت کی۔ اور بدر کے سوا تمام غزوات میں پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر رہے۔
(۲) طلحہ بن عبیداللہ کے ذکر میں بیان ہو چکا ہی کہ بدر کے موقع پر پیغمبر صاحب نے اِن کو اور طلحہ کو مشرکین کے قافلے کی ٹوہ لگانے اور خبر دریافت کرنے کی غرض سے ملکِ شام روانہ فرمایا تھا۔ اور یہ دونوں شام سے اُس روز مدینے واپس آئے جس روز مسلمان بدر میں فتحیاب ہو چکے تھے۔ پیغمبر صاحب نے دونوں کو بدریوں میں شامل کیا۔ اور مالِ غنیمت سے

دونوں کے لیئے حصّہ اُٹھا رکھا۔

(۴) پیغمبر صاحب کی حیات بابرکات کے زمانے میں اسلام کی جو خدمتیں ان سے ظہور میں آئیں سوآئیں۔ کہ بدر کے علاوہ پیغمبر صاحب کا کوئی غزوہ ایسا نہ ہوا جس میں یہ حاضر نہ تھے۔ پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد اپنے زمانہ انتقال تک تمام مذہبی لڑائیوں میں شریک رہے اور منصبِ ولایت پر جہاد کی شرکت کو ہمیشہ ترجیح دیتے رہے۔ امیرالمومنین عمرِ فاروق نے کئی مرتبہ عہدۂ ولایت ان پر پیش کیا۔ مگر انھوں نے منظور نہیں کیا۔ عثمان ذوالنورینؓ نے اپنے دورِ خلافت میں بصرے کی ولایت ان کے نامزد کرنی چاہی لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ ابو عبیدہ نے جب دمشق فتح کیا۔ تو ان کو زبردستی دمشق کا گورنر مقرر کیا مگر جب ابوعبیدہ جہاد کے لیئے اُٹھے تو انھوں نے لکھ بھیجا کہ مَیں دمشق کی گورنری پر جہاد کو پسند کرتا ہوں۔ لہٰذا اس خط کے پہونچتے ہی آپ کسی ایسے شخص کو ادھر فوراً روانہ کر دیجئے جو اس عہدے کی خواہش و رغبت رکھتا ہو۔ مَیں بہت جلد آپ کے پاس پہونچ کر شریکِ جہاد ہوتا ہوں۔ ان کا انتقال موضعِ عقیق میں سنہ ۵۰ یا ۵۱ھ ہجری کو ہوا۔ مگر پھر جنازہ مدینے میں لاکر بقیع میں دفن کیا گیا +

(۱۰) ابو عُبیدہ عامر بن عبداللہ بن الجراحؓ

ان کا نام عامر۔ کُنیت ابو عبیدہ۔ یہ بھی قریشی ہیں اور ان کا سلسلۂ نسب سات واسطوں سے پیغمبر صاحب کے نسب میں جا ملتا ہی۔ قدیم الاسلام اور قدیم الہجرت ہیں۔ کہا جاتا ہی کہ اَور مہاجرین کے ساتھ حبشے کی طرف بھی ہجرت کی۔ ان کی والدہ اُمّ غنم اُمیّہ بنت جابر نے حالتِ اسلام میں انتقال کیا اور باپ عبداللہ کا فرمرا۔

مفاخر

(۱) پیغمبر صاحب نے فرمایا ہر اُمّت میں ایک امانت دار ہوتا ہی میری اُمّت کے امانت دار ابو عبیدہ بن الجراح ہیں ایک روایت میں یُوں آیا ہی کہ ہر پیغمبر کا ایک امین ہوتا ہی۔ میرے امین ابو عبیدہ بن الجراح ہیں۔

(۲) ہجرت کے دسویں سال یمن فتح ہوا نجران کے کچھ باشندے پیغمبر صاحب کے پاس آئے۔ اور عرض کیا کہ ہمارے ساتھ اپنے ایک امین کو بھیج دیجئے۔ کہ وہ ہمارے حقوق میں خیانت کو جائز نہ رکھے۔ پیغمبر صاحب نے فرمایا مَیں تمھارے پاس عنقریب ایک ایسا امانت دار آدمی بھیجتا ہوں۔ جو کما حقہ امین ہی۔ اس پر تمام صحابہ کو انتظار رہا۔ کہ دیکھیے پیغمبر صاحب کسے بھیجتے ہیں۔ اور ہر ایک شخص بجائے خود اس بات کا متوقع تھا کہ پیغمبر صاحب مجھے روانہ فرمائیں گے۔ پیغمبر صاحب نے ابو عبیدہ کو بھیجا اور فرمایا کہ اے اُمتِ محمدؐ ہر نبی کا ایک امین ہوا کرتا ہی ہمارے امین ابو عُبیدہ ہیں۔

(۳) پیغمبر صاحب نے فرمایا ابو عُبیدہ بن الجراح اچھے آدمی ہیں اور انھیں جنّت کی خوش خبری دی۔ ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ

۵۰ھ تا ۵۱ھ یہ پیغمبر صاحب کے رازدار اور شریکِ شوریٰ ہوں گے۔ اس وجہ سے پیغمبر صاحب نے ان کو امین فرمایا تھا •

۵۱ یمن میں ایک موضع ہی ۱۲ +

خلافت میں جب دو قبیلوں یا دو شخصوں میں کسی طرح کی نزاع ہوتی اور متخاصمین امیرالمومنین سے حکم یا پنچ مقرر کرنے کی درخواست کرتے تو آپ فرماتے میں تمہارے لیے ایک ایسا شخص منتخب کرتا ہوں جو نرم دل ہو سخت گیر نہیں۔ اگر اس پر ظلم کیا جاتا ہو تو وہ ظلم کا انتقام نہیں لیتا۔ اس کے ساتھ بُرائی کی جائے تو درگزر کرتا ہو۔ اس سے قطع رحمی کی جائے تو وہ صلۂ رحمی کرتا ہو مسلمانوں پر مہربان۔ اور کافروں پر سخت سنو وہ ابوعبیدہ بن الجراح ہیں

(۴) اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضہ سے کسی نے پوچھا کہ کون سا صحابی پیغمبر صاحب کو زیادہ محبوب تھا۔ فرمایا ابوبکرؓ۔ پھر کون جواب دیا عمرؓ۔ عرض کیا پھر کون فرمایا ابوعبیدہ بن الجراح۔

(۵) کسی نے اُمّ المومنین عائشہؓ سے یہ بھی دریافت کیا کہ اگر پیغمبر صاحب اپنی حیات میں کسی کو خلیفہ بناتے تو کس کو بناتے کہا ابوبکر کو سائل نے کہا پھر کس کو کہا عمر کو پوچھا پھر کس کو فرمایا ابوعبیدہ کو۔

(۶) ابوعبیدہ شجاعت و بہادری میں مشہور تھے۔ اور اسی وجہ سے یہ ہمیشہ افواج اسلام کی سپہ سالاری کے معزز عہدے پر ممتاز رہے۔ عمر فاروق کے زمانۂ خلافت میں جس قدر فتوحات ہوئے۔ اُن میں بڑا حصّہ ابوعبیدہ ہی نے لیا۔

(۷) امیرالمومنین عمر فاروقؓ اپنی وفات کے روز بار بار فرماتے تھے کہ اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو آج امر خلافت کو میں اُن کے سپرد کرتا۔

خدمات

(۱) ابوعبیدہ تمام غزوات میں پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر رہے۔ معرکۂ بدر میں جو کارِ نمایاں ان سے ظاہر ہوا نہایت ہی تعریف و تحسین کے قابل ہے کہ جب اِن کے والد عبداللہ۔ مشرکین مکّہ کی صف میں کھڑے ہوئے دکھائی دیئے۔ تو یہ اُن سے مقابلہ کرنے کو آگے بڑھے۔ اِن کو آگے بڑھتا ہوا دیکھ کر عبداللہ بھی صف میں سے نکل کر آگے آیا۔ اور ابوعُبَیدہ نے صرف خُدا اور رسولِ خدا کی رضامندی کے لیے اپنے والد عبداللہ کو قتل کر ڈالا۔

(۲) جنگِ اُحد کے موقع پر جو استقلال و ثبات اِن سے ظہور میں آیا۔ خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے کہ جب اور لوگ پیغمبر صاحب سے علٰحدہ ہو گئے یہ سائے کی طرح پیغمبر صاحب کو چمٹے رہے اور پیغمبر صاحب کے سر پر جب ایک کافر نے تلوار ماری اور اس زور سے ماری کہ آپ کی پیشانی مبارک میں خود کے حلقے گھس گئے تو ابوعُبَیدہ نے اپنے سامنے کے دونوں دانتوں سے خود کے حلقوں کو پکڑ کر گھسیٹا۔ اور اس زور سے گھسیٹا کہ دانت جڑوں سے نکل کر گر پڑے۔ ظاہر ہے کہ اس سے ابوعُبَیدہ کو سخت تکلیف ہوئی ہوگی۔ مگر وہ پیغمبر صاحب کی محبت میں اس قدر مستغرق تھے کہ آپ کو راحت پہنچنے سے اپنی تکلیف کا ذرا بھی احساس نہ کر سکے اور یہ معلوم کر کے کہ پیغمبر صاحب کی پیشانی مبارک سے خود کے حلقے نکل گئے اور اس سے آپ کو گونہ تسلّی ہوئی مارے خوشی کے اُچھل پڑے۔ سنہ ۱۸ ہجری میں ۵۸ برس کی عمر کو پہنچ کر طاعونِ عمواس میں رملہ اور بیت المقدس کے درمیان موضع اردن میں وفات پائی۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ طاعونِ عمواس میں ۲۵ ہزار آدمی ضائع ہوئے۔ جن میں ایک جماعت صحابہ کی بھی تھی۔ جن دنوں عمواس میں مری پھیلی ابوعبیدہ نے جنابِ الٰہی میں بایں الفاظ دعا کی اَللّٰھُمَّ اٰتِ اٰلَ اَبِیْ عُبَیْدَۃَ نَصِیْبَھُمْ اس سے اُن کی غرض یہ تھی کہ شہید مریں۔ کیونکہ مطعون بھی ایک طرح کا شہید ہے جیسا کہ مشہور ہے

میں آیا ہی۔ پس ابوعبیدہ کے ہاتھ میں گلٹی نکلی اور انھوں نے گلٹی پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ فِیْھَا اس کے دوسرے روز ان کا انتقال ہوگیا۔

تمام شد

